ہندوستان میں برطانوی راج

۱۸۵۷ کی جنگ آزادی

ڈاکٹر ابن حسن

نظر ثانی: ابوذر وسیم

www.Nayaab.Net 2006 انٹرنیٹ ایڈیشن دوم سال

☆

ہندوستان میں برطانوی راج (1)

لندن: جمعہ، 10 جون 1853

ویانا سے تار برقی کے مراسلات یہ اعلان کرتے ہیں کہ ترک سارڈینیائی اور سوئس سوالات (2) کا پر امن حل وہاں یقینی خیال کیا جاتا ہے۔

گزشتہ شب دارالعوام میں ہندوستان پر مباحثہ (3) حسب معمول پھیکے پن سے جاری رہا۔ مسٹر بلیکٹ نے سر چارلس وڈ اور سر ہاک کے بیانات پر یہ الزام لگایا کہ ان پر رجائیت پسندانہ دروغ کی چھاپ لگی ہوئی ہے۔ وزیروں اور بورڈ آف ڈائریکٹرس (4) کے جوشیلے نمائندے الزام کی جتنی لعنت وملامت کر سکتے تھے، وہ انہوں نے کی اور ناگزیر مسٹر ہیوم نے مباحثے کا خلاصہ کرتے وقت وزراء سے اپنے مسودہ قانون کو واپس لینے کی اپیل کی، مباحثہ ملتوی ہو گیا۔

ہندوستان ایشیائی پیمانے کا اطالیہ ہے۔ جس میں کوہ الپس کی جگہ کوہ ہمالیہ ہے، لم بارڈی کے میدان کی بجائے بنگال کا میدان ہے، اپینائنٹس کی جگہ دکن ہے اور جزیرہ سسلی کی بجائے لنکا کا جزیرہ ہے۔ یہاں دھرتی سے حاصل ہونے والی پیداوار میں وہی فراوانی اور رنگارنگی ہے اور ہیت سیاسی میں وہی انتشار۔ جس طرح اطالیہ میں اکثر فاتح کی تلوار نے صرف بزور قوت مختلف قومیتوں کو دبا کر یکجا کر دیا ہے اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان پر جب کبھی مسلمانوں یا مغلوں یا انگریزوں کا غلبہ نہیں رہا تو وہ اتنی ہی خود مختار اور برسر پیکار ریاستوں میں تقسیم ہو گیا جتنے شہر بلکہ گاؤں اس کے اندر ہیں، لیکن سماجی نقطہ نظر سے ہندوستان مشرق کا اطالیہ

نہیں ہے بلکہ مشرق کا آئر لینڈ ہے اور اطالیہ اور آئر لینڈ کا یہ انوکھا مرکب، عیش و عشرت اور مصائب و آلام کی دو دنیاؤں کا یہ امتزاج ہندوستان کے مذہب کی قدیم روایتوں میں پہلے ہی نظر آ سکتا ہے ۔ یہ مذہب بیک وقت نفس پرستی اور رنگ رلیوں کا مذہب بھی ہے اور ریاضت و جفاکشی پر مبنی رہبانیت بھی، یہ لنگم اور جگن ناتھ کا مذہب ہے، یہ سادھوؤں اور دیوداسیوں کا مذہب ہے ۔

میں ان لوگوں کا ہم خیال نہیں ہوں جو ہندوستان کے ایک سنہرے دور پر یقین رکھتے ہیں۔اگرچہ میں سر چارلس وڈ کی طرح اپنی رائے کی تائید کے لئے قلی خان (5) کا ذکر نہیں کرتا لیکن مثال کے طور پر اورنگ زیب کے عہد کو لیجئے یا اس دور کو لیجئے جب شمال میں مغل اور جنوب میں پرتگالی وارد ہوئے، یا پھر مسلمانوں کے حملے اور جنوبی ہند میں ہیپٹارکی (6) غلبے کا زمانہ لیجئے یا اگر آپ چاہیں تو اور بھی پرانے وقتوں کی طرف چلے جائیے اور خود برہمنوں کی دیو مالا پر مبنی علم تاریخ کو لیجئے جو ہندوستانی دکھ اور مصیبت کا آغاز ایک ایسے دور میں بتاتا ہے جو نظریہ عیسائیت کے مطابق تخلیق عالم کے دور سے بھی کہیں زیادہ پراچین دور ہے ۔

لیکن اس کے باوجود اس بارے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہ سکتا کہ انگریزوں نے ہندوستان پر جو دکھ نازل کئے ہیں وہ بنیادی طور پر ان تمام مصیبتوں سے مختلف اور کہیں زیادہ شدید ہیں جو اس سے پہلے ہندوستان کو اٹھانی پڑی تھیں ۔ میں یہاں اس یورپی استبداد کی طرف اشارہ نہیں کر رہا ہوں جس کی برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایشیائی استبداد پر قلم کاری کر کے ایک ایسے خوفناک اور کریہہ المنظر امتزاج کو جنم دیا جو سالسیت کے مندر کی ڈراؤنی اور بدشکل مقدس مخلوقات سے بھی بازی لے گیا۔ یہ چیز برطانوی نوآبادکار راج کی نمایاں خصوصیت

قطعی نہیں ہے بلکہ ہالینڈ کے نظام کی نقل ہے اور یہ اس حد تک اس کی نقل ہے کہ برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کے طریقہ کار کا نقشہ کھینچنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ جاوا کے انگریز گورنر سر اسٹیمفورڈ ریفلس نے پرانی ڈچ ایسٹ انڈیا کے متعلق جو کچھ کہا تھا اسے حرف بہ حرف دہرایا جائے۔

"ولندیزی کمپنی کا واحد محرک منافع کمانے کی اسپرٹ تھی اور وہ اپنی رعایا کو اس سے بھی کم ہمدردی اور عزت کی نظر سے دیکھتی تھی جس سے ایک ویسٹ انڈیا کا پلانٹر پہلے اپنی جائیداد پر کام کرنے والے غلاموں کی ٹولی کو دیکھتا تھا کیونکہ آخر الذکر کو کم از کم اپنی انسانی ملکیت کی قیمت خرید تو ادا کرنی پڑتی تھی اور کمپنی کو وہ بھی نہیں دینی پڑتی تھی۔ سو وہ جبر و استبداد کے تمام مروجہ طریقوں کو اس مقصد کے لئے استعمال کرتی تھی کہ عوام سے زیادہ سے زیادہ خراج وصول کرے، اس کی محنت کے ذریعے زیادہ سے زیادہ دولت بٹورے اور اس کے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لے۔ اس طرح اس کمپنی نے من موجی، متلون اور نیم وحشی حکومت کی بدکاریوں کے لئے کریلا اور نیم چڑھا کا کام کیا کیونکہ اس کے طریقہ حکومت میں سیاست دانوں کی تمام منجھی ہوئی خوش تدبیری اور تاجروں کی تمام تر اجارہ دارانہ خودغرضی کا امتزاج تھا"۔

تمام خانہ جنگیاں، حملے، انقلابات، فتوحات اور قحط، ہندوستان میں یہ سب سلسلہ وار واقعات خواہ بظاہر کتنے ہی غیر معمولی طور پر پیچیدہ، تیز رفتار اور تخریبی کیوں نہ معلوم ہوتے ہوں لیکن دراصل وہ محض سطح تک ہی رہے۔ انگلستان نے ہندوستان سماج کے پورے ڈھانچہ کو توڑ ڈالا ہے اور اب تک تعمیر نو کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے ۔ اپنی پرانی دنیا کے کھو جانے اور نئی دنیا سے کچھ ہاتھ نہ آنے کی وجہ سے ہندوستان کی

موجودہ مصیبت اور دکھ میں ایک خاص قسم کی افسردگی کی آمیزش ہوگئی ہے اور اسی چیز نے ہندوستان کو جس پر برطانیہ کا راج ہے، اس کی تمام قدیم روایات سے، اس کی تمام تر پرانی تاریخ سے علیحدہ کردیا ہے۔

ایشیا میں بہت پرانے وقتوں سے عام طور پر حکومت کے صرف تین شعبے ہوتے چلے آئے ہیں: مالیت یا اندرونی لوٹ کھسوٹ کا شعبہ، جنگ یا بیرونی لوٹ کھسوٹ کا شعبہ اور ان کے علاوہ تعمیرات عامہ کا شعبہ۔ آب و ہوا اور علاقائی حالات نے اور خصوصاً وسیع ریگستان کی موجودگی نے، جو صحارا سے شروع ہوکر اور عرب، ایران، ہندوستان اور تاتاریہ سے گزر کر ایشیاء کے بلندترین کوہستانی خطوں تک پھیلے ہوئے ہیں، نہروں اور آب رسانی کے انتظامات کے ذریعے مصنوعی آب پاشی کو مشرقی کاشت کاری کی بنیاد بنادیا ہے۔ مصر اور ہندوستان کی طرح میسوپوٹامیا اور ایران وغیرہ میں بھی زمین کو زرخیز بنانے کے لئے سیلاب سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ یعنی آب پاشی کی نہروں تک پانی پہنچانے کے لئے اونچی سطح کو استعمال کیا جاتا ہے۔ پانی کے مشترکہ اور کفایت شعارانہ استعمال کی یہی اولین اور اہم ضرورت جس نے مغرب میں نجی کاروبار کرنے والوں کو رضاکارانہ ساجھے داری پر مجبور کیا۔ مثلاً اطالیہ اور فلانڈرز میں۔ اسی نے مشرق میں حکومت کی مرکزیت پیدا کرنے والی قوت کی دخل اندازی کو لازمی بنایا کیونکہ وہاں تہذیب کی سطح اس قدر نیچی اور علاقے اس قدر وسیع اور پھیلے ہوئے تھے کہ رضاکارانہ ساجھے داری کو بروئے کار نہیں لایا جاسکتا تھا، لہٰذا تمام ایشیائی حکومتوں پر ایک معاشی فرض منصبی، تعمیرات عامہ مہیا کرنے کا فرض عائد ہوا۔ زمین کو زرخیز بنانے کا یہ مصنوعی طریقہ جس کا دارومدار مرکزی حکومت پر تھا اور جس پر آب پاشی اور پانی کے نکاس کی طرف غفلت کا برتاؤ ہوتے

ہی فوراً زوال آ گیا، اس عجیب و غریب امر کی، جس کی دوسری طرح وضاحت نہیں ہوسکتی، توجیہ اور وضاحت کر دیتا ہے کہ آج ہمیں پورے کے پورے کئی علاقے، جو کبھی سرسبز اور شاداب تھے، بالکل بنجر اور ریگستانی حالت میں نظر آتے ہیں مثلاً پالمیر یا اور پترا یمن کے کھنڈر اور مصر، ایران اور ہندوستان کے کئی بڑے بڑے صوبے اور اس طرح یہی طریقہ اس چیز کی توجیہ بھی کرتا ہے کہ محض ایک تباہ کن جنگ کسی ملک کی آبادی کو کئی صدیوں کے لئے کس طرح گھٹا سکتی ہے اور اس ملک کو اس کی تہذیب سے مکمل طور پر کیسے محروم کرسکتی تھی۔

بات یہ ہے کہ ایسٹ انڈیا میں انگریزوں نے اپنے پیش روؤں سے مالیات اور جنگ کے شعبے تو لے لئے لیکن انہوں نے تعمیرات عامہ کے شعبے کو قطعی طور پر نظر انداز کر دیا۔ یہی سبب ہے اس کی زراعت کی زبوں حالی کا جو آزادانہ مقابلے (Laissez faire , Laisez aller) (7) کے برطانوی اصول پر چلائے جانے کی اہلیت نہیں رکھتی لیکن ایشیائی سلطنتوں میں تو ہم یہ چیز دیکھنے کے خاصے عادی ہیں کہ کسی ایک حکومت کے زیر سایہ زراعت زبوں حال ہے اور کسی دوسری حکومت کے زیر سایہ وہ پھر پنپ اٹھتی ہے۔ جس طرح یورپ میں فصلوں کا اچھا یا برا ہونا اچھے یا برے موسم پر منحصر ہوتا ہے اسی طرح ایشیاء میں فصلوں کے اچھے یا برے ہونے کا انحصار اچھی یا بری حکومت پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زراعت کی طرف سے غفلت برتنا اور اسے کچلنا گو ایک بہت بری بات تھی لیکن پھر بھی اسے ہندوستانی سماج پر برطانوی ناخواندہ مہمانوں کا ایک آخری اور فیصلہ کن وار نہیں سمجھا جا سکتا تھا اگر اس وار کے ساتھ ساتھ بہت ہی زیادہ اہمیت کے حالات شامل نہ ہو جاتے جو تمام ایشیائی دنیا کی تاریخ میں ایک جدید اور انوکھی چیز تھے۔ ہندوستان

کے ماضی کی سیاسی شکل خواہ کتنی ہی تغیر پذیر کیوں نہ معلوم ہوتی ہو لیکن اس کے سماجی حالات قدیم وقتوں سے لے کر انیسویں صدی کی پہلی دہائی تک قطعی نہیں بدلے تھے۔ کرگھے اور چرخے جو مسلسل کروڑوں سوت کاتنے والوں اور بنکروں کو جنم دیتے رہتے تھے، اس سماج کے ڈھانچے کا مرکزی ستون تھے۔ عرصہ دراز سے یورپ ہندوستانی محنت کشوں کے بنائے ہوئے نہایت نفیس کپڑے لیتا اور ان کے عوض ہندوستانیوں کے لئے قیمتی دھاتیں بھیجتا رہا اور اس طرح سنار کے لئے خام مواد مہیا کرتا رہا اور سنار اس ہندوستانی سماج کا انتہائی ضروری رکن ہے جس کی آرائشی اشیاء سے الفت کا یہ عالم ہے کہ سب سے نچلے طبقے کے لوگ بھی، جو تقریباً برہنہ رہتے ہیں، عام طور پر سونے کی بالیاں اور گلوں میں سونے کا کسی قسم کا زیور ضرور پہنے رہتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں انگوٹھی چھلے بھی خاصے عام تھے۔ عورتیں اور بچے اکثر سونے یا چاندی کے بھاری بھاری کنگن اور جھانجھریں پہنے رہتے تھے اور گھروں میں دیوی دیوتاؤں کی طلائی یا نقرئی مورتیاں بھی اکثر دیکھنے میں آتی تھیں۔ ہندوستانی کرگھے اور چرخے کا خاتمہ اور تباہی برطانوی دخل گیروں ہی کا کام تھا۔ انگلستان نے ابتدا تو کی یورپی منڈیوں سے ہندوانی سوتی کپڑے کو خارج کر دینے سے، اور اس کے بعد اس نے ہندوستان میں دھاگہ رائج کر دیا اور آخر کار سوت کی جنم بھومی میں سوتی کپڑے کی ریل پیل کر دی۔ 1818 سے 1836 تک برطانیہ عظمیٰ سے ہندوستان کے لئے دھاگے کی برآمد ایک اور 5200 کے تناسب سے بڑھی۔ 1824 میں ہندوستان میں برطانوی ململ اور تنزیب وغیرہ کی درآمد مشکل سے دس لاکھ گز ہوگی اور 1837 میں وہ 6 کروڑ 40 لاکھ گز سے زائد ہو چکی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ڈھاکہ کی آبادی ڈیڑھ لاکھ سے گھٹ کر بیس ہزار رہ گئی تھی

مگر پارچہ بافی کے لئے مشہور اور نامی ہندوستانی شہروں کے انحطاط کو کسی طرح بھی برطانوی راج کا بدترین نتیجہ نہیں کہا جا سکتا۔ برطانوی بھاپ اور برطانوی سائنس نے ہندوستان کے سارے طول وعرض میں زراعت اور دستکاری کے باہمی اتحاد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔

یہ دو چیزیں۔ کہ ایک طرف تو ہندوستانیوں نے، تمام مشرقی قوموں کی طرح، بڑی بڑی تعمیرات عامہ کی دیکھ بھال، جو ان کی زراعت اور تجارت کیلئے سب سے ضروری تھیں، مرکزی حکومت پر چھوڑ رکھی تھی، اور دوسری طرف وہ خود ملک کے پورے طول وعرض کی بنیاد پر چھوٹے چھوٹے مرکزوں میں مجتمع ہو گئے تھے۔ انہیں دونوں حالات نے قدیم وقتوں سے مخصوص تقسیم کا کردار رکھنے والے سماجی نظام کو وجود پذیر کر دیا تھا جسے دیہی برادریوں کا نظام کہا جاتا ہے۔ اس نے ان چھوٹی چھوٹی سبھاؤں میں سے ہر ایک کو اس کی اپنی خود مختارانہ تنظیم اور آزادانہ اور علیحدہ زندگی عطا کی تھی۔ اس نظام کے مخصوص کردار کا اندازہ مندرجہ ذیل بیان سے ہو سکتا ہے جو ہندوستانی امور پر برطانوی دارالعوام کی ایک پرانی سرکاری رپورٹ میں موجود ہے:

''گاؤں، جغرافیائی اعتبار سے ملک کا ایک ایسا حصہ ہے جو قابل کاشت اور بنجر زمین کے چند سو یا ہزار ایکڑ پر مشتمل ہوتا ہے۔ سیاسی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو وہ ایک کارپوریشن یا ٹاؤن شپ سے مشابہ ہے اس کے افسروں اور ملازمین کا باقاعدہ عملہ مندرجہ ذیل پر مشتمل ہے: پٹیل یا مکھیا جو عام طور پر گاؤں کے تمام امور اور معاملات کی نگرانی کرتا ہے، گاؤں والوں کے آپس کے جھگڑے چکاتا ہے، پولیس کے کام کی دیکھ بھال کرتا ہے اور اپنے گاؤں میں لگان وصول کرنے کا فرض انجام دیتا ہے اور یہ ایک ایسا فرض ہے جس کے لئے وہ ذاتی رسوخ اور لوگوں کے

معاملات اور حالات سے بہت تفصیلی واقفیت رکھنے کے باعث سب سے زیادہ موزوں آدمی ہوتا ہے۔ ''کرنم'' کاشت کا حساب کتاب رکھتا ہے اور اس سے متعلقہ ہر چیز کا اندراج کرتا ہے۔علاوہ بریں ''طلیعار'' اور ''ٹوٹی'' ہوتے ہیں جن میں سے اوّل الذکر کا فرض تو یہ ہے کہ وہ جرائم اور قانون کی خلاف ورزیوں کے متعلق اطلاعات حاصل کرے اور ایک سے دوسرے گاؤں تک سفر کرنے والوں کے ساتھ جائے اور ان کی حفاظت کرے۔آخر الذکر کا دائرہ عمل زیادہ تر گاؤں تک محدود ہوتا ہے اور وہ علاوہ اور باتوں کے فصلوں کی حفاظت کرنے اور ان کا حساب کتاب کرنے پر مشتمل ہوتا ہے۔پھر پٹواری ہے جو گاؤں کی حدود کو قائم رکھتا ہے یا نزاع کی صورت میں ان حدود کے متعلق شہادت دیتا ہے۔نالوں اور رجبہوں، ندیوں وغیرہ کا مہتمم زراعتی کاموں کے لئے پانی تقسیم کرتا ہے۔برہمن تمام گاؤں کی پوجا پاٹ کا فرض انجام دیتا ہے۔استاد گاؤں کے بچوں کو ریت پر لکھنا اور پڑھنا سکھاتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ان کے علاوہ جنتری بنانے والا برہمن یا جوتشی وغیرہ وغیرہ عام طور پر گاؤں ان افسروں اور ملازمین پر مشتمل ہوتا ہے لیکن ملک کے بعض حصوں میں وہ نسبتاً چھوٹا ہوتا ہے اور مندرجہ بالا فرائض اور کارہائے منصبی میں سے کئی کو ایک ہی آدمی انجام دیتا ہے اور بعض دوسرے حصوں کے عملوں میں مذکورہ بالا افراد کے علاوہ اور لوگ بھی ہوتے ہیں اس ملک کے باشندے قدیم وقتوں سے میونسپل حکومت کی اس سادہ شکل کے زیر سایہ رہتے چلے آرہے ہیں۔گاؤں کی حدود شاذونادر ہی بدلی ہیں اور گو بعض اوقات جنگ، قحط اور بیماری کے باعث گاؤں خود تو تباہ و برباد تک ہوتے رہے ہیں لیکن صدیوں تک وہی پرانے نام، وہی حدود، اسی قسم کے مفاد اور یہاں تک کہ وہی پرانے خاندان قائم رہے ہیں۔یہاں کے باشندوں نے سلطنتوں

کے منقسم ہونے اور شیرازہ بکھیرنے پر کبھی کوئی فکر وتردد نہیں کیا۔ اگر گاؤں صحیح وسالم ہے تو انہیں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی تھی کہ وہ کس اقتدار کو منتقل ہوا ہے یا وہ کس فرماروا کے زیر سایہ آیا ہے اور اس کی اندرونی معیشت جوں کی توں رہی۔ پٹیل اب تک گاؤں کا مکھیا ہے اور اب تک ایک چھوٹے موٹے منصف یا مجسٹریٹ اور گاؤں کا لگان وصول کرنے والے کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔" (8)

سیاسی جسم کی یہ چھوٹی چھوٹی نہ تبدیل ہونے والی شکلیں بڑی حد تک ٹوٹ پھوٹ کر ہمیشہ کو غائب ہو رہی ہیں لیکن اس میں برطانوی سپاہی اور برطانوی محاصل کی وحشیانہ دخل اندازی کا اتنا ہاتھ نہیں ہے جتنا کہ انگریزی بھاپ انجنوں اور انگریزی آزاد تجارت کا ہے۔ یہ خاندانی برادریاں، ہاتھ کی بوائی اور جتائی پر مبنی زراعت کا ایک ایسا انوکھا امتزاج تھا جس نے انہیں اپنا بار آپ ہی اٹھانے کے قابل بنا دیا تھا۔ انگریزی دخل اندازی کی وجہ سے کتائی کرنے والا تو ہو گیا لنکا شائر کا اور بنکر بنگال کا، یا پھر اس نے ہندوستانی کتائی کرنے والے اور بنکر دونوں ہی کو برطرف کر دیا اور اس طرح ان چھوٹی چھوٹی نیم وحشی، نیم متمدن برادریوں کی اقتصادی بنیاد پر وار کر کے ان کو توڑ پھوڑ کر برابر کر دیا اور اس طور پر انگریزی دخل اندازی ایشیاء کے سب سے بڑے، بلکہ سچ پوچھئے تو واحد سماجی انقلاب کو بروئے کار لائی۔

گو یہ ٹھیک ہے کہ ان لاتعداد چھوٹی چھوٹی، محنتی، بے ضرر اور سر قبیلی سماجی تنظیموں پر جن کا شیرازہ بکھر رہا تھا اور جو تباہ وبرباد ہو رہی تھیں، مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹتے دیکھنا اور ان کے سارے ارکین کو بیک وقت اپنی تہذیب کی قدیم شکل اور روزی کے موروثی وسیلوں سے محروم ہوتے دیکھنا انسانی جذبات کے لئے ایک بار

گراں ضرور ہوگا لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ پرسکون دیہی برادریاں بظاہر بھلے ہی بے ضرر معلوم ہوں لیکن وہ ہمیشہ سے مشرقی استبداد کی ٹھوس بنیاد رہی ہیں اور انہوں نے ہمیشہ انسانی ذہن کو حتی الامکان تنگ ترین دائرے میں قید رکھا ہے، اور اس طرح اسے توہم پرستی کا بے بس آلہ کار اور روایتی قاعدے قانون کا غلام بنایا ہے، اور تمام عظمت و شان اور اس کی تمام تاریخی توانائیوں سے محروم رکھا ہے۔ ہمیں اس وحشیانہ خود پسندی کو نہیں بھولنا چاہیے جو کسی حقیر سے پارۂ زمین پر اپنی توجہ مرکوز کر کے سلطنتوں کی بربادی، ناقابل بیان ظلم و ستم اور بڑے بڑے شہروں کی پوری پوری آبادی کے قتل عام کا نظارہ نہایت اطمینان قلب کے ساتھ دیکھتی تھی، ان چیزوں کو فطری مظاہر اور واقعات سے زیادہ اہمیت نہیں دیتی تھی اور جو خود ہر اس حملہ آور کا جو اس کی طرف توجہ کرنے کی تکلیف گوارا کرتا تھا بے بس ولا چار شکار بن سکتی تھی۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اس وقار سے عاری، جامد و ساکن اور مجہول زندگی نے، اس روئیدہ قسم کے وجود نے دوسری طرف ہندوستان میں وحشیانہ، بے مقصد اور بے لگام تخریبی قوتوں کو بھی جنم دیا اور خود قتل و خون کو ہندوستان میں ایک مذہبی رسم بنا دیا۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ان چھوٹی چھوٹی برادریوں کو ذات پات کی تفریق اور غلامی نے آلودہ کر رکھا تھا اور انہوں نے انسان کو خارجی حالات سے ارفع اور بالا تر بنانے کی بجائے اسے ان حالات کا غلام بنا دیا تھا، انہوں نے ایک خود ارتقائی سماجی حالت کو غیر تغیر پذیر فطری تقدیر کی حیثیت دے دی تھی اور اس طرح فطرت کی بے ڈھنگی پرستش کو جنم دیا تھا۔ اس کی پستی اور ذلت کی نمائش اس سے ہوتی ہے کہ انسان جو فرمانروائے فطرت ہے، ہنومان بندر اور شبلا گائے کے حضور پوجا کے لئے دوزانو ہو گیا۔

یہ صحیح ہے کہ ہندوستان میں سماجی انقلاب لانے میں انگلستان کے محرکات ذلیل ترین تھے اور اپنے ذلیل مفاد کو ہندوستان پر ٹھونسنے کا طریقہ بھی بہت احمقانہ تھا لیکن سوال دراصل یہ نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ آیا ایشیا کی سماجی حالت میں ایک بنیادی انقلاب آئے بغیر انسانیت اپنی تقدیر کی تکمیل کر سکتی ہے؟ اگر نہیں کر سکتی تو خواہ انگلستان کے جرائم کچھ بھی ہوں اس نے بہر حال اس انقلاب کو بروئے کار لانے میں تاریخ کے غیر شعوری آلہ کار کا کام انجام دیا۔ لہٰذا ہمارے احساسات کے لئے ایک قدیم دنیا کی تباہی کا نظارہ کتنا ہی تلخ اور نا گوار کیوں نہ ہو لیکن ہمیں تاریخی نقطہ نظر سے گوئٹے کی ہم نوائی میں یہ کہنے کا حق ہے: (گوئٹے کی نظم ''نذر زلیخا'' [مشرق و مغرب کا دیوان])

یہ اذیت جو ہمارے واسطے
زیادہ بڑی مسرت لے کر آئی ہے
کیا اسی لئے تکلیف دہ ہونی چاہیے؟
تیمور کے عہد حکومت میں
کیا روحوں کی بے حساب تباہی نہیں ہوئی؟

ایسٹ انڈیا کمپنی کی تاریخ اور اس کی کارروائیوں کے نتائج

لندن جمعہ، 24 جون 1853

لارڈ اسٹینلے کی اس تجویز پر، کہ ہندوستان کے لئے قانون بنانا ملتوی کر دیا جائے بحث آج شام کے لئے ٹال دی گئی ۔ 1783 سے پہلی بار ہندوستان کا مسئلہ برطانیہ میں سرکاری مسئلے کی حیثیت سے آیا۔ اس کی وجہ کیا ہے؟

درحقیقت ایسٹ انڈیا کمپنی کی سرگرمیوں کی ابتداء 1702ء سے پہلے کے وقت سے منسوب نہیں کی جاسکتی جبکہ مختلف انجمنیں جو ایسٹ انڈیا کی تجارت کی اجارہ داری کا دعویٰ کرتی تھیں، ایک واحد کمپنی میں متحد ہوگئیں۔ اس وقت تک اصلی ایسٹ انڈیا کمپنی کا وجود ہی بار بار خطرے میں پڑا، ایک بار کرامویل کے زمانہ ولایت میں اس کی سرگرمیاں برسوں تک معطل رہیں اور ایک بار ولیم سوم کی حکومت میں پارلیمانی مداخلت کی وجہ سے اس کے قطعی خاتمے کا خطرہ پیدا ہوا لیکن ہالینڈ کے اسی شہزادے نے زمانہ اقتدار میں جب وھگ برطانوی سلطنت کی آمدنیوں کے وصول کرنے والے ٹھیکیدار بنے، جب بینک آف انگلینڈ وجود میں آیا، جب برطانیہ میں حفاظتی نظام خوب مظبوط ہوگیا اور یورپ میں طاقتی توازن مختتم طور پر قائم ہوگیا تو اسی وقت پارلیمنٹ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے وجود کو تسلیم کیا۔ ظاہری آزادی کا یہ دور دراصل اجارے داریوں کا دور تھا جو شاہی عطیات کی بنیاد پر وجود میں نہیں آئی تھیں جیسا کہ ایلزبتھ اور چارلس اول کے زمانے میں ہوتا تھا بلکہ پارلیمنٹ کی منظوری سے قانونی اور قومی قرار دی گئی تھیں۔ برطانیہ کی تاریخ میں یہ دور فرانس میں لوئی فلپ کے دور سے بہت ملتا جلتا ہے۔ جب پرانی جاگیردارانہ اشرافیہ کو شکست ہوئی تھی اور بورژوازی صرف دولت مندوں یا بڑے سرمایہ کاروں (Haute

finance) کے جھنڈے تلے ہی اس کی جگہ لینے کی پوزیشن میں تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے عام لوگوں کو ہندوستان کے ساتھ تجارت سے اسی وقت محروم کر دیا جب دارالعوام نے ان کو نمائندگی سے محروم کیا۔ یہاں دیگر واقعات میں ہم اس کی مثال پاتے ہیں کہ جاگیردارانہ اشرافیہ پر بورژوازی کی پہلی فیصلہ کن فتح کے ساتھ ساتھ عوام کے خلاف زیادہ سے زیادہ کھلی ہوئی رجعت پرستی کا اظہار ہوا۔ اس مظہر نے کو بیٹ جیسے متعدد مصنفوں کو اس کے لئے اکسایا کہ وہ عوامی آزادی کے لئے بمقابلہ مستقبل کے، ماضی کی طرف دیکھیں۔

آئینی شاہی اور اجارہ داریوں کو استعمال کرنے والے دولت مند کروڑ پتیوں کے درمیان ایسٹ انڈیا کمپنی اور 1688ء کے ''شاندار'' انقلاب (9) کے درمیان اتحاد اسی طاقت نے قائم کیا تھا، جس نے ہمہ وقت اور تمام ملکوں میں لبرل سرمائے اور لبرل شاہی خاندانوں کو منسلک اور متحد کیا۔ اسی رشوت خور طاقت نے جو آئین شاہی کی خاص محرک طاقت، ولیم سوم کا محافظ فرشتہ اور لوئی فلپ کے لئے مہلک عفریت تھی۔ 1693ء ہی میں پارلیمانی تحقیقاتوں سے معلوم ہوا کہ صاحب اقتدار لوگوں کے ''تحائف کی مد میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے سالانہ اخراجات جو انقلاب سے پہلے شاذونادر ہی 1200 پونڈ اسٹرلنگ سے اوپر گئے تھے، اس وقت تک 90 ہزار پونڈ اسٹرلنگ تک پہنچ چکے تھے۔ ڈیوک آف لیڈس کو پانچ ہزار پونڈ اسٹرلنگ کی رشوت لینے کا مجرم قرار دیا گیا اور خود نیک کردار بادشاہ کا دس ہزار پونڈ اسٹرلنگ پانے پر پردہ فاش کیا گیا۔ ان براہ راست رشوتوں کے علاوہ، حکومت کو انتہائی کم سود پر بڑے بڑے قرضوں کی پیش کش کر کے مقابلہ کرنے والی کمپنیوں کے ڈائریکٹروں کو رشوت دے کر ان کمپنیوں سے نجات حاصل کی گئی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے اور بینک آف انگلینڈ نے بھی جو اثر حکومت کو رشوت دے کر حاصل کیا تھا اسے برقرار رکھنے کے لئے وہ اور بینک آف انگلینڈ نئی نئی رشوتیں دینے پر مجبور ہوئے۔ ہر بار جب کمپنی کی اجارہ داری کی مدت ختم ہوئی تو وہ اپنے چارٹر کی تجدید صرف حکومت کو نئے قرضوں اور تحائف پیش کر کے ہی کر سکتی تھی۔

سات سالہ جنگ (10) کے واقعات نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو تجارتی طاقت سے فوجی اور علاقائی طاقت میں تبدیل کر دیا۔ اس وقت مشرق میں موجودہ برطانوی سلطنت کی بنیاد پڑی۔ اس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کے حصے 263 پونڈ اسٹرلنگ تک چڑھ گئے اور 12.5 فیصدی کی شرح سے منافع تقسیم ہوا لیکن اس وقت کمپنی کا ایک نیا دشمن پیدا ہوا، گو اس بار مقابلہ کرنے والی کمپنیوں کی صورت میں نہیں بلکہ مقابلہ کرنے والے وزراء اور مقابلہ کرنے والی قوم کی صورت میں تھا۔ اس پر زور دیا گیا کہ کمپنی کی علاقائی ملکیتیں برطانوی بیڑے اور برطانوی فوج کے ذریعے حاصل کی گئی ہیں اور برطانوی رعایا کا ایک بھی آدمی کسی بھی علاقے پر تاج سے الگ رہ کر حاکمیت اعلیٰ نہیں رکھ سکتا۔ اس وقت کے وزراء اور قوم نے اس ''بیش بہا خزانے'' میں اپنے حصے کا مطالبہ کیا جو ان کے خیال کے مطابق کمپنی کی تازہ ترین فتوحات سے حاصل کیا گیا تھا۔ کمپنی صرف 1767ء کا معاہدہ کر کے ہی اپنے وجود کو برقرار رکھ سکی۔ جس میں اس نے ریاستی خزانے کو سالانہ چار لاکھ پونڈ اسٹرلنگ ادا کرنے کا ذمہ لیا۔

لیکن اس کی بجائے کہ وہ یہ معاہدہ پورا کرتی اور برطانوی قوم کو خراج ادا کرتی، ایسٹ انڈیا کمپنی مالی مشکلات میں مبتلا ہو گئی اور اس نے پارلیمنٹ سے مالی امداد

مانگی ۔اس اقدام کے نتیجے میں کمپنی کے چارٹر میں ٹھوس تبدیلیاں ہوئیں ۔ کمپنی کا معاملہ اس نئ صورت حال کے باوجود نہ سدھرا اور جب اسی وقت برطانوی قوم شمالی امریکہ میں اپنی نوآبادی کھو بیٹھی تو یہ عام ہوگیا کہ برطانیہ کو کہیں نہ کہیں وسیع نو آبادیاتی سلطنت بنانے کی ضرورت ہے۔مشہورومعروف فاکس نے 1783 میں اپنا مشہور انڈین بل پیش کرنے کو مناسب لمحہ خیال کیا جس میں یہ تجویز کی گئی تھی کہ بورڈ آف ڈائریکٹرز اور مالکان کے کورٹ ختم کر دیئے جائیں اور ہندوستان کا سارا نظام پارلیمنٹ کے مقرر کیے ہوئے سات کمشنروں کے ہاتھ میں دے دیا جائے۔ دارالامراء پر کم عقل بادشاہ (یہاں مراد ہے جارج سوم) کے ذاتی اثر کی وجہ سے فاکس کا بل نامنظور ہوگیا اور فاکس لارڈ نارتھ کی مخلوط حکومت کو توڑنے اور مشہور پٹ کو حکومت کا سربراہ بنانے کے لئے استعمال کیا گیا ۔1784 میں پٹ نے دونوں ایوانوں میں ایک بل منظور کرایا جس میں خفیہ کونسل کے چند ممبروں پر مشتمل بورڈ آف کنٹرول کے قیام کی ہدایت کی گئی تھی ۔بوردآف کنٹرول کا کام تھا: ’’ان تمام اقدامات، کارروائیوں اور کاموں کو جانچنا، ان کی نگرانی اور کنٹرول کرنا جن کا تعلق کسی طرح ایسٹ انڈیا کمپنی کے علاقوں اور جائیدادوں کے شہری اور فوجی انتظام سے ہے اور اسی طرح ان سے حاصل ہونے والی آمدنیوں کو بھی ۔‘‘

اس کے بارے میں مورخ ’’مل‘‘ نے یہ کہا ہے:

’’اس قانون کو منظور کر لینے میں دو مقصد پیش نظر تھے۔جس چیز کو مسٹر فاکس کے مسودہ قانون کا وحشیانہ مقصد بنایا گیا تھا، اس کے الزام سے بچنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ اختیار کا خاص حصہ ڈائریکٹروں ہی کے ہاتھ میں معلوم ہو۔وزارت کے فائدہ کے لئے یہ ضروری تھا کہ درحقیقت ڈائریکٹروں سے سارا اختیار لے لیا

جائے ۔مسٹر پٹ کا مسودہ قانون خاص طور سے اس نکتے پر اپنے مد مقابل کے مسودہ قانون سے ظاہری امتیاز رکھتا تھا کہ گویا وہ ڈائریکٹروں کے اختیار کو تقریباً برقرار رکھتا تھا جبکہ فاکس کا مسودہ قانون ان کو اس سے بالکل محروم کر دیتا تھا۔ مسٹر فاکس کے قانون کے مطابق وزیروں کے اختیارات مسلمہ طور پر ان کے ہاتھ میں ہوتے ۔ مسٹر پٹ کے قانون کے مطابق یہ اختیارات خفیہ طور پر اور دغا بازی سے عمل میں لائے جاتے ۔فاکس کے مسودہ قانون نے کمپنی کے اختیارات پارلیمنٹ کے مقرر کئے ہوئے کمشنروں کو دیئے۔ مسٹر پٹ کے مسودہ قانون نے انہیں بادشاہ کے مقرر کئے ہوئے کمشنروں کو دے دیا۔" (11)

اس طرح 1783 اور 1784 پہلے سال تھے اور ابھی تک صرف ایسے سال ہیں جن میں ہندوستانی سوال حکومت کا سوال بن گیا۔ مسٹر پٹ کا مسودہ قانون منظور ہو گیا، ایسٹ انڈیا کمپنی کے چارٹر کی تجدید کر دی گئی اور ہندوستانی سوال بیس سال کے لئے بالائے طاق رکھ دیا گیا لیکن 1813 میں جیکوبی دشمن جنگ (12) اور 1833 میں نئے منظور شدہ اصلاحی بل (13) نے تمام دوسرے سوالوں کو پس پشت ڈال دیا۔

یہ تھی سب سے بڑی وجہ جو ہندوستانی سوال کے 1784 تک اور اس کے بعد بڑا سیاسی سوال بننے میں رکاوٹ بنی۔ 1784 تک ایسٹ انڈیا کمپنی کے تمام ایسے اختیارات پر قبضہ جما لیا جو وہ اپنے اوپر بلا کوئی ذمہ داری لئے ہوئے حاصل کر سکتی تھی اور بعد میں چارٹر کی تجدید کے دوران 1813 اور 1833 میں انگلینڈ کے عوام کی توجہ دوسرے زیادہ فوری سوالوں پر مرکوز ہو گئی ۔

اب ہم سوال کو دوسرے نقطہ نظر سے دیکھیں گے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے صرف

اپنے ایجنٹوں کے لئے تجارتی مراکز اور اپنے سامان کے لئے گودام قائم کرنے سے ابتدا کی تھی۔ اپنے تجارتی مرکزوں اور گوداموں کی حفاظت کے لئے اس نے کئی قلعے تعمیر کر لئے تھے۔ اگر چہ 1689 ہی میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں علاقائی ملکیت کی بنیاد ڈالنے اور علاقائی آمدنی کو اپنے نفع کا ذریعہ بنانے کا خیال کیا تھا۔ پھر بھی 1744 تک اس کی ملکیت میں بمبئی اور کلکتہ کے مضافات میں کچھ غیر اہم علاقے ہی تھے۔ اس کے بعد کرناٹک میں جو لڑائی ہوئی، اس میں نوبت یہاں تک پہنچی کہ چند تصادموں کے بعد کمپنی ہندوستان کے اس حصے کی مالک بن بیٹھی۔ بنگال کی جنگ اور کلائیو کی فتوحات نے اور کہیں زیادہ اہم پھل دیئے۔ ان کا نتیجہ بنگال، بہار اور اڑیسہ پر حقیقی قبضہ تھا۔ اس کے بعد اٹھارویں صدی کے آخر اور موجودہ صدی کے ابتدائی برسوں میں ٹیپو سلطان سے لڑائیاں ہوئیں اور ان کے نتیجے میں فاتحوں کی طاقت میں بڑا اضافہ ہوا اور باج گزاری کے نظام کی زبردست توسیع ہوئی۔ (14) انیسویں صدی کی دوسری دہائی میں انگریزوں نے پہلی موزوں سرحد کو یعنی ریگستان میں ہندوستان کی سرحد کو آخر کار فتح کر لیا۔ صرف اسی وقت مشرق میں برطانوی سلطنت ایشیا کے اس حصے تک پہنچی جو ہمیشہ ہندوستان میں ہر طاقتور مرکزی حکومت کا صدر مقام رہا ہے لیکن سلطنت کے سب سے کمزور مقامات، ایسے مقامات جن کے ذریعہ ہندوستان پر ہر بار حملہ ہوا جب پرانے فاتح کو نئے نے نکال باہر کیا، یعنی مغربی سرحدی مقامات ابھی برطانیہ کے ہاتھ نہیں آئے تھے۔ 1838 سے 1849 تک سکھوں اور افغانوں کے خلاف جنگوں میں پنجاب اور سندھ کا جبری الحاق کر کے (15) برطانوی حکومت نے مشرقی ہندوستانی براعظم کی نسلی، سیاسی اور فوجی سرحدوں پر قطعی تسلط قائم کر لیا۔ یہ مقبوضات وسط ایشیا کی طرف سے

ہر حملے کو پسپا کرنے اور روس کے مقابلے کے لئے بھی ضروری تھے جو ایران کی سرحدوں تک بڑھ آیا تھا۔ ان پچھلے دس برسوں کے دوران برطانوی ہندوستان میں 8572630 باشندوں پر مشتمل 167000 مربع میل کے رقبے کا اضافہ کیا گیا۔ جہاں تک ہندوستان کی اندرونی صورت حال کا تعلق ہے تو اب ساری دیسی ریاستوں کا محاصرہ برطانوی مقبوضات نے کر لیا جو مختلف شکلوں میں برطانوی فرماں روائی میں تھے اور صرف گجرات اور سندھ کے علاوہ ان کو سمندری ساحل سے کاٹ دیا گیا۔ جہاں تک بیرونی تعلقات کا سوال ہے ہندوستان ختم کر دیا گیا تھا۔ صرف 1849 سے واحد عظیم برطانوی ہندوستانی سلطنت وجود میں آئی۔

اس طرح حکومت برطانیہ، کمپنی کے نام سے دو صدیوں تک لڑتی رہی۔ جب تک کہ ہندوستان کی آخری قدرتی سرحدیں نہیں حاصل ہو گئیں۔ اب ہماری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ اس سارے وقت برطانیہ کی ساری پارٹیاں کیوں خاموش رہیں، حتٰی کہ وہ بھی جنہوں نے واحد ہندوستانی سلطنت کی تشکیل ہونے پر اپنی مکارانہ امن پسندی میں بلند و بانگ ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ پہلے ان کو ہندوستان حاصل کرنا تھا تاکہ بعد کو وہ اس پر اپنی زبردستی کی انسان دوستی تھوپ سکیں۔ اس سے ہمارے لئے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ اب 1853 میں ہندوستانی سوال کی صورت حال چارٹر کی تجدید کی ساری پچھلی مدتوں کے مقابلے میں مختلف ہو گئی ہے۔

اب ایک اور نقطہ نظر سے سوال کو دیکھیں۔ ہم ہندوستان کے ساتھ برطانوی تجارتی لین دین کی روش کا جائزہ لے کر ہندوستانی قانون سازی کے اس مخصوص بحران کو اور زیادہ سمجھ سکیں گے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی سرگرمیوں کی ابتداء میں ایلزبتھ کے دور حکومت میں کمپنی کو

اجازت دی گئی تھی کہ وہ ہندوستان کے ساتھ اپنی نفع بخش تجارت کے لئے ہر سال تیس ہزار پونڈ اسٹرلنگ کی رقم چاندی، سونے اور غیر ملکی سکوں کی شکل میں برآمد کر سکتی ہے۔ یہ اس صدی کے سارے تعصبات کی خلاف ورزی تھی اور ٹامس من کی اپنی کتاب ''انگلستان اور ایسٹ انڈیا کے درمیان تجارت پر مباحثہ'' (16) میں ''تجارتی سسٹم'' کی بنیاد قائم کرتے ہوئے اور یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ بیش قیمت دھاتیں یہ کسی ملک کی حقیقی دولت ہوتی ہیں، ساتھ ہی یہ ثابت کرنے پر مجبور ہوا کہ ان کی برآمد کی اجازت اطمینان کے ساتھ دی جا سکتی ہے بشرطیکہ برآمد کرنے والی قوم کے لئے ادائیگی کا توازن مفید ہو۔ اس معنی میں اس نے یہ یقین دلایا کہ ایسٹ انڈیا سے درآمد کی ہوئی اشیائے تجارت زیادہ تر دوسرے ملکوں کو پھر برآمد کی جاتی ہیں جہاں سے اس کے مقابلے میں سونے چاندی کی کافی زیادہ مقدار حاصل کی جاتی ہے جتنی کہ ہندوستان میں ان چیزوں کی قیمت ادا کرنے کے لئے درکار ہیں۔ اسی جذبے کے تحت سر جوزیا چائلڈ نے ''ایک رسالہ جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ایسٹ انڈیا سے تجارت ساری بیرونی تجارتوں میں سب سے زیادہ قوی ہے'' (17) لکھا۔ رفتہ رفتہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے اجارہ دار زیادہ جری ہوتے گئے اور اس عجیب ہندوستانی تاریخ میں اس کو عجوبے کی حیثیت سے دیکھا جا سکتا ہے کہ یہ ہندوستانی اجارہ دار ہی انگلستان میں آزاد تجارت کے اصول کے پہلے وکیل تھے۔

17 ویں صدی کے آخر اور 18 ویں صدی کے زیادہ تر حصے میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی کی سوتی اور ریشمی کپڑے کی درآمد کو بیچارے برطانوی صنعت کاروں کے لئے بربادی کا سبب قرار دیا گیا تو ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملے میں مداخلت کا مطالبہ پھر کیا گیا لیکن اس بار تاجروں کے نہیں بلکہ صنعت کاروں کے طبقے کی طرف

سے یہ ہوا۔اس رائے کا اظہار جان پولی کسفن کی تصنیف ''انگلستان اور ہندوستان اپنی اپنی صنعتی پیداوار میں بے جوڑ ہیں۔'' (لندن 1697) میں ہوا۔(18) یہ ایسا عنوان تھا جس کی تصدیق ڈیڑھ سو سال بعد ہوئی لیکن بالکل مختلف معنی میں۔تب پارلیمنٹ نے مداخلت کی۔ ایران یا چین سے لائے ہوئے ریشمی کپڑوں اور ہندوستان کے چھپے یا رنگے ہوئے سوتی کپڑوں کے لباسوں کے پہننے کی ممانعت کر دی گئی اور ان کپڑوں کو رکھنے یا بیچنے والوں کے لئے 200 پونڈ اسٹرلنگ کا جرمانہ مقرر کیا گیا اسی طرح کے قوانین جارج اول، دوم اور سوم کی حکومتوں میں بھی بعد کو اس قدر ''روشن خیال'' ہو جانے والے برطانوی صنعت کاروں کی متواتر شکایتوں پر منظور کیے گئے۔اس طرح 18 ویں صدی کے زیادہ حصے کے دوران ہندوستانی مصنوعات انگلستان میں زیادہ تر اس لئے درآمد کی جاتی تھیں کہ ان کو براعظم میں بیچا جائے اور خود انگلستان کی منڈی سے ان کو الگ رکھا جاتا تھا۔

لالچی انگریز صنعت کاروں کے اصرار پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملات میں پارلیمانی مداخلت کے علاوہ لندن کے لیورپول اور برسٹل کے تاجر، ہر بار چارٹر کی تجدید کا سوال اٹھنے پر اس کی پوری کوشش کرتے تھے کہ وہ کمپنی کی تجارتی اجارہ داری کو اور خود اس تجارت میں حصہ لیں جس کو اصلی سونے کی کان سمجھا جاتا تھا۔ان کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ 1773 کے ایکٹ میں یکم مارچ 1814 تک کمپنی کے چارٹر کی توسیع کرتے ہوئے ایک شرط رکھی گئی جس کے مطابق ہر طرح کا سامان انفرادی طور پر برطانوی باشندوں کو برآمد کرنے کی اجازت دی گئی تھی، لیکن اس رعایت کو ایسی شرائط سے محدود کر دیا گیا کہ نجی تاجروں کے ذریعے برطانوی ہندوستان کو سامان برآمد کرنا بالکل ختم ہو گیا۔1813 میں تاجروں کے وسیع حلقوں

کے دباؤ کو کمپنی زیادہ برداشت نہ کرسکی اور چینی تجارت کی اجارہ داری کے سوا ہندوستان سے تجارت بعض شرائط کے تحت نجی مقابلے کے لئے کھول دی گئی۔ 1833 میں چارٹر کی تجدید کے وقت بالآخر، یہ آخری پابندیاں بھی ختم کردی گئیں۔ کمپنی کو قطعی طور پر ہر طرح کی تجارت کی ممانعت کردی گئی، اس کی تجارتی نوعیت کو ختم کردیا گیا اور اس کو برطانوی باشندوں کو ہندوستانی علاقے سے باہر رکھنے کی جو رعایت حاصل تھی، وہ لے لی گئی۔

اس دوران میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارت میں زبردست تبدیلیاں ہوگئیں تھیں اور اس تجارت کے سلسلے میں انگلستان میں مختلف طبقاتی مفادات کے موقف بھی بالکل بدل گئے تھے۔ ساری 18 ویں صدی کے دوران جو خزانے ہندوستان سے انگلستان منتقل کئے گئے تھے ان کی حاصلات نسبتاً معمولی تجارت کے ذریعہ کم کی تھیں بمقابلہ مالک کے براہ راست استحصال اور اس زبردست دولت کے جو وہاں جبری طور پر وصول کرکے انگلستان بھیجی گئی۔ 1813 میں ہندوستان کے ساتھ عام تجارت کی ابتداء کے بعد اس میں مختصر عرصہ کے اندر تگنے سے زیادہ کا اضافہ ہوا۔ لیکن یہی سب کچھ نہ تھا پوری تجارت کی نوعیت ہی بدل گئی۔ 1813 تک ہندوستان زیادہ تر برآمدی ملک تھا اور اب یہ درآمدی ملک بن گیا اور وہ بھی اتنی تیزی کے ساتھ کہ زرمبادلہ کی شرح جو پہلے ایک روپیہ کے لئے دو شلنگ چھ پنس تھی، 1833 میں گر کر دو شلنگ رہ گئی۔ ہندوستان جو نہ جانے کتنے زمانے سے سوتی کپڑے کا سب سے بڑا کارخانہ تھا اور اسے ساری دنیا کو فراہم کیا کرتا تھا، اب انگلستان کے دھاگوں اور سوتی کپڑے سے بھر گیا۔ اس کی مصنوعات کو انگلستان سے باہر رکھا جاتا یا ان کو انتہائی سخت شرائط پر داخل کیا جاتا تھا اور برطانوی

مصنوعات ہندوستان میں بہت کم اور برائے نام محصولی پر انڈیلی جارہی تھیں جس کا نتیجہ دیسی سوتی کپڑوں کی بربادی تھا جو کسی زمانے میں اتنے مشہور تھے۔ 1780 میں برطانوی پیداوار (جس میں تیار شدہ چیزیں بھی تھیں) کی قیمت 386152 پونڈ تھی اور اسی سال برآمد شدہ چاندی سونے کی قیمت 15041 پونڈ تھی، چنانچہ 1780 کے دوران ساری برآمد کی قیمت 12648616 پونڈ رہی۔ اس طرح ہندوستان سے تجارتی تبادلے کی رقم ساری غیر ملکی تجارت کا 32 واں حصہ تھی۔ 1850 میں برطانیہ اور آئرلینڈ سے ہندوستان کو ساری برآمد کی قیمت 8024000 پونڈ تھی جس میں صرف برآمد شدہ سوتی کپڑے کی قیمت 5220000 پونڈ تھی یعنی برطانیہ کی ساری برآمد کے 8 ویں حصے سے کچھ زیادہ اور سوتی کپڑے کی ساری برآمد کی قیمت کے ایک چوتھائی حصے سے زیادہ۔ لیکن اب سوتی کپڑے کی ساری برآمد کی قیمت کے ایک چوتھائی حصے سے زیادہ۔ لیکن اب سوتی کپڑے کی پیداوار میں برطانیہ کی آبادی کا 8 واں حصہ کام کرتا تھا اور اس سے برطانیہ کی قومی آمدنی کا 12 واں حصہ حاصل ہوتا تھا۔ ہر تجارتی بحران کے بعد سوتی کپڑے کے برطانوی صنعت کاروں کے لئے ایسٹ انڈیا کے ساتھ تجارت اولین اہمیت اختیار کرتی جارہی تھی اور ایسٹ انڈیا کا براعظم واقعی ان کے لئے بہترین منڈی بن گیا۔ اس حساب سے جس سے سوتی کپڑے کی صنعت نے برطانیہ کے پورے سماجی ڈھانچے کیلئے زبردست اہمیت اختیار کر لی، ایسٹ انڈیا بھی برطانیہ کی سوتی کپڑے کی صنعت کے لئے زبردست اہمیت کا حامل ہوگیا۔

اس وقت تک زرداروں کے مفادات جنہوں نے ہندوستان کو اپنی محکوم ریاست میں تبدیل کر دیا تھا، اولیگارکی، جس نے اس کو اپنی فوجوں سے فتح کر لیا

تھا، اور صنعت کاروں کے مفادات، جنہوں نے اس کو اپنی مصنوعات سے بھر دیا تھا، مطابقت رکھتے تھے۔ لیکن برطانوی صنعت کا انحصار جتنا زیادہ ہندوستانی منڈی پر بڑھتا گیا، اتنا ہی زیادہ برطانوی صنعت کاروں کو اس کی ضرورت کا احساس ہوتا گیا کہ ہندوستان کی دیسی صنعت کو برباد کرنے کے بعد وہاں نئی پیداواری طاقتیں قائم کی جائیں۔ آپ کسی بھی ملک کو متواتر اپنی مصنوعات سے نہیں بھر سکتے جب تک کہ اس کو اس قابل نہ بنائیں کہ وہ آپ کو تبادلے میں کوئی سامان دے سکے، چنانچہ برطانوی صنعت کاروں نے دیکھا کہ ان کی تجارت بڑھنے کی بجائے کم ہو رہی ہے۔ 1846 میں ختم ہونے والے چار برسوں میں ہندوستان میں 26 کروڑ دس لاکھ روپیہ کا سامان برطانیہ سے درآمد ہوا تھا اور 1850 میں ختم ہونے والے چار برسوں میں 25 کروڑ تیس لاکھ روپیہ کا جبکہ پہلی مدت میں برآمد 27 کروڑ چالیس لاکھ روپیہ اور دوسرے دور میں 25 کروڑ چالیس لاکھ روپیہ کی تھی۔ برطانوی صنعت کاروں نے دیکھا کہ ہندوستان میں ان کی مصنوعات خریدنے کی صلاحیت انتہائی نیچی سطح تک پہنچ گئی ہے، کہ اس وقت ان کی مصنوعات کی سالانہ فی کس کھپت کی مالیت کا اوسط برطانوی ویسٹ انڈیز میں تقریباً 14 شلنگ، چلی میں 9 شلنگ 3 پنس، برازیل میں 6 شلنگ 6 پنس، کیوبا میں 6 شلنگ 2 پنس، پیرو میں 5 شلنگ 7 پنس، وسطی امریکہ میں 10 پنس اور ہندوستان صرف تقریباً 9 پنس تھا۔ اس کے بعد ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں کپاس کی فصل خراب ہوگئی جس کی وجہ سے 1850 میں برطانوی صنعت کاروں کو ایک کروڑ دس لاکھ پونڈ کا نقصان ہوا اور انہیں جھنجھلاہٹ ہوئی کہ ایسٹ انڈیا سے کافی مقدار میں کپاس حاصل کر سکنے کی بجائے وہ اب بھی امریکہ کے دست نگر ہیں۔ انہوں نے دیکھا کہ ہندوستان میں سرمایہ لگنے

کی ان کی ساری کوششوں میں ہندوستانی حکام کی طرف سے رکاوٹیں اور لاحاصل بحث مباحثہ ہوتا ہے۔ اس طرح ہندوستان ایک طرف صنعتی سرمائے اور دوسری طرف زرداروں اور اولیگارکی کے درمیان کشمکش کا اکھاڑہ بن گیا۔ صنعت کاروں نے برطانیہ پر اپنے بڑھتے ہوئے اثر کا شعور رکھتے ہوئے اب یہ مطالبہ کیا کہ ہندوستان میں ان کی مخالف طاقتوں کو نیست و نابود کر دیا جائے، ہندوستانی حکومت کے پورے قدیم تانے بانے کو برباد کر دیا جائے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کو قطعی طور پر ہٹا دیا جائے۔

اور آخر میں یہ رہا چوتھا اور آخری نقطہ جس سے ہندوستانی سوال کو دیکھنا چاہیئے۔ 1784 سے ہندوستان کی مالی پوزیشن بد سے بدتر ہوتی گئی۔ قومی قرض اب 5 کروڑ تک پہنچ گیا۔ آمدنی کے ذرائع زیادہ سے زیادہ کم ہوتے گئے اور اس کے مقابلے میں اخراجات بڑھتے گئے۔ خسارے کو افیون پر محصول جیسی غیر معتبر آمدنی سے مشکل سے پورا کیا جا سکتا ہے جس کو اب قطعی خاتمے کا خطرہ درپیش ہے، کیونکہ چینی خود خشخاش کاشت کرنے لگے ہیں۔ اس کے علاوہ برما کے خلاف احمقانہ جنگ (19) میں بھی اخراجات رہے ہیں۔

صورت حال یہ ہے۔ مسٹر ڈکنسن کہتے ہیں کہ "اگر ہندوستان میں سلطنت کھو دینے سے برطانیہ برباد ہو جائے گا تو اس کو برقرار رکھنے کی ضرورت ہماری اپنے مالیات پر بوجھ ہے۔" (20)

اس طرح میں نے یہ دکھایا ہے کہ ہندوستان کا سوال 1783 کے بعد سے پہلی بار کیسے برطانوی سوال اور وزارتی سوال بنا

ہندوستان میں برطانوی راج کے آئندہ نتائج

لندن: جمعہ، 22 جولائی 1853

اس مراسلے میں ہندوستان کے متعلق اپنی معروضات کا خلاصہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔

ہندوستان میں برطانوی اقتدار آخر قائم کیسے ہوگیا؟ -- مغل اعظم کے اقتدار اعلیٰ کو مغل صوبیداروں نے پاش پاش کیا۔ صوبیداروں کی قوت کو مرہٹوں نے توڑا (21) مرہٹوں کی قوت کو افغانوں نے ختم کیا اور اس وقت جبکہ سب ایک دوسرے کے خلاف جنگ آزما تھے برطانیہ جھپٹ کر پہنچ گیا اور ان سب کو زیر کرلیا۔ یہ ایک ایسا ملک تھا جو نہ صرف ہندوؤں اور مسلمانوں میں بلکہ مختلف قبیلوں اور مختلف ذاتوں میں بھی تقسیم تھا۔ یہ ایک ایسا سماج تھا جس کا چوکھٹا ایک قسم کے توازن پر ٹکا ہوا تھا اور یہ توازن اس سماج کے ارکین کے درمیان ایک عام باہمی تنفر اور بنیادی مغائرت کا نتیجہ تھا۔ ایسے ملک اور سماج کے مقدر میں بھلا مفتوح ہونا نہیں تو اور کیا لکھا تھا؟ اگر ہم ہندوستان کی گزشتہ تاریخ کے متعلق کچھ بھی نہ جانتے تب بھی کیا یہ اہم اور نا قابل تردید حقیقت کافی نہ ہوتی کہ اس وقت بھی ہندوستان کو اسی کے خرچ پر رکھی ہوئی ہندوستانی فوج نے انگریزوں کا حلقہ بگوش بنا رکھا ہے! ۔ لہٰذا ہندوستان کی تقدیر میں مفتوح ہونا لکھا تھا اور اس کی تمام تر گزشتہ تاریخ اس کے بار بار مفتوح اور زیر ہوتے رہنے کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ ہندوستانی سماج کی کوئی تاریخ ہی نہیں ہے، کم از کم اس کی کوئی ایسی تاریخ تو قطعی نہیں ہے جو لوگوں کے علم میں ہو۔ ہم جس چیز کو ہندوستانی سماج کی تاریخ کہتے ہیں وہ دراصل ان یکے بعد دیگرے آنے والے مداخلت کاروں کی تاریخ ہے جنھوں نے اس بے مزاحمت اور غیر متغیر سماج کی جامد

اور ساکن بنیاد پر اپنی سلطنتیں تعمیر کیں۔ لہٰذا سوال یہ نہیں ہے کہ انگریزوں کو ہندوستان فتح کرنے کا حق تھا یا نہیں، بلکہ سوال دراصل یہ ہے کہ کیا ہم برطانیہ کے فتح کیے ہوئے ہندوستان پر ترکوں یا ایرانیوں یا مغلوں کے مفتوح ہندوستان کو ترجیح دیں؟

انگلستان کو ہندوستان میں ایک ہی سلسلے کے دو مشن انجام دینے ہیں: ایک تخریب کا اور دوسرا تعمیر نو کا۔ قدیم ایشیائی سماج کو ختم کرنا اور ایشیا میں مغربی سماج کے لئے مادی بنیادیں قائم کرنا۔

وہ عرب، ترک، تا تاری اور مغل جنہوں نے باری باری ہندوستان پر دھاوا بولا تھا جلد ہی ہندوستانی رنگ میں رنگ گئے۔ بربری فاتح، تاریخ کے ابدی قانون کے مطابق خود اپنی رعایا کی برتر تہذیب کے مفتوح ہو گئے۔ برطانوی لوگ پہلے برتر فاتح تھے اور اسی وجہ سے ہندو تہذیب کی ان تک رسائی نہیں ہوسکتی تھی۔ انہوں نے دیسی برادریوں کو توڑ کر، دیسی صنعت کی جڑ اکھاڑ کر اور دیسی سماج کی ساری عظیم اور سرفراز و بلند چیزوں کو خاک میں ملا کر اس تہذیب کو تباہ و برباد کیا۔ ہندوستان میں ان کی حکومت کے تاریخی صفحات اس تباہی اور تخریب کے علاوہ مشکل ہی سے کسی اور چیز کا تذکرہ کرتے ہیں۔ حیات نو بخشنے کا کام کھنڈروں کے ڈھیر کے پیچھے مشکل ہی سے دکھائی دیتا ہے، تاہم یہ کام شروع ہو گیا ہے۔

ہندوستان کا سیاسی اتحاد، جو آج عظیم مغلوں کے زمانے سے کہیں زیادہ استوار اور وسیع ہے، ہندوستان کے حیات نو پانے کی اولین شرط تھا۔ یہ اتحاد جسے برطانوی تلوار نے ہندوستان پر مسلط کیا تھا اب تار برقی کے ذریعے اور زیادہ مستحکم اور پائیدار بنے گا۔ برطانوی سارجنٹ کی تربیت اور پریڈ کے قواعد سے تیار شدہ

دیسی فوج اس وقت کی پہلی لازمی شرط تھی کہ ہندوستان خود اپنے بازو سے آزادی حاصل کرے اور باہر سے یلغار کرنے والوں کا شکار بننا چھوڑ دے ۔آزاد اخبار نویسی جو ایشیائی سماج میں پہلی بار رائج ہوئی اور جسے زیادہ تر ہندوستانیوں اور یورپیوں کی مشترکہ اولاد چلاتی ہے اس سماج کی تعمیر نو کی ایک نئی طاقتور مددگار ہے ۔زمین داری اور رعیت داری نظام بجائے خود گھناؤنا ہونے کے باوجود زمین کی نجی ملکیت کی دو مختلف شکلیں ہیں جس کی ضرورت ایشیائی سماج کے لئے بہت اہم ہے۔ ہندوستان کے ان دیسی باشندوں کے درمیان ،جنہیں کلکتہ میں برطانوی نگرانی کے تحت طوہاً و کرہاً اور وہ بھی واجبی تعلیم دی گئی ہے ،ایک نیا طبقہ ابھر رہا ہے جو حکومت کرنے کی صلاحیتوں کا حامل ہے اور اسے یورپی سائنس کا تھوڑا بہت علم بھی ہے ۔ بھاپ کی بدولت ہندوستان کا یورپ کے ساتھ نقل وحمل کا باقاعدہ اور تیز رو سلسلہ قائم ہو گیا ہے۔ بھاپ ہی نے ہندوستان کی اہم بندرگاہوں کو جنوب مشرقی سمندر کی تمام بندرگاہوں سے مربوط کر دیا ہے اور اس نے ہندوستان کو اس کے الگ تھلگ مقام تنہائی سے نجات دلا دی ہے جو اس کے جمود اور اس کے سکون کی اولین وجہ تھا۔وہ دن دور نہیں جب ریل اور دخانی جہازوں کے امتزاج کی بدولت انگلستان اور ہندوستان کا درمیانی فاصلہ چھوٹا ہو کر وقت کے حساب سے آٹھ دن رہ جائے گا اور جب ایک زمانے کا یہ افسانوی ملک مغربی دنیا سے واقعی مل جائے گا۔

اس وقت تک برطانیہ عظمیٰ کے حکمران طبقوں کو ہندوستان کی ترقی میں محض وقتی اور عارضی قسم کی دلچسپی رہی تھی اور وہ بھی محض چند خاص صورتوں میں۔ طبقہ اشرافیہ ہندوستان کو فتح کرنا چاہتا تھا ،زردار طبقہ اسے لوٹنا کھسوٹنا چاہتا تھا اور کارخانہ دار طبقہ اپنی سستی مصنوعات کے ذریعے اس پر غلبہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔لیکن اب

معاملہ الٹ چکا ہے۔ کارخانہ دار طبقہ نے دریافت کرلیا ہے کہ ہندوستان کا ایک پیداواری ملک کی شکل اختیار کرنا اس کے لئے کس قدر اہم ہوگیا ہے اور وہ یہ بھی سمجھ گیا ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لئے سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ ہندوستان کو آبپاشی اور اندرونی نقل وحمل کی برکتیں عطا کی جائیں۔ اب وہ لوگ ہندوستان کے طول وعرض میں ریلوے کا ایک جال سا بچھانا چاہتے ہیں اور وہ ایسا کر کے رہیں گے، اس کے نتائج یقیناً بیش بہا ہوں گے۔

یہ سبھی جانتے ہیں کہ ہندوستان کی پیداوار کو ادھر سے ادھر منتقل کرنے اور اس کا تبادلہ کرنے کے ذرائع کے مکمل فقدان نے ہندوستان کی پیداواری قوتوں کو مفلوج کر رکھا ہے۔ ذرائع نقل وحمل کی کمی کے باعث قدرتی دولت کی فراوانی کے ساتھ ساتھ اس قدر سماجی افلاس ہمیں ہندوستان سے زیادہ اور کہیں نہیں ملتا۔ برطانوی دارالعوام کی ایک کمیٹی کے سامنے جس کی نشست 1848 میں ہوئی تھی یہ ثابت کیا گیا تھا کہ:

''جس وقت خاندیش میں اناج 6 سے لے کر 8 شلنگ فی کوارٹر (28 پونڈ یعنی تقریباً 13 کلوگرام) کے بھاؤ بک رہا تھا اسی وقت پونا میں جہاں کال کے مارے لوگ سڑکوں پر دھڑا دھڑ مر رہے تھے، اناج 64 سے لے کر 70 شلنگ تک کے حساب سے فروخت کیا جا رہا تھا اور خاندیش سے رسد حاصل کرنے کا کوئی امکان نہیں تھا کیونکہ کچی سڑکیں ناگزار تھیں۔''

جہاں جہاں ریلوے لائن کے پشتے بنانے کے لئے مٹی کی ضرورت ہے، وہاں حوض بنا کر اور مختلف ریلوے لائنوں کے برابر پانی کو ادھر سے ادھر منتقل کر کے ریلوے کی تعمیر کو آسانی سے زرعی مقاصد کیلئے کارآمد بنایا جاسکتا ہے اس طرح

آبپاشی کی، جو مشرق میں کاشت کاری کی ناگزیر شرط ہے، بہت توسیع و ترقی ہو سکتی ہے اور اکثر و بیشتر پانی کی کمی کی وجہ سے جو مقامی قحط پڑتے ہیں ان سے نجات مل سکتی ہے۔ جب ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ جو زمینیں آبپاشی سے فیض یاب ہیں وہ سب، یہاں تک کہ گھاٹ کے نزدیک علاقوں کی زمینیں بھی، ان علاقوں سے تین گنا ٹیکس ادا کرتی ہیں جن کا رقبہ اتنا ہی ہے لیکن آب پاشی سے محروم ہیں اور اسی طرح وہ ان کی نسبت دس یا بارہ گنا روزگار مہیا کرتی ہیں اور بارہ یا پندرہ گنا منافع ان سے حاصل ہوتا ہے، تو ہم پر اس سلسلے میں ریلوں کی ہمہ گیر اہمیت آشکار ہو جانی چاہیے۔

ریلیں فوجی اداروں کی تعداد اور خرچ گھٹانے کے ذرائع بھی مہیا کریں گی۔ فورٹ ولیم کے ٹاؤن میجر وارین نے دارالعوام کی ایک خاص کمیٹی کے سامنے بیان کیا:

"ملک کے دور دراز حصوں سے اتنے ہی گھنٹوں میں اطلاعات حاصل کرنے کی سہولت جتنے اس وقت دن بلکہ ہفتے لگ جاتے ہیں اور فوجوں اور رسد کے ساتھ اب سے کم وقت میں ہدایات بھیجنے کا امکان۔ یہ ایسے ملحوظات ہیں جن کی قدر و اہمیت جتنی بھی سمجھی جائے کم ہے۔ فوجیں اب سے زیادہ دور دراز اور زیادہ صحت افزاء چھاؤنیوں میں رکھی جا سکتی ہیں۔ اور اس طرح بیماریوں کے باعث جو اتنی زندگیاں ضائع ہو جاتی ہیں ان میں بہت کمی ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں مختلف گوداموں میں فوجی رسد کی اس حد تک ضرورت نہیں ہو گی اور اس کے سڑنے، ضائع ہونے اور آب و ہوا کے باعث خراب ہونے سے جو نقصان ہوتا ہے وہ بھی ختم ہو سکتا ہے۔ فوجیں جس قدر زیادہ کارگزار ہوں گی اسی تناسب سے ان کی تعداد گھٹائی جا سکتی ہے۔"

ہم جانتے ہیں کہ دیہی برادریوں کی معاشی بنیاد اور خود انتظام تنظیم ٹوٹ چکی ہے لیکن ان کی بدترین خصوصیت، یعنی سماج کا شیرازہ ٹوٹ کر ایک سی فطرت کے اَنمل بے جوڑ ذروں میں بکھر جانا! یہ چیز ان برادریوں کی قوت اور توانائی ختم ہونے کے بعد بھی باقی ہے۔ دیہی برادریوں کی باہر کی دنیا سے علیحدگی ہندوستان میں سڑکوں کی غیر موجودگی کا سبب بنی اور سڑکوں کی غیر موجودگی نے برادری کی اس علیحدگی کو دائمی کر دیا۔ اس طریقے کے مطابق دیہی برادریاں پست معیار کی سہولیات زندگی کے ساتھ اپنے دن گزارتی رہتی تھیں، ایک گاؤں کی دوسرے سے تقریباً کوئی رسم وراہ نہیں تھی اور ان برادریوں کے اندر وہ تمام خواہشات اور کوششیں ناپید تھیں جو سماجی ترقی کے لئے ناگزیر ہیں۔ اب جبکہ برطانوی لوگوں نے دیہی برادریوں کے اپنے حال پر قانع جمود وسکون کو توڑ دیا ہے تو ریلیں نقل وحمل، رسم وراہ اور آمدو رفت کی ایک نئی ضرورت پیدا کریں گی۔ علاوہ بریں، ریلوں کے نظام کا ایک نتیجہ یہ ہو گا کہ ہر گاؤں میں جو وباؤں سے متاثر ہوا ہے دوسرے ملکوں کے کل پرزوں اور آلات کا علم پہنچ جائے گا اور ان چیزوں کو حاصل کرنے کے ایسے طریقے بھی اس تک پہنچ جائیں گے جو ہندوستان کی برادری کے موروثی اور وظیفہ دار دستکاروں اور اہل حرفہ کو پہلے تو اپنے تمام جوہر اور کمالات دکھانے کا موقع دیں گے اور پھر وہ اپنے نقائص اور خامیوں کو دور کریں گے۔"

(''ہندوستان کی کپاس اور تجارت'' از چیپمن)(23)

مجھے معلوم ہے کہ ہندوستان کو ریل کی برکت سے روشناس کرانے میں انگریز کارخانہ دار طبقے کی نیت محض یہ ہے کہ اپنی صنعتوں کے لئے کم صرف پر کپاس اور دوسری خام اشیاء حاصل کر سکے لیکن اگر آپ نے کسی ایسے ملک کے طریق سفر میں

مشین کو رواج دے دیا ہے جو لوہے اور کوئلے سے مالا مال ہے تو پھر آپ اس ملک کو ان مشینوں کے تیار کرنے سے قطعی باز نہیں رکھ سکتے۔ آپ ایک بے حد وسیع و عریض ملک میں ریلوں کا جال اس وقت تک قائم نہیں رکھ سکتے جب تک کہ ریل گاڑیوں کی تمام فوری اور حالیہ ضروریات کو پورا کرنے کے لئے سارے صنعتی طریقوں کو بھی رائج نہ کریں، پھر ان کے ذریعے لازمی طور پر رفتہ رفتہ صنعت کے ان شعبوں میں بھی مشین کا استعمال شروع ہو جائے گا جن کا براہ راست ریلوں سے کوئی تعلق نہیں ہے لہذا ریلوں کا نظام ہندوستان میں واقعی جدید صنعت پیش رو ثابت ہو گا۔ اس بات کا اس لئے اور بھی زیادہ یقین ہے کہ خود برطانوی حکام یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہندوستانیوں میں اپنے آپ کو قطعی نئی قسم کی محنت کا عادی بنانے کی اور مشینوں کا ضروری علم حاصل کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اس امر کا کافی ثبوت ان دیسی انجینئروں کی مہارت، مشاقی اور صلاحیتوں سے مل سکتا ہے جو کلکتہ کی ٹکسال میں برسوں سے کام کر رہے ہیں جہاں وہ بھاپ کی مشین پر کام کرنے کے لئے رکھے گئے ہیں، اسی طرح ہردوار کے کوئلے والے علاقوں میں مختلف اسٹیم انجنوں پر کام کرنے والے دیسی اس چیز کا ثبوت ہیں، اور اس کے علاوہ دوسری مثالیں موجود ہیں۔ خود مسٹر کیمبل، ایسٹ انڈیا کمپنی کے تعصّبات سے بہت زیادہ متاثر ہونے کے باوجود، یہ اعتراف کرنے کے لئے مجبور ہیں کہ:

''ہندوستانی قوم کی عام آبادی بہت زیادہ صنعتی توانائی کی مالک ہے، اس میں سرمایہ جمع کرنے کی بہت اچھی صلاحیت ہے اور وہ ریاضیاتی سوجھ بوجھ اور اعداد و شمار نیز علوم قطعیہ کا ملکہ رکھتی ہے۔'' وہ لکھتے ہیں: ''ان میں ذہانت بہت عمدہ ہے۔''

جدید صنعت، ریلوں کے نظام کا نتیجہ، موروثی تقسیمِ محنت کو ختم کردے گی جس پر ہندوستانی ذات پات کی بنیاد ہے۔اور یہ ذات پات ہندوستانی ترقی اور ہندوستان کے اقتدار کی راہ میں بہت بڑی اور فیصلہ کن رکاوٹ ہے۔

وہ سب کچھ جو انگریز بورژوا طبقہ کرنے پر مجبور کر سکتا ہے عوام کی سماجی حالت میں نہ تو کوئی قابل ذکر بہتری پیدا کرے گا اور نہ عوام کو آزاد کرے گا کیونکہ اس کا انحصار صرف پیداواری قوتوں کے ارتقاء ہی پر نہیں بلکہ اس پر بھی ہے کہ عوام ان پیداواری قوتوں کو اپنے قبضے میں لے لیں۔لیکن انگریز بورژوا طبقہ ان دونوں مقاصد کے پورے ہونے کی مادی بنیاد ضرور رکھ دے گا۔اور بورژوا طبقے نے کبھی اس سے زیادہ بھی کچھ کیا ہے؟ کیا وہ کبھی افراد اور قوموں کو خون اور غلاظت، مصیبتوں اور ذلتوں میں جھونکے بغیر کسی قسم کی ترقی کو بروئے کار لایا ہے؟

ہندوستانی عوام اس وقت تک نئے سماج کے ان عناصر کا فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے جو برطانوی بورژوازی نے ان میں بکھیر دیئے ہیں جب تک خود برطانیہ عظمٰی میں صنعتی پرولتاریہ موجودہ حکمران طبقوں کی جگہ نہ لے لے یا جب تک خود ہندوستانی اتنے طاقتور نہ ہو جائیں کہ انگریز جُوے کو مکمل طور پر اپنی گردنوں پر سے اتار پھینک سکیں۔بہر حال یہ توقع کرنا غلط نہیں ہوگا کہ مستقبل قریب یا بعید میں ہم اس عظیم اور دلچسپ ملک کی حیات ثانیہ دیکھ سکیں گے جہاں کے نرم خو باشندے، یہاں تک کہ نچلے ترین طبقے کے لوگ بھی، پرنس سالتیکوف کے الفاظ میں ''اطالویوں سے زیادہ شائستہ اور ہنرمند ہیں''۔جن کی محکومی کی تلافی بھی ان کی ایک قسم کی پرسکون عالی ظرفی سے ہو جاتی ہے، جو اپنی فطری سُستی کے باوجود برطانوی افسروں کو اپنی بہادری سے دنگ کر چکے ہیں، جن کا وطن کبھی ہماری زبانوں اور مذہبوں کا سرچشمہ رہ

چکا ہے، جن کے جاٹ قدیم جرمنوں کا نمونہ ہیں اور برہمن قدیم یونانیوں کا۔

میں چند اختتامی کلمات کہے بغیر ہندوستان کے موضوع کو نہیں چھوڑ سکتا۔

جب بورژوا تہذیب اپنے وطن سے، جہاں وہ معزز شکلیں اختیار کرتی ہے، نو آبادیات کی طرف بڑھتی ہے، جہاں وہ بالکل عُریاں ہو جاتی ہے، تو اس کی گہری ریا کاری اور بربریت جو اس کی فطرت کا خاصہ ہے، ہماری آنکھوں کے سامنے بے نقاب ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ ملکیت کے حامی ہیں لیکن کیا کوئی انقلابی جماعت کبھی اس قسم کے زرعی انقلابات عمل میں لائی ہے جیسے بنگال، مدراس اور بمبئی میں ہوئے ہیں؟ میں خود اس مہا ڈاکو لارڈ کلائیو کا ایک فقرہ استعمال کر کے کہتا ہوں کہ جب معمولی رشوت ستانی ان کی حرص و ہوس کو آسودہ نہیں کر سکی تو کیا انہوں نے ہندوستان میں ظالمانہ استحصال بالجبر اختیار نہیں کیا؟ یورپ میں تو وہ قومی قرضوں کی اہمیت اور تقدس کے متعلق بکواس کرتے نہیں تھکتے تھے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ کیا انہوں نے ہندوستان میں ان راجوں کے منافعے ضبط نہیں کیے جنہوں نے اپنی نجی بچت کو خود کمپنی کے سرمائے میں لگایا تھا؟ وہ "ہمارے مقدس مذہب" کی حمایت کا نام لے کر ادھر تو فرانسیسی انقلاب سے جنگ آزما رہے اور ادھر ہندوستان میں کیا انہوں نے عیسائیت کے پرچار کی قطعی مخالفت نہیں کی؟ اور کیا انہوں نے اڑیسہ اور بنگال کے مندروں میں جوق در جوق آنے والے یاتریوں سے روپیہ اینٹھنے کے لئے جگن ناتھ کے مندر میں ہونے والی عصمت فروشی اور قتل کی گرم بازاری کو اپنا شیوہ نہیں بنایا؟ یہ ہیں 'ملکیت، قاعدہ قانون، خاندان اور مذہب' کے نام لیوا لوگ"۔

انگریزی صنعت کے تباہ کن اثرات کا مطالعہ اگر ہندوستان کے سلسلہ میں کیا جائے، جس کی وسعت پورے یورپ کے برابر ہے اور جس میں 15 کروڑ ایکڑ

زمین موجود ہے، تو وہ صریحی مگر حیران کن معلوم ہوں گے۔ لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ اس پورے نظام پیداوار کا فطری نتیجہ ہیں جو اس وقت موجود ہے۔ اس پیداوار کی بنیاد سرمائے کی حکومت عالیہ پر ہے۔ سرمائے کی مرکزیت اس کے ایک خودمختار قوت کی حیثیت سے قائم رہنے کے لئے ناگزیر ہے۔ دنیا کی منڈیوں پر سرمائے کی اس مرکزیت کا تخریبی اثر نہایت بڑے پیمانے پر سیاسی معاشیات کے فطری قوانین کو فاش کرتا ہے جو اس وقت دنیا کے ہر مہذب شہر میں مصروف عمل ہیں۔ تاریخ کے بورژوا دور کو نئی دنیا کے لئے مادی بنیاد کی تخلیق کرنی ہے .... ایک طرف تو انسان کے ایک دوسرے کی مدد کا محتاج ہونے کی بنیاد پر قائم شدہ عالمگیر روابط اور ان روابط اور میل جول کے ذرائع کی تخلیق اور دوسری طرف انسان کی پیداواری قوتوں کی نشوونما اور مادی پیداوار کو ترقی دے کر اسے فطری قوتوں پر ایک سائنسی غلبے اور حکومت کی شکل دینا۔ بورژوا صنعت اور تجارت نئی دنیا کے ان مادی حالات کی اس طرح تخلیق کرتی ہیں جس طرح ارضیاتی انقلابوں نے زمین کی سطح کی تخلیق کی ہے جب ایک عظیم سماجی انقلاب بورژوا عہد کے سارے ثمرات پر، دنیا کی منڈی پر اور جدید پیداواری قوتوں پر غالب ہو جائے گا اور انہیں سب سے زیادہ ترقی یافتہ لوگوں کی مشترکہ نگرانی اور تسلط میں لے آئے گا، تبھی بت پرستوں کے اس کریہہ المنظر دیوتا سے انسانی ترقی کی مشابہت ختم ہوگی جو مقتولوں کی کھوپڑیوں کے علاوہ اور کسی چیز میں امرت نہیں پیتا تھا۔

22 جولائی 1853 کو تحریر کیا۔ ''نیویارک ڈیلی ٹریبون'' کے شمارے 3840 میں 18 اگست 1853ء کو مارکس ہی کے نام سے شائع ہوا

ہندوستانی فوج میں بغاوت (25)

''پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو''..... روم کا وہ بنیادی اصول تھا جس کی مدد سے برطانیہ عظمٰی تقریباً ڈیڑھ سو سال سے سلطنت ہند پر اپنے قبضے کو برقرار رکھ سکا ہے۔ جن مختلف نسلوں، قبیلوں، ذاتوں اور ریاستوں کا مجموعہ اس جغرافیائی اتحاد کی تشکیل کرتا ہے، جسے ہندوستان کہا جاتا ہے۔ ان کے درمیان مخاصمت ہمیشہ برطانوی تسلط کا اہم اصول رہی ہے۔ لیکن تھوڑے عرصے میں اس تسلط کی شرائط بدل گئیں۔ سندھ اور پنجاب کی فتح سے برطانوی ہندوستانی سلطنت نہ صرف اپنی قدرتی سرحدوں تک پھیل گئی بلکہ اس نے خود مختار ہندوستانی ریاستوں کے آخری نشانات بھی مٹا دیئے۔ تمام جنگجو دیسی قبائل کو ماتحت بنالیا، تمام سنگین اندرونی جھگڑے ختم ہو گئے اور تھوڑا عرصہ ہوا اودھ کے الحاق (26) نے صاف دکھا دیا کہ نام نہاد خود مختار ہندوستانی رجواڑوں کا محض اس حد تک وجود ہے جتنا ان کو ابھی تک برداشت کیا جارہا ہے۔ اس سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی پوزیشن میں بڑی تبدیلی ہوئی۔ اب وہ ہندوستان کے ایک حصے پر دوسرے حصے کی مدد سے حملے نہیں کررہی تھی بلکہ ملک پر مسلط تھی اور پورا ہندوستان اس کے قدموں میں تھا۔ اب وہ فتوحات نہیں کررہی تھی بلکہ ہندوستان کی واحد فاتح بن چکی تھی۔ اس کی فوجوں کا فریضہ اب مقبوضات کی توسیع نہیں بلکہ ان کو برقرار رکھنا تھا۔ وہ فوجیوں سے پولیس والوں میں تبدیل ہو گئے تھے۔ 20 کروڑ دیسی باشندوں کو دو لاکھ دیسی لوگوں کی فوج فرمانبردار بنائے ہوئے تھی جس کے افسر انگریز تھے اور اس دیسی فوج کو، اپنی باری میں، صرف 40 ہزار انگریزی فوج نے لگام دے رکھی تھی۔ پہلی ہی نظر میں یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ ہندوستانی عوام کی فرمانبرداری کا انحصار دیسی فوج کی وفاداری پر ہے جس کی

تخلیق کے ساتھ ہی برطانوی حکومت نے مزاحمت کے پہلے مشترکہ مرکز کی تنظیم کی جو ہندوستانی عوام اس سے پہلے کبھی نہیں رکھتے تھے۔ اس ہندوستانی فوج پر کتنا بھروسہ کیا جا سکتا ہے اس کا اظہار اس کی حالیہ بغاوتوں سے ہوتا ہے جو ایران میں جنگ (27) کی وجہ سے بنگال پریذیڈنسی کے یورپی سپاہیوں سے تقریباً بالکل خالی ہوتے ہی فوراً پھوٹ پڑیں۔ ہندوستانی فوج میں بغاوتیں پہلے بھی ہوتی رہی ہیں لیکن موجودہ بغاوت (28) اپنے مخصوص اور ہلاکت آمیز خدوخال کے لحاظ سے امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ پہلا واقعہ ہے جب ہندوستانی سپاہیوں کی رجمنٹوں نے اپنے یورپی افسروں کو قتل کر دیا، جب مسلمان اور ہندو اپنی باہمی مخالفت کو ترک کر کے اپنے مشترکہ آقاؤں کے خلاف ہو گئے، جب ''ہندوؤں میں شروع ہونے والے ہنگامے کا انجام دہلی کے تخت پر مسلمان شہنشاہ کو بٹھانے پر ہوا'' جب بغاوت اور انگریز آقاؤں کے خلاف عظیم ایشیائی قوموں کی عام ناراضگی کا اظہار بیک وقت ہوئے کیونکہ بنگالی فوج کی بغاوت بلاشبہ ایران اور چین کی جنگوں (29) سے قریبی تعلق رکھتی ہے۔

بنگالی فوج میں ناراضگی کا سبب، جو چار مہینے پہلے سے پھیلنے لگی تھی، یہ بیان کیا جاتا ہے کہ دیسی لوگوں کو خطرہ تھا کہ حکومت ان کے مذہبی عقائد میں خلل اندازی کرنے والی ہے۔ مقامی ہنگاموں کی وجہ یہ تھی کہ فوج کو ایسے کارتوس دیے گئے جن کے کاغذ پر گائے اور سور کی چربی لگی ہوئی تھی اور ان کو استعمال کرنے کے لئے لازمی طور پر دانت سے کاٹنا پڑتا تھا۔ دیسی لوگوں نے اسے اپنے مذہبی عقائد پر حملہ خیال کیا۔ کلکتہ کے قریب ہی 22 جنوری کو چھاؤنیوں کو آگ لگا دی گئی۔ 20 فروری کو '19 دیسی رجمنٹ' نے بہرام پور میں غدر شروع کر دیا، جو کارتوس انہیں دیئے گئے

تھے ان کے خلاف یہ جوانوں کا احتجاج تھا۔ 31 مارچ کو یہ رجمنٹ توڑ دی گئی۔ مارچ کے آخر میں 34 سپاہی رجمنٹ نے جو بہرامپور میں مقیم تھی اپنے ایک آدمی کو اجازت دے دی کہ وہ پریڈ کے میدان میں قطار کے سامنے بھری ہوئی بندوق لے کر آگے بڑھے اور اپنے رفیقوں سے بغاوت کی اپیل کرنے کے بعد اپنی رجمنٹ کے ایڈ یکلنگ اور سارجنٹ میجر پر حملہ کر کے زخمی کر دے۔ اس کے بعد جو دست بدست لڑائی شروع ہوئی اس میں سینکڑوں سپاہی مجہولیت سے دیکھتے رہے لیکن دوسروں نے جدوجہد میں حصہ لیا اور اپنی بندوقوں کے کندوں سے افسروں پر حملہ کیا۔ چنانچہ اس رجمنٹ کو بھی توڑ دیا گیا۔ اپریل کا مہینہ الہٰ آباد، آگرہ، انبالہ میں بنگالی فوج کی کئی چھاؤنیوں کو آگ لگانے، میرٹھ میں سوار فوجوں کی تیسری رجمنٹ کی بغاوت اور بمبئی اور مدراس کی فوجوں میں بے چینی کے ایسے ہی مظاہروں کے لئے نمایاں ہے۔ مئی کے آغاز میں اودھ کے دارالحکومت لکھنؤ میں بغاوت کی تیاری ہو رہی تھی جس کا سر لارنس کی پھرتی کی وجہ سے تدارک کر دیا گیا۔ 9 مئی کو میرٹھ کی تیسری سوار رجمنٹ کے غدر کرنے والوں کو جو مختلف میعاد کی سزائیں دی گئی تھیں انہیں کاٹنے کے لئے جیل بھیج دیا گیا۔ اگلے دن شام کو تیسری سوار رجمنٹ کے جوانوں نے دو دیسی رجمنٹوں، 11 ویں اور 20 ویں کے ساتھ مل کر پریڈ کے میدان میں اجتماع کیا، جن افسروں نے ان کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی انہیں مار ڈالا، چھاؤنیوں میں آگ لگا دی اور جہاں بھی انگریز نظر آیا اسے قتل کر دیا۔ اگرچہ بریگیڈ کا برطانوی حصہ پیدل فوج کی ایک رجمنٹ، سوار فوج کی ایک رجمنٹ اور بہت سے توپ خانے پر مشتمل تھا لیکن وہ رات کے اندھیرے تک نقل و حرکت نہیں کر سکے۔ انہوں نے باغیوں کو کم نقصان پہنچایا اور موقع دے دیا کہ وہ کھلے میدان میں

چلے جائیں اور دہلی میں گھس پڑیں جو میرٹھ سے چالیس میل کے فاصلے پر ہے۔ وہاں دیسی محافظ فوج بھی ان کے ساتھ مل گئی جو پیدل فوج کی 38ویں، 45ویں اور 74ویں رجمنٹوں اور دیسی توپ خانے کی ایک کمپنی پر مشتمل تھی، انگریز افسروں پر حملہ کیا گیا اور ان تمام انگریزوں کو قتل کر دیا گیا جو باغیوں کے ہاتھ لگے۔ اور دہلی کے آخری مغل بادشاہ (اکبر ثانی) کے وارث (بہادر شاہ ثانی) کے ہندوستان کا بادشاہ ہونے کا اعلان کیا گیا۔ جو فوج میرٹھ کو بچانے کیلئے بھیجی گئی تھی، جہاں امن و امان پھر قائم ہو گیا تھا، اس میں سے مقامی انجینئروں اور سرنگ بچھانے والوں کی 6 دیسی کمپنیوں نے، جو 10 مئی کو پہنچی تھیں اپنے کمانڈر میجر فریزر کو قتل کر دیا اور فوراً کھلے میدان کی طرف چلی گئیں۔ ان کا تعاقب سوار توپ خانے کے فوجیوں اور چھٹی رسالہ رجمنٹ کے کئی جوانوں نے کیا۔ پچاس یا ساٹھ باغی گولی کا نشانہ بنے لیکن باقی دہلی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ پنجاب کے فیروز پور میں دیسی پیدل فوج کی 57ویں اور 45ویں رجمنٹوں نے بغاوت کر دی لیکن بزور قوت اسے دبا دیا گیا۔ لاہور سے نجی خط بتاتے ہیں کہ سارے دیسی فوجی کھلم کھلا بغاوت کی حالت میں ہیں۔ 19 مئی کو کلکتہ میں متعین دیسی فوج نے فورٹ ولیم (30) پر قبضہ کرنے کی ناکام کوشش کی۔ بوشہر سے جو تین رجمنٹیں بمبئی آئی تھیں انہیں فوراً کلکتہ روانہ کر دیا گیا۔

ان واقعات کا جائزہ لیتے وقت میرٹھ میں برطانوی کمانڈر (جنرل ہیویٹ) کے رویے پر حیرت ہوتی ہے .... جس ڈھیلے پن سے اس نے باغیوں کا پیچھا کیا اس سے بھی زیادہ ناقابل فہم میدان جنگ میں اس کا دیر سے اترنا ہے۔ چونکہ دہلی جمنا کے دائیں کنارے پر واقع ہے اور میرٹھ بائیں پر ..... دہلی میں ایک پل

دونوں کناروں کو ملاتا ہے۔اسی لئے بھاگنے والوں کی پسپائی کو روکنا انتہائی آسان کام تھا۔

اتنے میں تمام علاقوں میں جہاں ناراضگی پھیل گئی تھی مارشل لاء کا اعلان کر دیا گیا۔شمال، مشرق اور جنوب سے فوجیں دہلی کی طرف بڑھ رہی ہیں جو زیادہ تر دیسی لوگوں پر مشتمل ہیں۔کہا جاتا ہے کہ آس پاس کے رجواڑوں نے انگریزوں کا ساتھ دینے کا اعلان کیا ہے۔لنکا کو خط بھیجے گئے تھے کہ لارڈ ایلگن اور جنرل ایش برنم کے دستوں کو ٹھہرالیا جائے جو چین جا رہے ہیں اور آخر میں دو ہفتوں میں انگلستان سے 14 ہزار برطانوی سپاہی ہندوستان بھیجے جائیں گے۔انگریز فوج کی نقل و حرکت کے لئے سال کے اس زمانے میں موسم اور ٹرانسپورٹ کی قطعی غیر موجودگی کی چاہے جتنی رکاوٹیں کیوں نہ ہوں، بہر حال اس کا بہت امکان ہے کہ دہلی میں باغی کسی طویل مزاحمت کے بغیر مغلوب ہو جائیں گے۔اس صورت میں بھی یہ صرف اس انتہائی خوفناک المیے کی ابتدا ہوگی جو بعد کو پیش آئے گا۔

30 جون 1857ء کو تحریر کیا۔''نیویارک ڈیلی ٹربیون'' کے شمارے 5065 میں 15 جولائی 1857 کو اداریے کی حیثیت سے شائع ہوا

ہندوستان میں بغاوت

لندن: 17 جولائی 1857

8 جون کو ٹھیک ایک ماہ گزر رہا ہے جب دہلی پر باغی سپاہیوں کا قبضہ ہوا جنہوں نے ایک مغل شہنشاہ (بہادر شاہ ثانی) کا اعلان کیا۔ لیکن ایسا کوئی بھی خیال کہ ہندوستان کے اس قدیم دارالحکومت کو برطانوی فوج کے خلاف باغی اپنے ہاتھوں میں رکھ سکیں گے، بعید از قیاس ہے۔ دہلی کے استحکامات صرف ایک دیوار اور معمولی سی خندق پر مشتمل ہیں لیکن اس کے اردگرد کی کافی اونچی بلندیوں پر انگریز قبضہ کر چکے ہیں جو دیوار کو مسمار کیے بغیر بھی شہر کو پانی کی فراہمی کو کاٹنے کے آسان عمل کے ذریعے بہت مختصر مدت میں اسے اطاعت قبول کرنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں بغاوت کرنے والے بھانت بھانت کے سپاہیوں کا گروہ، جنہوں نے اپنے افسروں کا قتل کیا ہے اور ڈسپلن کی پابندیاں توڑ ڈالی ہیں اور ایک ایسا آدمی تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں جسے اعلیٰ کمان سپرد کریں، یقیناً ایک ایسی جماعت ہے جس سے سنجیدہ اور طویل مزاحمت منظم کرنے کی توقع کم سے کم کی جاتی ہے۔ الجھاوے کو اور زیادہ الجھانے کے لئے دہلی کی مدافعت کرنے والی منتشر صفوں میں بنگال پریذیڈنسی کے تمام حصوں سے باغیوں کے نئے دستوں کی تازہ روزانہ آمد سے اضافہ ہو رہا ہے جو گویا سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق اس بدنصیب شہر میں گھس رہے ہیں۔ مئی کی 30 اور 31 تاریخ کو باغیوں نے دیواروں کے باہر جن دو حملوں کا خطرہ مول لیا، اور دونوں میں وہ بھاری نقصان کے ساتھ پسپا کئے گئے، ان میں خود اعتمادی یا طاقت کے احساس کے مقابلہ میں مایوسی کی کارفرمائی زیادہ تھی۔ صرف جس چیز پر حیرت ہوتی ہے، وہ برطانوی فوج کی نقل و حرکت کی

سست روی ہے جس کی وجہ بہر حال ایک حد تک موسم کی ہولناکیاں اور ذرائع نقل وحمل کی کمی ہے۔فرانسیسی مراسلات بیان کرتے ہیں کہ کمانڈرانچیف جنرل اینسن کے علاوہ تقریباً 4000 یورپی فوجی مہلک گرمی کے شکار ہو چکے ہیں اور انگریزی اخباروں تک نے تسلیم کیا ہے کہ دہلی کے سامنے جھڑپوں میں آدمیوں کو دشمن کی گولیوں کے مقابلے میں زیادہ نقصان سورج [کی گرمی] سے پہنچا۔نقل وحمل کے ذرائع کی قلت کے نتیجے میں خاص بنیادی برطانوی فوج نے جو انبالہ میں مقیم تھی، دہلی تک کوچ کرنے پر تقریباً 27 دن صرف کیے۔اس طرح اس نے یومیہ ڈیڑھ گھنٹے کی شرح سے حرکت کی۔انبالہ میں بھاری توپ خانے کی غیر موجودگی کی وجہ سے بھی مزید دیر ہوئی۔چنانچہ قریب ترین اسلحہ خانے سے محاصرے کا سامان لانے کی ضرورت تھی جو ستلج کے دوسرے کنارے پھلور میں تھا۔

اس سب کے باوجود دہلی پر قبضے کی خبر کی توقع ہر روز کی جاسکتی ہے۔لیکن اس کے بعد؟ اگرچہ ہندوستانی سلطنت کے روایتی مرکز پر باغیوں کے ایک ماہ کے دوران کے مکمل قبضے نے بنگالی فوج کے انتشار اور کلکتہ سے شمال میں پنجاب تک اور مغرب میں راجپوتانہ تک غدر اور فوج سے فرار کا سلسلہ پھیلنے اور ہندوستان میں ایک کونے سے دوسرے کونے تک برطانوی اختیار کو ہلا ڈالنے کا انتہائی طاقتور جوش پیدا کیا۔تاہم یہ فرض کرنے سے زیادہ بڑی غلطی کوئی اور نہیں ہوسکتی کہ دہلی پر قبضہ، جو سپاہیوں کی صفوں میں سراسیمگی پیدا کر سکے، بغاوت کی آگ کو بجھانے، اسکے پھیلاؤ کو روکنے یا برطانوی حکمرانی کو بحال کرنے کے لئے کافی ہوگا۔ساری دیسی بنگالی فوج میں سے، جس میں 80,000 آدمی تھے۔جو 28000 راجپوتوں، 23000 برہمنوں، 13000 مسلمانوں، 5000 نچلی ذات کے ہندوؤں اور باقی

یورپیوں پر مشتمل تھی ۔ 30,000 آدمی غدر، فوج سے فرار یا خدمت سے برخاست کر دیئے جانے کی وجہ سے غائب ہو گئے ہیں۔ جہاں تک باقی فوج کا تعلق ہے، کئی رجمنٹوں نے کھلم کھلا اعلان کیا ہے کہ وہ وفادار رہیں گی اور برطانوی اقتدار کی حمایت کریں گی، سوائے اس معاملے کے جس میں دیسی فوجیں اس وقت مصروف ہیں: وہ دیسی رجمنٹوں کے باغیوں کے خلاف حکام کو امداد نہیں دیں گی اور اس کے برعکس اپنے ''بھائیوں'' کی مدد کریں گی۔ اس خبر کی تصدیق کلکتہ کے بعد تقریباً ہر اسٹیشن سے ہو گئی ہے۔ دیسی رجمنٹیں وقتی طور پر مجہول رہیں لیکن جیسے ہی انہوں نے اپنے آپ کو کافی مضبوط خیال کیا ویسے ہی انہوں نے بغاوت کر دی۔ جہاں تک رجمنٹوں کا تعلق ہے، جنہوں نے ابھی تک اعلان نہیں کیا اور دیسی باشندوں کا جنہوں نے ابھی تک باغیوں کا ساتھ نہیں دیا ہے تو ان کی ''وفاداری'' کے بارے میں لندن ٹائمز (31) کے ہندوستانی نامہ نگار نے کسی شبہ کی گنجائش نہیں رکھی۔

''اگر آپ یہ پڑھیں'' وہ لکھتا ہے کہ ''سب کچھ پرسکون ہے تو اس کا مطلب یہ سمجھئے کہ دیسی فوجوں نے ابھی تک کھلم کھلا غدر نہیں کیا ہے کہ باشندوں کے غیر مطمئن حصے نے ابھی تک کھلم کھلا بغاوت نہیں کی ہے۔ کہ یا تو وہ بہت کمزور ہیں یا اپنے آپ کو کمزور سمجھتے ہیں، یا وہ زیادہ موزوں وقت کا انتظار کر رہے ہیں۔ جب آپ بنگالی دیسی رجمنٹوں، سواروں کے رسالے یا پیدل فوج میں کسی کی ''وفاداری کے اظہار'' کے متعلق پڑھیں تو اس کے معنی یہ سمجھیں کہ متذکرہ رجمنٹوں کا نصف واقعی وفادار ہے اور دوسرا نصف سوانگ بھر کر کوئی رول ادا کر رہا ہے، تا کہ موزوں وقت آتے ہی یورپیوں کو غافل کر دیں یا ان کا شبہ دور کر کے اپنے باغی ساتھیوں کی مدد کرنے کے لئے اپنے امکانات بڑھائیں۔''

پنجاب میں کھلی بغاوت صرف مقامی فوجوں کو توڑ کر روکی گئی۔ اودھ میں انگریزوں کے پاس صرف لکھنؤ ریذیڈنسی ہے اور ہر جگہ دیسی فوجوں نے بغاوت کر دی ہے اور اپنا گولہ بارود لے کر فرار ہوگئی ہیں۔ انگریزوں کے تمام بنگلے جلا کر مسمار کردیئے ہیں اور جو باشندے ہتھیار لے کر اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، ان سے وہ جا ملی ہیں۔ اب انگریز فوج کی اصل حالت کا اندازہ اس حقیقت سے بہترین طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ پنجاب اور راجپوتانہ میں بھی یہ ضروری خیال کیا گیا کہ سبک رفتار رسالے قائم کئے جائیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بکھری ہوئی قوتوں کے درمیان رسل و رسائل کو قائم رکھنے کے لئے انگریز نہ تو اپنی مقامی فوجوں پر بھروسہ کر سکتے ہیں نہ مقامی لوگوں پر۔ جزیرہ نمائے آئی بیریا کی جنگ (32) میں فرانسیسیوں کی طرح وہ صرف اسی خطہ زمین پر قابض ہیں جس پر خود ان کی فوجوں کا قبضہ ہے اور وہاں سے نظر آنے والے پاس کے خطے پر اپنی فوج کے بے ترتیب حصوں کے درمیان رسل و رسائل کے لئے وہ سبک رفتار رسالوں کا سہارا لیتے ہیں، جن کا کام بذات خود انتہائی ناقابل اعتبار ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ کاروائیاں قدرتی طور پر اپنی شدت اس لئے کھو دیتی ہیں کہ وہ وسیع تر علاقے میں پھیلی ہوئی ہیں۔ برطانوی قوتوں کی حقیقی کمی اس حقیقت سے بھی مزید ثابت ہوتی ہے کہ بغاوت سے متاثرہ اسٹیشنوں سے خزانے ہٹانے کے لئے وہ مجبور ہوئے کہ خود سپاہی انہیں لے جائیں جنہوں نے بلا استثنا کوچ کے وقت بغاوت کر دی اور جو خزانے انہیں سپرد کئے گئے تھے، انہیں لے کر فرار ہوگئے۔ چونکہ انگلستان سے بھیجی ہوئی فوجیں کم سے کم نومبر سے پہلے نہیں پہنچیں گی اور مدراس اور ممبئی پریذیڈنسیوں سے یورپی فوجیں ہٹانا اور بھی زیادہ خطرناک ہوگا۔ مدراس میں سپاہیوں کی 10 رجمنٹیں بے چینی کی علامتیں دکھا چکی

ہیں ۔ساری بنگال پریذیڈنسی میں باضابطہ محصولات جمع کرنے کا خیال چھوڑ دینا چاہیے اور انتشار کے عمل کو جاری رہنے دینا چاہیے۔اس کے باوجود کہ ہم یہ فرض کر لیں کہ اس موقع سے برما والے فائدہ نہیں اٹھائیں گے، کہ گوالیار کا مہاراجہ انگریزوں کی حمایت کرتا رہے گا اور نیپال کا حکمران جس کی کمان میں بہترین ہندوستانی فوج ہے، خاموش رہے گا کہ بے چین پشاور مضطرب پہاڑی قبائل کے ساتھ متحد نہیں ہوگا اور کہ شاہ ایران ہرات کو خالی کرانے کی حماقت نہیں کرے گا۔ اس کے باوجود انگریزوں کو ساری بنگال پریذیڈنسی کو ازسرنو فتح کرنا ہے اور ساری اینگلو انڈین فوج کی تشکیل نو کرنا ہے۔اس زبردست مہم کے خرچے کا سارا بوجھ برطانوی عوام کے شانوں پر پڑے گا۔ جہاں تک اس خیال کا تعلق ہے جسے لارڈ گرینول نے دارالامراء میں پیش کیا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی ضروری ذرائع ہندوستانی قرضے جاری کرکے جمع کرے گی تو اس کی صحت کا اندازہ ان اثرات سے ہوسکتا ہے جو بمبئی کی زرکی منڈی پر شمال مغربی صوبوں کی پریشان کن صورت حال نے پیدا کیئے ۔مقامی سرمایہ داروں میں فوراً دہشت پھیل گئی ۔بینکوں سے بھاری رقمیں نکالی گئیں، سرکاری تمسکات تقریباً نہیں بکے اور نہ صرف ممبئی بلکہ اسکے قرب و جوار میں بھی بڑے پیانے پر ذخیرہ اندوزی شروع ہوگئی۔

17 جولائی 1857 کو تحریر کیا۔ ''نیو یارک ڈیلی ٹریبون'' کے شمارے 5082 میں 14 اگست 1857 کو شائع ہوا۔

ہندوستانی سوال

گزشتہ رات "نعش خانے" (33) میں مسٹر ڈزرائیلی نے تین گھنٹے جو تقریر کی اسے سننے کی بجائے پڑھنے سے نقصان کے مقابلے میں فائدہ ہوگا۔ کچھ عرصہ سے مسٹر ڈزرائیلی تقریر میں بارعب سنجیدگی اختیار کر رہے ہیں، اظہار میں دیدہ ریزی سے آہستگی اور باضابطگی کا غیر جذباتی طریقہ جو بہر حال 'ہونے والے وزیر' کے وقار کے متعلق ان کے مخصوص خیالات کے عین مطابق ہو سکتا ہے۔ لیکن ان کے مبتلائے اذیت سامعین کے لئے واقعی تکلیف دہ ہے۔ ایک زمانے میں فرسودہ باتوں تک کو چٹکلوں کا چبھتا ہوا روپ دینے میں کامیاب رہتے تھے، اب وہ شرافت کی روایتی بے لطفی میں چٹکلوں تک کو دفن کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ جو مقرر مسٹر ڈزرائیلی کی طرح تلوار چلانے کی بہ نسبت خنجر سے کام لینے میں مہارت رکھتا ہو، اسے والیٹر کی اس تنبیہ کو نہیں بھولنا چاہیے کہ "ہر صنف اچھی ہے سوائے صنف بے کیف کے" (والیٹر طربیہ "مسرف بیٹا" کا دیباچہ)۔

ان تکنیکی خصوصیات کے علاوہ جو مسٹر ڈزرائیلی کی خطابت کے موجودہ طریقے کو ممتاز کرتی ہیں، انہوں نے پامرسٹن کے اقتدار میں آنے کے بعد اس کا خاص خیال رکھا ہے کہ اپنی پارلیمانی تقریروں کو حقیقی حالت کی ہر ممکن دلچسپی سے محروم رکھا جائے۔ ان کی تقریروں کا مقصد ان کی قراردادوں کو منظور کرانا نہیں ہوتا بلکہ ان کی قراردادیں سامعین کو تقریر سننے پر تیار کرنے کے لئے مقصود ہوتی ہیں۔ انہیں نفس کش قراردادیں کہا جا سکتا ہے چونکہ انہیں اس طرح مرتب کیا جاتا ہے کہ اگر منظور ہو جائیں تو مخالف کو ضرر نہیں پہنچا سکتیں اور اگر نا منظور کر دی جائیں تو مجوز کا نقصان نہیں کر سکتیں۔ درحقیقت وہ منظور کرانے یا نہ منظور کرانے کے لئے نہیں بلکہ محض

ترک کر دینے کے لئے ہوتی ہیں۔ان کا تعلق نہ تو ترشے سے ہوتا ہے نہ الکلی سے بلکہ وہ پیدائشی بے جنس ہوتی ہیں۔تقریر عمل کا وسیلہ نہیں بلکہ عمل کی حیلہ سازی ہوتی ہے جو کسی بھی تقریر کا موقع فراہم کرتی ہے۔یہ پارلیمانی خطابت کی واقعی کلاسیکی اور مکمل شکل تو ہو سکتی ہے لیکن آخر کار پارلیمانی خطابت کی مکمل شدہ شکل کا پارلیمانیت کی تمام مکمل شدہ شکلوں کی طرح وبال جان کے زمرے میں آنے والوں کی ہم قسمت ہونے میں تکلف نہیں کرنا چاہیے۔عمل، جیسا ارسطو کہتا ہے، ڈرامے کا فرمانروا قانون ہوتا ہے (ارسطو ''بوطیقا'' باب 6) سیاسی خطابت کے بارے میں بھی یہی کہا جا سکتا ہے۔ہندوستانی بغاوت کے متعلق مسٹر ڈزرائیلی کی تقریر مفید علم کی تبلیغی مجلس کے رسالوں میں شائع کی جا سکتی ہے یا اسے مشنریوں کے ادارے میں پیش کیا جا سکتا ہے یا برلن اکیڈمی میں مقابلے کے مضمون کی طرح داخل کیا جا سکتا ہے۔ان کی تقریر میں مکان و زمان اور محل سے بے تعلقی ضرورت سے زیادہ ثابت کرتی ہے کہ وہ نہ تو مکان کے لئے موزوں تھی نہ زمان اور محل کے لئے۔سلطنت روما کے زوال کا ایک باب جو موشیکو یا گبن (34) کی تصانیف میں انتہائی مناسب معلوم ہوتا ہے، روم کے سینیٹر کی زبان سے فاش غلطی ثابت ہوتی ہے جس کا مخصوص کام اسی زوال کو روکنا تھا۔یہ سچ ہے کہ ہماری جدید پارلیمنٹوں میں ایسے آزاد خطیب کے لئے ایک پارٹ کا تصور کیا جا سکتا ہے جو وقار اور دلچسپی سے عاری نہ ہو جس نے واقعات کی اصل روش کو متاثر کرنے سے مایوس ہو کر طنزیہ غیر جانبداری کا موقف اختیار کرنے پر قناعت کر لی ہو۔ایسا رول 'گارنئے پاژے' نے....نہ کہ لوئی فلپ ایوان نمائندگان کی عارضی حکومت کے گارنئے پاژے نے کم و بیش کامیابی سے ادا کیا تھا۔لیکن دقیانوسی پارٹی (35) کے تسلیم شدہ لیڈر مسٹر ڈزرائیلی اس راہ میں

کامیابی تک کو زبردست ناکامی خیال کریں گے۔ ہندوستانی فوج کی بغاوت نے خطیبانہ نمائش کے لئے واقعی ایک شاندار موقع پیش کیا۔لیکن موضوع سے بے کیف طریقے سے بحث کرنے کے علاوہ قرارداد کا مغز کیا تھا، جسے انہوں نے اپنی تقریر کا بہانہ بنایا؟ وہ کوئی قرارداد نہیں تھی۔ انہوں نے دو سرکاری دستاویزوں سے واقف ہونے کے لئے بے چینی دکھائی جن میں سے ایک کے متعلق انہیں زیادہ یقین نہیں تھا کہ وجود رکھتی ہے اور دوسری جس کے بارے میں انہیں یقین تھا کہ متعلقہ موضوع سے براہ راست تعلق نہیں رکھتی۔ چنانچہ ان کی تقریر اور قرارداد میں سیاق وسباق کے ہر نکتے کی کمی تھی۔ سوائے اس کے کہ قرارداد بغیر کسی مقصد کے ایک تقریر کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اور خود مقصد سے ظاہر ہوا کہ وہ تقریر کے قابل نہیں ہے۔ اس کے باوجود انگلستان کے انتہائی ممتاز غیر عہدیدار مدبر کی بے حد دیدہ ریزی سے پیش کردہ رائے کی حیثیت سے مسٹر ڈزرائیلی کی تقریر بیرونی ممالک میں توجہ کا مرکز ضرور بننی چاہیے۔ میں خود ان کے الفاظ میں ان کے ''اینگلو انڈین'' سلطنت کے زوال کے متعلق ملحوظات'' کے مختصر تجزیے تک خود کو محدود رکھوں گا۔

''کیا ہندوستان میں فوجی گڑ بڑ غدر یا قومی بغاوت کو ظاہر کرتی ہے؟ کیا فوجوں کا رویہ فوری 'من کی موج' کا نتیجہ ہے یا منظم سازش کا ماحصل ہے؟''

مسٹر ڈزرائیلی ثابت کرتے ہیں کہ ان نکات پر سارا سوال مبنی ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ گزشتہ دس سال تک ہندوستان میں برطانوی سلطنت کی بنیاد ''پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو'' پر قائم تھی۔ لیکن اس اصول کو مختلف قومیتوں کا احترام کرتے ہوئے جن پر ہندوستان مشتمل ہے، ان کے مذہب میں مداخلت سے گریز کر کے اور ان کی اراضیاتی جائیداد کا تحفظ کر کے عملی جامہ پہنایا گیا۔ ملک کی مضطرب روح

کو جذب کرنے کے لئے دیسی سپاہیوں کی فوج نے حفاظتی والو کا کام کیا۔لیکن آخری برسوں میں ہندوستان کی حکومت نے ایک نیا اصول اختیار کیا۔قومیت کو تباہ کرنے کا اصول۔اس اصول پر عمل درآمد مقامی راجوں کو بزور تباہ کرکے، جائیداد کے بندوبست میں خلل ڈال کر عوام کے مذہب میں مداخلت کرکے کیا جا رہا ہے۔ 1848 میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی مالی مشکلات اس درجہ پر پہنچ گئیں کہ کسی نہ کسی طرح اس کی آمدنی بڑھانا ضروری ہوگیا۔تب کونسل (36) نے ایک قرارداد شائع کی، جس میں تقریباً چھپائے بغیر یہ اصول متعین کیا گیا کہ واحد طریقہ جس کے ذریعے آمدنی بڑھائی جا سکتی ہے، اسے مقامی راجوں کے بل پر برطانوی علاقوں کو بڑھا کر حاصل کرنا ہے۔چنانچہ ستارا کے راجہ (آپا صاحب) کی موت کے بعد انکے لے پالک جانشین کو ایسٹ انڈیا کمپنی نے تسلیم نہیں کیا بلکہ ریاست کو اپنی عملداری میں شامل کرلیا۔اس کے بعد الحاق کے اس نظام پر ہر وقت عمل کیا گیا جب بھی کوئی مقامی راجہ اپنے حقیقی جانشینوں کے بغیر فوت ہوا۔لے پالک کا اصول- جو ہندوستانی سماج کا سنگ بنیاد ہے -حکومت نے باقاعدہ منسوخ کر دیا۔ اس طرح 1848-54 میں ایک درجن سے زائد راجاؤں کی ریاستیں زبردستی برطانوی سلطنت میں شامل کر لی گئیں۔ 1854 میں برار کی ریاست پر زبردستی قبضہ کرلیا گیا جس کا رقبہ 80 ہزار مربع میل اور آبادی '40 لاکھ سے 50 لاکھ' تک تھی اور جس کے خزانے زبردست تھے۔مسٹر ڈزرائیلی زبردستی قبضوں کی فہرست کو اودھ پر ختم کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے ایسٹ انڈیا کمپنی کا تصادم نہ صرف ہندوؤں سے بلکہ مسلمانوں سے بھی ہوا۔پھر مسٹر ڈزرائیلی یہ دکھاتے ہیں کہ گزشتہ دس برسوں میں حکومت کے نئے نظام نے کس طرح جائیداد کے بندوبست کو الٹ پلٹ کیا۔

وہ کہتے ہیں: ”لے پالک کے قانون کا اصول ہندوستان میں راجوں اور ریاستوں کا اختیار خاص نہیں ہے، اس کا اطلاق ہندوستان میں ہر اس شخص پر ہوتا ہے جس کی اراضیاتی جائیداد ہے اور جو ہندو مذہب کا پیرو ہے“۔

میں تقریر کا ایک ٹکڑا نقل کرتا ہوں:

”بڑا جاگیردار جس کے پاس اپنے حاکم کی عام ملازمت کے عوض میں زمین ہے اور انعام دار جس کے پاس زمین بلا کسی بھی لگان کے ہے، جو اگرچہ بالکل ٹھیک ٹھیک نہیں۔ عام معنوں میں ہمارے مالک مطلق سے ملتا جلتا ہے۔ یہ دونوں طبقات ۔ ہندوستان میں انتہائی کثیر التعداد طبقات ۔ہمیشہ اپنے اصلی جانشینوں کی غیر موجودگی کی صورت میں اس اصول میں اپنی جائیدادوں کی جانشینی حاصل کرنے کا ذریعہ تلاش کر لیتے ہیں۔ ستارا کے الحاق سے ان طبقات کو ناگواری ہوئی، انہیں اس چھوٹے لیکن آزاد راجوں کے علاقوں کے الحاق سے ناگواری ہوئی جن کا ذکر میں کر چکا ہوں اور جب بہار کی ریاست کا الحاق کیا گیا تو وہ انتہائی خائف ہو گئے۔ کونسا آدمی اب محفوظ ہے؟ کون سی جاگیر، کون سا مالکِ مطلق جس کے اپنے صُلب سے بچہ نہ ہو، سارے ہندوستان میں محفوظ ہے؟ (تالیاں!!) یہ بے بنیاد خوف نہیں تھا۔ وسیع پیمانے پر پیدا ہوا اور اس کا سبب عمل تھا۔ ہندوستان میں پہلی بار جاگیروں اور انعاموں کو واپس لے لینے کا عمل شروع ہوا۔ بے شک جب حق نشینی کی جانچ کرنے کی کوشش کی گئی تو ناشائستہ لمحے بھی آئے لیکن کسی نے خواب تک نہیں دیکھا تھا کہ لے پالک کا قانون ختم کر دیا جائے گا۔ لہٰذا کوئی حکام، کوئی حکومت اس حالت میں نہیں تھی کہ ان مالکانِ مطلق کی جاگیروں اور انعاموں کو واپس لے لے جنہوں نے حقیقی جانشین نہیں چھوڑے۔ یہ آمدنی کا ایک نیا ذریعہ

تھا۔ جب ہندوؤں کے ان طبقات کے ذہن پر یہ باتیں اثر ڈال رہی تھیں تو حکومت نے جائیداد کے بندوبست میں گڑبڑ پیدا کرنے والا دوسرا قدم اٹھایا جس پر توجہ کرنے کی میں ایوان سے اپیل کرتا ہوں۔ بلاشبہ 1853 کی کمیٹی کے رو برو حاصل کی ہوئی شہادت پڑھنے کے بعد یہ ایوان کے علم میں ہے کہ ہندوستان میں زمین کے بڑے بڑے قطعات ہیں جو لگان سے مستثنٰی ہیں۔ ہندوستان میں لگان کی چھوٹ اس ملک میں لگان کی چھوٹ کے مساوی نہیں ہے کیونکہ اگر اجمالی طور پر اور عام فہم طریقہ سے کہا جائے تو ہندوستان میں لگان ریاست کے کل محصولات ہیں۔

''ان عطیات کی ابتدا کی تہہ تک پہنچنا مشکل ہے لیکن بلاشبہ وہ بہت پرانے زمانے کے ہیں۔ وہ مختلف اقسام کے ہیں۔ نجی زمین معافی کے علاوہ جو بہت وسعت رکھتی ہے بے لگان زمین کے بڑے بڑے عطیات ہیں جو مساجد اور مندروں کے لئے وقف ہیں''۔

استثناء کے جعلی دعوؤں کی موجودگی کی آڑ لے کر برطانوی گورنر جنرل (ڈلہوزی) نے ہندوستانی اراضیاتی املاک کے حقِ جانشینی کو جانچنے کی ذمہ داری خود لے لی۔ 1848 میں نئے نظام کے تحت:

''حق جانشینی کی جانچ کرنے کا منصوبہ بیک وقت طاقتور حکومت اور توانا عاملہ کے ثبوت اور ریاستی آمدنی کے انتہائی بارآور ذریعہ کے طور پر فوراً اپنا لیا گیا۔ لہٰذا بنگال پریذیڈنسی اور ملحقہ علاقے میں اراضیاتی املاک کے حق جانشینی کی جانچ کرنے کے لئے کمیشن جاری کئے گئے۔ انہیں ممبئی پریذیڈنسی میں جاری کیا گیا اور نئے قائم کردہ صوبوں میں پڑتال کا حکم دیا گیا تاکہ جب پڑتال مکمل ہو تو یہ کمیشن زیادہ کارکردگی سے کام کریں۔ اب کوئی شبہ نہیں ہے کہ گزشتہ نو برسوں میں ہندوستان میں

اراضیاتی املاک کی مطلق جائیداد کی تحقیق کے متعلق ان کمیشنوں کا کام غیر معمولی رفتار سے ہو رہا ہے اور زبردست نتائج حاصل ہوئے ہیں"۔

مسٹر ڈزرائیلی نے حساب لگایا ہے کہ مالکوں سے املاک کا واپس لے لیا جانا بنگال پریذیڈنسی میں 500,000 پونڈ سالانہ سے کم نہیں ہے۔ ممبئی پریذیڈنسی میں 370,000 پونڈ، پنجاب میں 200,000 پونڈ وغیرہ۔ مقامی باشندوں کی جائیداد پر قبضہ کرنے کے اس ایک طریقے پر قانع نہ رہ کر برطانوی حکومت نے دیسی امراء کی پنشنیں بند کر دیں جن کی ادائیگی ایک عہدنامے کے تحت لازمی تھی۔

"یہ" - مسٹر ڈزرائیلی کہتے ہیں- "نئے طریقے سے ضبطی ہے لیکن انتہائی وسیع، حیرت انگیز اور ہنگامہ پیدا کرنے والے پیمانے پر"۔

اس کے بعد مسٹر ڈزرائیلی مقامی لوگوں کے مذہب میں دخل دینے سے بحث کرتے ہیں جو ایسا نقطہ ہے جس سے بحث کی ضرورت نہیں۔ اپنے تمام مقدمات سے وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ موجودہ ہندوستانی گڑبڑ فوجی غدر نہیں بلکہ قومی بغاوت ہے جس میں سپاہی محض آلے کی طرح عمل کر رہے ہیں۔ وہ اپنی زوردار تقریر حکومت کو یہ مشورہ دینے پر ختم کرتے ہیں کہ جارحیت کا موجودہ راستہ اختیار کرنے کی بجائے وہ اپنی توجہ ہندوستان کی اندرونی بہتری پر کرے۔

28 جولائی 1857 کو تحریر کیا "نیویارک ڈیلی ٹریبون" کے شمارے 5091 میں 14 اگست 1857 کو شائع ہوا۔

ہندوستان سے موصول ہونے والے مراسلات (37)

لندن: 31 جولائی 1857

آخری ہندوستانی ڈاک جس نے دہلی سے 17 جون تک اور بمبئی سے یکم جولائی تک کی خبریں پہنچائی ہیں، انتہائی افسردہ پیش بینیوں کو پورا کرتی ہے۔ بورڈ آف کنٹرول (38) کے صدر مسٹر ویرنن اسمتھ نے دارالعوام کو پہلی بار ہندوستانی بغاوت سے مطلع کیا تھا تو انہوں نے اعتماد سے بیان کیا تھا کہ اگلی ڈاک یہ خبر لائے گی کہ دہلی کو مسمار کر دیا گیا۔ ڈاک آ گئی لیکن دہلی کو ہنوز ''تاریخ کے صفحات سے مٹایا'' نہیں گیا۔ پھر یہ کہا گیا کہ توپ خانہ 9 جون سے پہلے نہیں لایا جا سکتا۔ لہٰذا موردِ عتاب شہر پر حملے کو اس تاریخ تک ملتوی کر دینا چاہیے۔ 9 جون کسی اہم واقع کے نمایاں ہوئے بغیر گزر گیا۔ 12 اور 15 جون کو بعض واقعات ہوئے لیکن ایک حد تک متضاد سمت میں۔ دہلی پر انگریزوں نے ہلا نہیں بولا بلکہ انگریزوں پر باغیوں نے حملہ کیا لیکن ان کے پے در پے حملوں کو پسپا کر دیا گیا ہے۔ دہلی کی شکست اس طرح پھر ملتوی ہو گئی۔ جیسا کہا جاتا ہے اس کی وجہ اب صرف یہ نہیں لہ گھیرا ڈالنے کے لئے توپخانہ موجود نہیں، بلکہ جنرل برنارڈ کا یہ فیصلہ ہے کہ کمک کا انتظار کریں کیونکہ ان کی فوج، قریباً 3000 جوان، قدیم دارالسلطنت پر قبضہ کرنے کے لئے ناکافی ہے جس کی مدافعت تمام فوجی ساز و سامان سے لیس 3000 سپاہی کر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ باغیوں نے اجمیری دروازے کے باہر کیمپ بھی لگا لیا ہے۔ اب تک تو تمام فوجی مصنفین اس بات پر متفق تھے کہ 3000 یا 4000 مقامی سپاہیوں کی فوج کو شکست دینے کے لئے 3000 جوانوں کی انگریز فوج بالکل کافی ہے۔ اگر معاملہ ایسا نہیں ہے تو انگلستان۔ ''لندن ٹائمز'' کا فقرہ استعمال کر کے ۔ ہندوستان کو''

دوبارہ فتح'' کرنے کے لائق کیسے ہوسکتا ہے؟

ہندوستان میں برطانوی فوج آج کل 30,000 جوانوں پر مشتمل ہے۔ اگلے نصف سال میں جو جوان روانہ ہو سکتے ہیں۔ ان کی تعداد 20,000 یا 25000 سے زیادہ نہیں ہوسکتی جن مین سے 6000 جوان ہندوستان میں یورپی صفوں کی خالی جگہ پر کریں گے اور جن میں سے 18000 یا 19000 جوان بحری سفر، موسم کے نقصان یا دوسرے حادثوں سے گھٹ کر تقریباً 14000 رہ جائیں گے جو جنگ کے میدان میں آسکیں گے۔ برطانوی فوج کو غدر کرنے والوں سے بے حد غیر متناسب تعداد میں مقابلہ کرنے کا مسئلہ حل کرنا چاہیے یا ان کا مقابلہ کرنے ہی سے دستبردار ہو جانا چاہیے۔ دہلی کے اردگرد ان کی فوج کو مرکوز کرنے میں سستی کو سمجھنے سے ہم اب بھی قاصر ہیں۔ سال کے اس موسم میں اگر گرمی غیر مغلوب رکاوٹ ثابت ہوئی جو سر چارلس نیپئر کے دنوں میں نہیں تھی، تو چند ماہ بعد یورپی فوج کی آمد پر بارش رکاوٹ کا ایک اور تصفیہ کن عذر فراہم کرے گی۔ یہ کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ موجودہ غدر درحقیقت جنوری کے مہینے میں شروع ہو گیا تھا اور اس طرح برطانوی حکومت کو اپنے ہتھیار اور فوج کو تیار رکھنے کی بروقت تنبیہہ مل گئی تھی۔

محصور کرنے والی انگریز فوج کے مقابلے میں دہلی پر دیسی سپاہیوں کے طویل قبضے نے ظاہر ہے کہ فطری نتیجہ پیدا کیا ہے۔ غدر کلکتہ کی دہلیز تک پہنچا جا رہا تھا، پچاس بنگالی رجمنٹوں کا وجود ختم ہوگیا۔ بذات خود بنگالی فوج ماضی کا خیالی فسانہ بن گئی اور یورپی جو بڑی وسعت میں منتشر تھے اور جدا جدا جگہوں میں بند تھے یا تو باغیوں کے ہاتھوں قتل کر دئے گئے یا انہوں نے جان ہار مدافعت کا رویہ اختیار کر لیا۔ خود کلکتہ میں سرکاری عمارتوں پر بے خبری میں قبضہ کرنے کی سازش کے بعد جو

اچھی طرح منظم کی گئی تھی اور جو دیسی فوج وہاں مقیم تھی، اسے توڑ دینے کے بعد عیسائی باشندوں نے رضا کار محافظوں کی تشکیل کی۔ بنارس میں ایک دیسی رجمنٹ کو نہتا کرنے کی کوشش کا مقابلہ سکھوں کی ایک جماعت اور تیرہویں بے قاعدہ سوار رسالے نے کیا۔ یہ واقعہ بہت اہم ہے کیونکہ یہ دکھاتا ہے کہ مسلمانوں کی طرح سکھ بھی برہمنوں کے ساتھ ملتے جا رہے ہیں اور اس طرح برطانوی حکمرانی کے خلاف تمام مختلف قبیلوں کا عام اتحاد تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ انگریزوں کے اعتقادات کا یہ خاص جزو رہا ہے کہ دیسی فوج ہی ہندوستان میں ان کی ساری قوت ہے۔ اب یکایک وہ پورے طور پر محسوس کرتے ہیں کہ یہی فوج ان کے لئے واحد خطرہ ہے۔ ہندوستان کے متعلق گذشتہ بحثوں میں بورڈ آف کنٹرول کے صدر مسٹر ویرنن اسمتھ نے اب بھی اعلان کیا کہ "اس امر پر بہت زیادہ اصرار نہیں کیا جا سکتا کہ مقامی راجوں اور بغاوت کے درمیان کسی قسم کا تعلق نہیں ہے" دو دن بعد انہی ویرنن اسمتھ کو ایک مراسلہ شائع کرنا پڑا جس میں یہ منحوس پیرا شامل تھا:

"14 جون کو سابق شاہ اودھ (واجد علی شاہ) کو جو پکڑے گئے کاغذات کے مطابق سازش میں ملوث تھے فورٹ ولیم میں رکھا گیا اور ان کے حامیوں کو نہتا کر دیا گیا"۔

عنقریب دوسرے حقائق فاش ہوں گے جو جان بل (انگریز قوم) کو بھی قائل کر دیں گے کہ جسے وہ فوجی غدر سمجھتا ہے وہ درحقیقت قومی بغاوت ہے۔

انگریز پریس اس یقین سے بڑی تسلی حاصل کرنے کا بہانہ بتاتا ہے کہ بغاوت بنگال پریذیڈنسی کی حدود سے باہر نہیں پھیلی ہے اور بمبئی اور مدراس کی فوجوں کی وفاداری پر ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ہے۔ لیکن معاملے کا یہ خوشگوار تصور اس حقیقت سے

انوکھے طور پر ٹکراتا ہے جو آخری ڈاک سے ظاہر ہوتی ہے کہ اورنگ آباد میں نظام کی سوار فوج میں بغاوت ہوگئی۔ اورنگ آباد اسی نام کے ضلع کا صدر مقام ہے جو بمبئی پریذیڈنسی سے تعلق رکھتا ہے تو سچ یہ ہے کہ پچھلی ڈاک بمبئی فوج میں بغاوت کے آغاز کی اطلاع دیتی ہے۔ اورنگ آباد کے غدر کے متعلق کہا گیا ہے کہ جنرل وڈبرن نے اسے فوراً کچل دیا۔ لیکن کیا میرٹھ کے غدر کے بارے میں یہ نہیں کہا گیا تھا کہ اسے فوراً کچل دیا گیا۔ کیا لکھنؤ کے غدر نے جسے سر لارنس نے کچل دیا تھا، دو ہفتے بعد اور زیادہ شدت سے سر نہیں اٹھایا؟ کیا یہ یاد نہیں کہ ہندوستانی فوج کے غدر کے پہلے اعلان ہی کے ساتھ نظم ونسق بحال ہونے کا اعلان نہیں کر دیا گیا تھا؟ اگرچہ بمبئی اور مدراس کی فوجوں کا زیادہ حصہ نیچی ذات کے لوگوں پر مشتمل ہے لیکن فوج کے اونچی ذات کے باغیوں کے ساتھ رابطے قائم کرنے کے لئے بالکل کافی ہے۔ پنجاب کے پرسکون ہونے کا اعلان کیا گیا ہے لیکن ہمیں مطلع کیا جاتا ہے کہ "فیروزپور میں 13 جون کو فوجی پھانسیاں دی گئیں" اور "وائن کے دستوں، 5ویں پنجاب پیدل فوج کی تعریف کی جاتی ہے کہ اُس نے 55ویں دیسی پیدل فوج کا تعاقب کرنے میں بہادری دکھائی"۔ یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ یہ عجیب وغریب قسم کا امن وسکون ہے۔

31 جولائی 1857 کو تحریر کیا۔ نیویارک ڈیلی ٹربیون کے شمارے 5091 میں 14 اگست 1857 کو شائع ہوا

ہندوستانی بغاوت کی صورت حال

لندن: 4 اگست 1857

لندن میں پچھلی ہندوستانی ڈاک سے موصول ہونے والی ضخیم رپورٹوں کی آمد پر، جن کا مختصر خاکہ برقی ٹیلی گراف پہلے ہی دے چکا ہے، دہلی پر قبضے کی افواہ تیزی سے پھیلنے لگی اور اتنی پختگی حاصل کر گئی کہ اسٹاک ایکسچینج کے لین دین پر اثر انداز ہونے لگی ۔ یہ چھوٹے پیانے پر سیواستوپول پر قبضے (39) جیسے ڈرامے کا چھوٹے پیانے پر ایک اور ایڈیشن تھا۔ مدراس کے اخبارات کی تاریخوں اور مافیہ کا تھوڑا سا بھی مطالعہ، کہ جن سے پسندیدہ خبریں اخذ کی گئی ہیں، مغالطے دور کرنے کے لئے کافی ہے ۔ مدراس کی معلومات کے بارے میں دعویٰ کیا گیا کہ وہ آگرے سے نجی خطوط مورخہ 17 جون پر مبنی ہیں لیکن ایک سرکاری اعلان جو لاہور میں 17 جون کو جاری کیا گیا، اطلاع دیتا ہے کہ 16 تاریخ کو سہ پہر کے وقت 4 بجے تک دہلی کے سامنے مکمل سکون تھا اور ''دی بامبے ٹائمز'' (40) مورخہ یکم جولائی بیان کرتا ہے کہ ''جنرل برنارڈ 17 کی صبح کو فوجی دھاوے پسپا کرنے کے بعد کمک کا انتظار کر رہے ہیں''۔ بس مدراس اعلان کی تاریخ سے اتنا کچھ ہی وابستہ ہے ۔ جہاں تک اس کے مافیہ کا تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ یہ جنرل برنارڈ کے خبرنامہ 8 جون سے لیا گیا ہے جو دہلی کی بلندیوں پر بزور قبضہ کے بارے میں ہے اور بعض نجی رپورٹوں سے جن کا تعلق 14 اور 12 جون کے محصورین کے دھاووں سے ہے ۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے غیر مطبوعہ نقشوں کی بنیاد پر کپتان لارنس نے آخر کار دہلی اور اس کی چھاؤنیوں کا فوجی نقشہ مرتب کر لیا ہے ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دہلی کا دفاع ہرگز اتنا کمزور نہیں تھا جتنا پہلے دعویٰ کیا گیا اور نہ ہی اتنا مضبوط جس کا اب حیلہ

کیا جاتا ہے۔اس کا ایک قلعہ ہے جس پر دھاوا بول کر یا باقاعدہ محاصرے سے قبضہ کیا جا سکتا ہے۔شہر پناہ جو لمبائی میں سات میل سے زیادہ ہے،ٹھوس گچ سے بنائی گئی ہے لیکن زیادہ اونچی نہیں ہے۔کھائی تنگ ہے اور زیادہ گہری نہیں ہے اور پشتہ بندیاں دیواروں کو گولے باری سے نہیں بچا سکیں۔کئی برج تھوڑے تھوڑے فاصلے پر موجود ہیں۔شکل کے لحاظ سے وہ نیم گول ہیں اور بندوقوں کے لئے ان میں روزن بنے ہوئے ہیں۔چکردار زینے دیواروں کی چوٹی سے نیچے کی طرف برجوں سے حجروں تک پہنچتے ہیں جو کھائی کی سطح تک ہیں۔ان میں پیادہ فوج کے لئے بندوق چلانے کے روزن ہیں اور یہ بات کھائی کو پار کرنے والی جماعت کے لئے پریشان کن ہو سکتی ہے۔برجوں میں جو دیواروں کی مدافعت کرتے ہیں بندوقچیوں کے لئے گولی چلانے کے تختے بھی ہیں لیکن گولے باری سے انہیں دبائے رکھا جا سکتا ہے۔جب مسلح بغاوت پھٹ پڑی تو شہر کے اندر اسلحہ خانے میں 900,000 کارتوس، دو مکمل محاصروں کے سامان،توپوں کی بڑی تعداد اور 10,000 توڑے دار بندوقیں تھیں۔بارود، خانہ بدوشوں کی خواہش کے مطابق پہلے،کافی پہلے شہر سے دہلی کے باہر چھاؤنیوں میں منتقل کر دیا گیا تھا اور اس میں 10,000 سے کم پیپے نہیں تھے۔وہ بلندیاں جن پر جنرل برنارڈ نے 9 جون کو قبضہ کیا تھا، دہلی سے شمال مغربی سمت میں واقع ہیں جہاں شہر پناہ سے باہر چھاؤنیاں بھی قائم کی گئی تھیں۔

معتبر نقشوں پر مبنی اس خاکے سے یہ سمجھا جائے گا کہ بغاوت کا گڑھ پہلی ہی یورش میں ہتھیار ڈال دیتا اگر برطانوی فوج دہلی میں 26 مئی کو ہوتی اور وہ وہاں ہو سکتی تھی اگر اسے کافی ذرائع نقل و حمل فراہم کیے جاتے۔''دی بامبے ٹائمز'' نے ان رجمنٹوں کی فہرست جنہوں نے جون کے آخر تک بغاوت کی اور وہ تاریخیں شائع

کیں جب انہوں نے بغاوت کی اور جسے لندن کے اخبارات میں نقل کیا گیا ہے۔

اس کا تجزیہ قطعی طور پر ثابت کرتا ہے کہ 26 مئی کو دہلی پر صرف 4000 سے 5000 جوانوں کا قبضہ تھا۔ اور یہ قوت ایک لمحے کے لئے بھی ایک ایسی شہر پناہ کی مدافعت کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتی تھی جو سات میل لمبی ہے۔ میرٹھ کا دہلی سے فاصلہ صرف چالیس میل ہے اور 1853 کے آغاز سے اسے ہمیشہ بنگال توپ خانہ کے ہیڈ کوارٹر کی طرح استعمال کیا گیا ہے۔ جہاں فوجی سائنسی مقاصد کے لئے خاص تجربہ گاہ ہے اور جس نے جنگ اور محاصرے کے سامان کے استعمال کی مشقوں کے لئے میدان فراہم کیا ہے۔ یہ اور زیادہ نا قابل فہم ہو جاتا ہے کہ برطانوی کمانڈر کے پاس ان ذرائع کی کمی تھی جو ان یورشوں میں سے ایک کی تکمیل کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ جن کے وسیلے سے برطانوی فوج ہمیشہ مقامی پر اپنی بالادستی حاصل کر سکتی ہے۔ پہلے ہمیں مطلع کیا گیا کہ محاصرے کے سامان کا انتظار کیا گیا، پھر کمک کی ضرورت ہوئی اور اب "دی پریس" (41) جو لندن کے بہترین باخبر اخبارات میں سے ایک ہے ہم سے کہتا ہے:

"یہ حقیقت ہماری حکومت کے علم میں ہے کہ جنرل برنارڈ کے پاس رسد اور گولہ بارود کی کمی ہے اور آخر الذکر کی دستیابی فی کس 34 راونڈ تک محدود ہے"۔

جنرل برنارڈ کے دہلی کی بلندیوں پر قبضے کے متعلق خود اس کے خبرنامے سے جس پر 8 جون کی تاریخ ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ اصل میں اس نے اگلے دن دہلی پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس منصوبے پر چلنے کی بجائے وہ کسی ایک یا دوسرے اتفاقی حادثے کی وجہ سے محصورین کے خلاف مدافعت تک محدود رہا۔

اس لمحے کسی بھی فریق کی قوتوں کا تخمینہ لگانا انتہائی مشکل ہے۔ ہندوستانی

پریس کے بیانات بالکل 'خودتر دیدی' ہیں لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ بوناپارٹسٹ ''زے پے'' (42) کی خبر پر اعتبار کیا جاسکتا ہے جو اسے کلکتہ میں فرانسیسی قونصل خانے سے ملی ہے۔ اس کے بیان کے مطابق جنرل برنارڈ کی فوج 14 جون کو تقریباً 5700 جوانوں پر مشتمل تھی جو اسی ماہ کی 20 تاریخ کو کمک کے ذریعے دگنی؟ ہونے والی تھی۔ اس کے پاس محاصرے کی 30 بھاری توپیں تھیں۔ ساتھ ہی باغیوں کی قوت کی تعداد 10,000 جوان تھی جو بری طرح غیر منظم تھے لیکن حملے اوردفاع کے سارے ذرائع سے اچھی طرح لیس تھے۔

ہم بر سبیل تذکرہ کہتے ہیں کہ 3000 باغی جو اجمیری دروازے کے باہر غالباً غازی خاں کے مزار میں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں، انگریز فوج کے مقابل محاذ آرائی نہیں کررہے ہیں جیسا کہ لندن کے بعض اخبار خیال کرتے ہیں بلکہ اس کے برعکس ان کے اور انگریز فوج کے درمیان دہلی کی پوری چوڑائی حائل ہے۔ اجمیری دروازہ قدیم دہلی کے کھنڈرات کے شمال میں جدید دہلی کے جنوب مغربی حصے کی ایک سرحد پر واقع ہے۔ شہر کے اس طرف باغیوں کو اس طرح کی زیادہ چھاؤنیاں قائم کرنے سے کوئی چیز نہیں روکتی۔ شہر کے شمال مشرقی یا دریائی سمت میں پل پر انکا کنٹرول ہے اور اپنے ہم وطنوں کے ساتھ ان کا مسلسل رابطہ ہے اور وہ جوانوں اور رسد کی مسلسل فراہمی حاصل کرسکتے ہیں۔ دہلی ایک فوجی قلعے کی تصویر پیش کرتا ہے جو چھوٹے پیمانے کے سیواستوپول کی طرح اپنے اندرون ملک کے ساتھ آمدورفت کی اپنی راہیں کھولے ہوئے ہے۔

برطانوی فوجی کارروائیوں کے التوا نے نہ صرف محصورین کو موقع دیا کہ دفاع کے لئے بڑی قوتیں مرکوز کرسکیں بلکہ کئی ہفتوں تک دہلی پر قابض رہنے کا جذبہ بھی

پیدا کیا۔ ان کے پے در پے حملوں نے یورپی فوج کو پریشان کر دیا اور اب اس ساری فوج میں تازہ بغاوتوں کی روزانہ آنے والی خبروں نے بلاشبہ دیسی سپاہیوں کا اعتمادِ نفس بڑھا دیا ہے۔ انگریز جن کی فوج چھوٹی ہے، بلاشبہ شہر کا محاصرہ نہیں کر سکتے۔ انہیں اس پر ایک دم دھاوا کر کے قبضہ کرنا چاہیے۔ لیکن اگر اگلی باضابطہ ڈاک سے دہلی پر قبضے کی خبر نہیں ملی تو ہم تقریباً یقین کر سکتے ہیں کہ چند ماہ تک اہم برطانوی فوجی کاروائیاں ملتوی رہیں گی، بارش کا موسم زوروں پر ہوگا اور کھائی کو ''جمنا کے گہرے اور تیز بہاؤ'' سے بھر کر شہر کے شمال مشرقی رخ کی حفاظت کرے گا اور درجہ حرارت 75 سے لے کر 102 فارن ہائٹ تک کے ساتھ ساتھ بارش کی نوانچ اوسط مقدار یورپیوں کو واقعی ایشیائی ہیضے میں مبتلا کر دے گی۔ تب لارڈ ایلن برو کے الفاظ کی تصدیق ہوگی:

''میری رائے ہے کہ سر برنارڈ وہاں نہیں رہ سکتے جہاں وہ ہیں.... موسم اس میں مانع ہے۔ جب زبردست بارش کا موسم شروع ہوگا تو وہ میرٹھ سے، انبالہ سے اور پنجاب سے کٹ جائیں گے وہ زمین کی بہت تنگ پٹی میں قید ہو جائیں گے اور وہ ایسی صورت حال میں ہوں گے، جسے میں خطرہ نہیں بلکہ ایسی صورت حال کہوں گا جس کا خاتمہ صرف تباہی اور بربادی میں ہو سکتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ بروقت ہٹ جائیں گے''۔

تو ہر چیز کا انحصار جہاں تک دہلی کا تعلق ہے اس سوال پر ہے کہ جنرل برنارڈ کو کافی جوان اور گولہ بارود فراہم ہوں تاکہ وہ جون کے آخری ہفتوں میں دہلی پر چڑھائی کر سکیں۔ دوسری طرف ان کی پسپائی سے بغاوت کی اخلاقی قوت بے حد مضبوط ہوگی اور غالباً بمبئی اور مدراس کی فوجوں کو بغاوت میں اعلانیہ طور پر شامل

ہونے کا فیصلہ کرنے کی ترغیب دے گی۔

4 اگست 1857 کو تحریر کیا۔ ''نیویارک ڈیلی ٹربیون'' کے شمارے 5094 میں 18 اگست 1857 کو شائع ہوا۔

ہندوستانی بغاوت

لندن: 14 جولائی 1857

جب 30 جولائی کو تریست ٹیلی گراف نے ہندوستانی خبریں پہنچائیں اور ہندوستانی ڈاک جو یکم اگست کو آئی، انہوں نے ہمیں اپنے مافیہ اور تاریخوں سے فوراً دکھا دیا کہ دہلی پر قبضہ بد بخت جھانسہ ہے اور ہمیشہ یاد رہنے والی سیواستوپول کی شکست کی گھٹیا نقل ہے۔ اس کے باوجود جان بل کی سادہ لوحی اتنی اتھاہ گہری ہے کہ اس کے وزیروں نے، اس کے اسٹاک والوں نے اور اس کے پریس نے درحقیقت جھانسہ دے کر یہ باور کرا دیا کہ اس خبر میں جو جنرل برنارڈ کی محض دفاعی حیثیت ظاہر کرتی ہے، اس کے دشمنوں کے مکمل قلع قمع کا ثبوت موجود ہے۔ یہ فریب خیال روز بروز مضبوط ہوتا گیا یہاں تک کہ اس نے آخر کار اتنی ثابت قدمی حاصل کر لی کہ اس قسم کے معاملات کے آزمودہ کار جنرل سر دی لیس ایونس کو 12 اگست کی رات دارالعوام میں ہمت افزائی کی گونج میں یہ اعلان کرنے پر مائل کر دیا کہ دہلی پر قبضے کی افواہ کی سچائی پر انہیں یقین ہے لیکن ان کی مضحکہ خیز نمائش کے بعد بلبلہ پھوٹنے کے لئے تیار تھا اور اگلے دن 13 اگست کو تریست اور مارسیلز سے تار برقی کے ذریعے یکے بعد دیگرے مراسلات آئے جن میں ہندوستانی ڈاک کی پیش بینی کی گئی اور اس حقیقت پر شبہے کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ 27 جون کو دہلی اسی جگہ قائم تھا جہاں وہ پہلے تھا اور جنرل برنارڈ جو ہنوز دفاع تک محدود ہیں، محصورین کے بار بار غضبناک حملوں سے پریشان ہیں اور اس پر بہت خوش ہیں کہ اس وقت میدان کو قابو میں رکھے ہوئے ہے۔

ہماری رائے میں اگلی ڈاک غالباً انگریز فوج کی پسپائی کی خبر دے گی یا کم ازکم

ان حقائق کی، جو ایسی پسپائی کا پیش خیمہ ہوں گے ۔ یہ یقینی ہے کہ دہلی کی شہر پناہ کا پھیلاؤ یہ تسلیم کرنے سے روکتا ہے کہ ان کی پوری مدافعت کے لئے موثر طور پر سپاہیوں کو تعینات کیا جا سکتا ہے اور اس کے برعکس ناگہاں حملے کو دعوت دیتا ہے جو ارتکاز اور بے خبری سے عمل میں لایا جائے لیکن جنرل برنارڈ کے دل و دماغ میں قلعہ بند شہروں، محاصروں اور گولے باریوں کے یورپی خیالات بسے ہوئے ہیں نہ کہ وہ ''جری نرالے پن'' جن کے ذریعے سر چارلس نیپئر ایشیائی ذہنوں کو بھونچکا بنانا جانتا تھا۔ اس کی فوج کی تعداد 13000 جوانوں تک پہنچ گئی ہے، 7000 یورپی اور 5000 ''وفادار مقامی''۔ لیکن دوسری طرف اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ باغیوں کو روزانہ کمک مل رہی ہے۔ اس لئے ہم صحیح طور پر تخمینہ لگا سکتے ہیں کہ محاصرہ کرنے والوں اور محصورین کا عددی تناسب وہی ہے۔ علاوہ ازیں ناگہاں حملے کا واحد نقطہ، جس کی یقینی کامیابی کی جنرل برنارڈ کو ضمانت مل سکتی ہے، لال قلعہ ہے جس کی بلند پوزیشن ہے لیکن دریا کی طرف سے اس تک پہنچ بارش کے موسم کی وجہ سے ناقابل عمل ہے جو شروع ہونے ہی والا ہے اور لال قلعہ پر کشمیری دروازے اور دریا کے درمیان سے دھاوا حملہ آوروں کو ناکامی کی صورت میں زبردست خطرے میں ڈال سکتا ہے۔ آخر میں بارش شروع ہونے پر جنرل برنارڈ کی کارروائیوں کا خاص مقصد نقل و حمل کے سلسلے اور پسپائی کے راستوں کو یقینی بنانا ہوگا۔ مختصر یہ ہے کہ ہمیں اس پر یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ اپنی ہنوز ناکافی فوج سے سال کے انتہائی نامناسب موسم میں خطرہ مول لینے کی جرات کرے گا جس سے اس نے مناسب موسم کے وقت گریز کیا۔ اگرچہ حقیقت پر پردہ ڈال کر لندن کا پریس اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے جتن کر رہا ہے، لیکن بلند ترین حلقوں میں سنجیدہ شکوک پائے

جاتے ہیں اور اسی لارڈ پامرسٹن کے ترجمان ''دی مارننگ پوسٹ''(43) سے دیکھا جاسکتا ہے۔اس اخبار کے ضمیر فروش حضرات گرامی ہمیں مطلع کرتے ہیں:

''ہمیں شبہ ہے کہ اگلی ڈاک تک سے ہم دہلی پر قبضے کی بابت سنیں گے لیکن ہم یہ توقع ضرور کرتے ہیں کہ جوں ہی محاصرہ کرنے والوں میں شریک ہونے والے دستے جو اس وقت کوچ کر رہے ہیں، کافی تعداد میں بڑی توپوں کے ساتھ جن کی ابھی تک کمی ہے، پہنچ جائیں گے تو ہمیں باغیوں کے گڑھ کی شکست کی اطلاع ملے گی''۔

یہ ظاہر ہے کہ کمزوری، تذبذب اور براہ راست فاش غلطیوں سے برطانوی جنرلوں نے دہلی کو ہندوستانی بغاوت کے سیاسی اور فوجی مرکز کی عظمت کا درجہ دے دیا ہے۔طویل محاصرے کے بعد انگریز فوج کی پسپائی یا مدافعانہ رویہ یقینی شکست خیال کیا جائے گا اور عام بغاوت کا سگنل دے گا۔علاوہ ازیں وہ برطانوی فوج کو خوفناک اتلاف جان کے خطرے میں ڈال دے گا جس سے وہ ابھی تک اس جوش کی وجہ سے بچی ہوئی ہے جو محاصرے کا حصہ ہوتا ہے جس میں کئی دھاوے، مقابلے اور اپنے دشمنوں سے جلد خونی بدلہ لینے کی امید ہوتی ہے۔ جہاں تک ہندوستانیوں کی بے حسی کی بات کا تعلق ہے یا برطانوی حکمرانی کے ساتھ ان کی ہمدردی تک کا تو یہ سب بکواس ہے۔رجواڑے سچے ایشیائیوں کی طرح موقع کے منتظر ہیں۔ساری بنگال پریذیڈنسی میں لوگ جن پر مٹھی بھر یورپیوں کی نگرانی نہیں ہے، خوش نصیب نراج سے لطف اٹھا رہے ہیں۔لیکن وہاں کوئی نہیں ہے جس کے خلاف وہ اٹھ کھڑے ہوں۔ یہ عجیب وغریب مغالطہ ہے کہ ہندوستانی بغاوت سے یورپی انقلاب کی خصوصیات اختیار کرنے کی توقع کی جائے۔

مدراس اور بمبئی پریذیڈنسیوں میں جہاں فوج نے ابھی تک پیش قدمی نہیں کی ہے، ظاہر ہے لوگ ہنگامے نہیں کر رہے ہیں۔ آخر کار پنجاب اس لمحے تک یورپی فوج کا خاص مرکزی اسٹیشن ہے اور دیسی فوج کو نہتا کر لیا گیا ہے۔ اسے بیدار کرنے کے لئے پڑوسی نیم آزاد راجواڑوں کو اپنا سارا اثر ڈالنا چاہیے لیکن یہ بات کہ ایسی شاخ در شاخ جس کا اظہار بنگالی فوج نے کیا، مقامی آبادی کی خفیہ چشم پوشی اور حمایت کے بغیر اتنے زبردست پیانے پر نہیں کی جاسکتی۔ اتنی ہی یقینی ہے جتنی یہ بات کہ انگریز رسد اور نقل و حمل حاصل کرنے میں زبردست مشکلات سے دوچار ہیں (ان کے دستوں کے سست ارتکاز کی خاص وجہ) جو کسانوں کے اچھے جذبات کو ثابت نہیں کرتی ہیں۔

تار برقی کے مراسلات سے جو دوسری خبریں موصول ہوئی ہیں وہ اہم ہیں۔ اس لئے کہ وہ ہمیں دکھاتی ہیں کہ پنجاب کی دور دراز سرحد یعنی پشاور میں بڑھ رہی ہے اور دوسری طرف دہلی سے جھانسی، ساگر، اندور، مئو فوجی اسٹیشنوں تک جنوب کی جانب بڑھ رہی ہے۔ یہاں تک کہ آخر میں اورنگ آباد پہنچ رہی ہے جو بمبئی کے شمال مشرق میں صرف 180 میل دور ہے۔ بندیل کھنڈ میں جھانسی کے تعلق سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ قلعہ بند ہے اور بغاوت کا ایک اور مرکز بن سکتا ہے۔ دوسری طرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ جنرل وان کورٹلانڈٹ نے سرسہ میں باغیوں کو شکست دے دی ہے جو شمال مغرب سے دہلی کے سامنے جنرل برنارڈ سے ملنے کے لئے آرہے تھے جس سے وہ ہنوز 170 میل کے فاصلے پر ہیں۔ انہیں جھانسی سے گزرنا پڑے گا جہاں پھر باغیوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ جہاں تک انگریز حکومت کی تیاریوں کا تعلق ہے، لارڈ پامرسٹن غالباً یہ سمجھتے ہیں کہ انتہائی چکردار راستہ مختصر ترین رستہ ہوتا ہے۔

اس لئے مصر سے گزرنے کی بجائے راس اُمید سے گزار کر اپنی فوجیں بھیج رہے ہیں ۔اس حقیقت نے کہ چند ہزار جوان جو چین کے لئے مقصود تھے،لنکا میں روک لئے گئے ہیں اور انہیں کلکتہ بھیجا جا رہا ہے جہاں 5ویں برطانوی رجمنٹ 2 جولائی کو واقعی پہنچ چکی ہے۔انہیں یہ موقع فراہم کیا ہے کہ دارالعوام کے اپنے وفادار ارکان کے ساتھ ٹھٹھول کریں جنہیں اب بھی شبہ کرنے کی جرات ہے کہ ان کی چینی جنگ واقعی نعمت غیر مترقبہ تھی۔

14 اگست 1857 کو تحریر کیا۔''نیویارک ڈیلی ٹریبون'' کے شمارے 5104 میں 29 اگست 1857 کو شائع ہوا۔

یورپ میں سیاسی صوت حال

دارالعوام کے التواء سے قبل آخری سے پہلے والے اجلاس سے لارڈ پامرسٹن نے یہ فائدہ اٹھایا کہ اسے ان تفریحات کی ہلکی جھلکیاں دکھائیں جنہیں وہ تمام شدہ اجلاس اور آئندہ اجلاس کے درمیانی وقفہ میں انگریز پبلک کو پیش کرنے والے ہیں۔ ان کے پروگرام کی پہلی مد جنگ ایران کا احیاء ہے جو، جیسا کہ انہوں نے چند ماہ پہلے بیان کیا تھا، یقینی صلح کے بعد ختم ہوگئی تھی جو 4 مارچ کو کی گئی تھی۔ جب جنرل سر دی لیسی ایونس نے یہ امید ظاہر کی کہ کرنل جیکب کو اپنی فوج کے ساتھ ہندوستان لوٹنے کا حکم دیا گیا ہے جو اس وقت خلیج فارس میں مقیم ہے تو لارڈ پامرسٹن نے صاف طور پر بیان کیا کہ جب تک ایران ان وعدوں کو پورا نہیں کرتا جو معاہدے میں کئے گئے ہیں، کرنل جیکب کی فوج نہیں ہٹائی جا سکتی۔ اس کے باوجود ہرات کا انخلاء ابھی تک نہیں کیا گیا ہے۔ اس کے برعکس پھیلی ہوئی افواہیں تصدیق کرتی ہیں کہ ایران نے ہرات کو مزید فوج بھیجی ہے۔ پیرس میں ایرانی سفیر نے اس سے واقعی انکار کیا لیکن ایران کے نیک ارادوں پر کافی شک جائز طور پر کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ کرنل جیکب کے تحت برطانوی فوج نوشہر پر اپنا قبضہ جاری رکھے گی۔ لارڈ پامرسٹن کے بیان کے اگلے دن تار برقی کے ذریعے معلوم ہوا کہ مسٹر مری نے ایرانی حکومت سے پُرزور مطالبہ کیا کہ ہرات کا انخلاء کیا جائے۔ ایک ایسا مطالبہ جو نئی جنگ کے اعلان کا پیشرو خیال کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہندوستانی بغاوت کا پہلا بین الاقوامی اثر ہے۔

لارڈ پامرسٹن کے پروگرام کی دوسری مد اس کی تفصیلات کی کمی کو وسیع امکانات سے پورا کرتی ہے جو وہ پیش کرتی ہے۔ جب انہوں نے پہلی بار انگلستان سے بڑی فوجی قوتوں کو ہٹا کر ہندوستان روانہ کرنے کا اعلان کیا تو اپنے مخالفین کو

جنہوں نے ان پر یہ الزام لگایا تھا کہ وہ برطانیہ عظمیٰ کو اس کی دفاعی طاقت سے محروم کرنا چاہتے ہیں اور اس طرح بیرونی ملکوں کا اس کمزور حیثیت سے فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کرتے ہیں جواب دیا کہ:

''برطانیہ عظمیٰ کے عوام ایسی کارروائی کبھی برداشت نہیں کریں گے اور کسی بھی ناگہانی صورت حال کا سامنا کرنے کے لئے جوانوں کی تعداد تیزی سے بڑھائی جائے گی۔''

اب پارلیمنٹ کے التواء سے عین پہلے وہ بالکل مختلف لہجے میں بول رہے ہیں۔جنرل دی لیسی ایونس کے دخانی جنگی جہازوں پر فوجیں ہندوستان بھیجنے کے مشورے پر انہوں نے اعتراض نہیں کیا جیسا کہ پہلے دخانی کے مقابلے میں بادبانی جہازوں کی برتری کا دعویٰ کیا تھا، لیکن اس کے برعکس تسلیم کیا کہ جنرل کا منصوبہ بظاہر انتہائی مفید معلوم ہوتا ہے۔اسکے باوجود دارالعوام کو یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ:

'' ملک میں کافی فوجی اور بحری قوتیں رکھنے کی ضرورت کے سلسلے میں دوسرے ملحوظات بھی ہیں جنہیں پیش نظر رکھنا چاہیے ......بعض حالات نے نشاندہی کی کہ مطلق ضرورت سے زیادہ بحری فوج ملک سے باہر بھیجنا خلاف مصلحت ہے۔ دخانی جنگی جہاز حسب معمول فارغ پڑے ہیں اور اس وقت ان کا کچھ استعمال نہیں ہے لیکن اگر ایسے واقعات رونما ہوئے جن کا اشارہ کیا گیا ہے اور ان کے تحت بحری فوجوں کو سمندر میں بھیجنا ضروری ٹھہرا اور جنگی جہازوں کو ہندوستان میں نقل وحمل کا فرض انجام دینے کی اجازت دی گئی تو وہ متوقع خطرات کا سامنا کیسے کریں گے؟ اس سمندری بیڑے کو ہندوستان بھیجنا شدید غلطی ہوگی جس کے لئے یورپ میں ہونے والے حالات یہ ضروری بنا سکتے ہیں کہ وہ مختصر نوٹس پر خود اپنی مدافعت کے

لئے مسلح ہو جائے''۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ لارڈ پامرسٹن نے جان بل کو بے حد نازک گو مگو میں مبتلا کر دیا ہے۔ اگر وہ ہندوستانی بغاوت کو فیصلہ کن طور پر کچلنے کے لئے موزوں ذرائع استعمال کرتا ہے تو ملک میں اس پر حملہ کیا جائے گا اور اگر وہ ہندوستانی بغاوت کو مستحکم ہونے کی اجازت دیتا ہے تو اس کے سامنے، جیسا کہ مسٹر ڈزرائیلی نے کہا ''ہندوستان کے راجوں کے علاوہ اسٹیج پر دوسرے کردار ہوں گے جن سے مقابلہ کرنا ہوگا''۔

''یورپی حالات'' پر نظر ڈالنے سے پہلے جن کا پر اسرار طریقے سے اشارہ کیا گیا ہے، یہ نا مناسب نہ ہوگا کہ ہندوستان میں برطانوی فوج کی حقیقی صورت حال کے متعلق دارالعوام کی اسی نشست میں جو اعتراضات کئے گئے انہیں پیش کیا جائے، تو پہلے دہلی پر فوراً قبضہ کرنے کی پر جوش اُمیدوں کو خیر باد کہا گیا۔ گویا کہ باہمی سمجھوتے سے سابق دنوں کی بلند توقعات اس معقول خیال کی سطح تک اُتر آئیں کہ انگریز نومبر تک ملک سے بھیجی ہوئی کمک پہنچ جانے تک اپنی جگہوں پر قائم رہیں تو وہ اپنے آپ کو مبارکباد دیں۔ دوسرے، ان کی اہم ترین چوکیوں میں سے ایک یعنی کانپور کے ہاتھ سے نکل جانے کے امکان کے متعلق خدشہ ظاہر کیا گیا، جس کی قسمت پر، جیسا کہ مسٹر ڈزرائیلی نے کہا، ہر چیز کا انحصار ہے، اور جس کی مدد کو وہ دہلی پر قبضے سے بھی زیادہ اہم خیال کرتے ہیں۔ گنگا پر اپنی وسطی حیثیت کی وجہ سے اودھ، روہیل کھنڈ، گوالیار اور بندیل کھنڈ پر اس کا اثر درحقیقت موجودہ حالات سے دہلی کے لئے اسے بنیادی اہمیت کا مقام بنا دیتا ہے۔ آخر میں، دارالعوام کے فوجی ممبروں میں سے ایک سر اسمتھ نے اس حقیقت کی جانب توجہ مبذول کروائی کہ در

حقیقت انگریزوں کی ہندوستانی فوج میں کوئی انجینئر اور سرنگ اڑانے والے نہیں ہیں کیونکہ وہ سب فوجی نوکری چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں اور اغلب ہے کہ "دہلی کو دوسرا سارا گوسا (44) بنائیں"۔ دوسری طرف لارڈ پامرسٹن نے انگلستان سے انجینئرنگ کے دستوں سے افسر یا جوان بھیجنے میں بے توجہی کی۔

اب یورپی واقعات کی جانب لوٹتے ہوئے جو "مستقبل میں نظر آتے ہیں" ہمیں لندن ٹائمز کے تبصرے پر فوراً حیرت ہوتی ہے جو اس نے لارڈ پامرسٹن کے کنایوں پر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ آج کا فرانسیسی نظام حکومت ختم کیا جا سکتا ہے یا عرصہ ہستی سے نپولین غائب ہو سکتا ہے اور تب فرانس سے اتحاد کا خاتمہ ہو جائے گا جس پر موجودہ سلامتی مبنی ہے۔ بہ الفاظ دیگر برطانوی کابینہ کا عظیم ترجمان "ٹائمز"، فرانس میں انقلاب کو ایسا واقعہ سمجھتا ہے جو کسی بھی دن واقع ہو سکتا ہے لیکن ساتھ ساتھ وہ یہ اعلان بھی کر دیتا ہے کہ موجودہ اتحاد فرانسیسی عوام کی ہمدردیوں کی بنیاد پر قائم نہیں ہے بلکہ فرانسیسی غاصب کے ساتھ صرف سازش پر مبنی ہے۔ فرانس میں انقلاب کے علاوہ ڈینیوب کا جھگڑا ہے (45) مولدیویا کے انتخابات منسوخ کرنے سے اس کا زور کم نہیں ہوا بلکہ ایک نئے دور میں داخل ہو گیا ہے اس کے علاوہ سکینڈے نیویا کا شمال ہے جو مستقبل قریب میں عظیم ہنگاموں کی نمائش گاہ بن جائے گا اور شاید یورپ میں بین الاقوامی تصادم کا سگنل دے گا۔ شمال میں ہنوز امن برقرار ہے کیونکہ دو واقعات کا بے چینی سے انتظار کیا جا رہا ہے، سویڈن کے بادشاہ (اوسکر اول) کی موت اور ڈنمارک کے موجودہ بادشاہ کی تخت سے دستبرداری۔ کرسٹیانیا میں فطرت پسندوں کے ایک جلسے میں سویڈن کے وارث شہزادے (چارلس لوڈو یگ یوگین) نے سکینڈے نیویائی یونین کے حق میں زور دے کر اعلان کیا۔ وہ

نوجوان آدمی اور باعزم و توانا کردار کا ہے۔سکینڈے نیویائی پارٹی سویڈن، ناروے اور ڈنمارک کے پر جوش نوجوانوں کو اپنی صفوں میں شامل کر کے اس کی تخت نشینی کو مسلح بغاوت کر دینے کے لئے موزوں لمحہ سمجھے گی۔دوسری طرف ڈنمارک کے کمزور اور ضعیف العقل بادشاہ فریڈرک ہفتم کو اس کی بے جوڑ بیوی کاؤنٹیس نے نجی زندگی اختیار کرنے کی اجازت دے دی ہے، اجازت جو اسے ابھی تک نہیں دی گئی تھی۔ اس کی وجہ سے بادشاہ کے چچا اور ڈنمارک کے تخت کے وارث شہزادہ فرڈینانڈ کو ریاستی امور سے علیحدہ ہونے پر آمادہ کیا گیا تھا جس میں وہ شاہی خاندان کے دوسرے ممبروں کے انتظام کی بدولت بعد میں پھر لوٹ آیا۔اب اس سے کاؤنٹیس ڈیز کے متعلق کہا جارہا ہے کہ وہ کوپن ہیگن میں اپنی رہائش کو پیرس میں رہائش سے تبدیل کرنا چاہتی ہے اور بادشاہ تک کو آمادہ کرنا چاہتی ہے کہ وہ اپنا عصائے شاہی شہزادہ فرڈینانڈ کو سپرد کر کے سیاسی زندگی کے طوفان کو خدا حافظ کہے۔شہزادہ فرڈیناڈ جو تقریباً 65 سال کا ہے، کوپن ہیگن کے دربار میں اسی پوزیشن کا حامل تھا جو ارتوا کے کاؤنٹ کو، جو بعد میں چارلس دہم بنا۔تیویلری کے دربار میں حاصل تھی۔ ضدی، سخت اور اپنے قدامت پرست عقیدے کا پُر جوش حامی ہونے کی وجہ سے اس نے آئینی نظام کی پابندی کا بہانہ کرنے سے کبھی اتفاق نہیں کیا۔اس کے باوجود اس کی تخت نشینی کی پہلی شرط آئین کا حلف قبول کرنا ہے جس سے وہ اعلانیہ نفرت کرتا ہے۔ اِسی لئے بین الاقوامی مصیبتوں کا امکان ہے جنہیں سویڈن اور ڈنمارک دونوں میں سکینڈے نیویائی پارٹی اپنے مفاد میں تبدیل کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ دوسری طرف ڈنمارک کا ہولشٹائن وشلزویگ (46) جرمن ریاستوں سے تصادم جنہیں پروشیا اور آسٹریا کی حمایت حاصل ہے، معاملات کو اور پیچیدہ بنا دے گا اور

شمال کی جدوجہد میں جرمنی کو الجھا دے گا۔اور 1852ء کا لندن عہد نامہ جو شہزادہ فرڈیناند کو ڈنمارک کے تخت کی ضمانت دیتا ہے، روس، فرانس اور انگلستان کو اس جدوجہد میں شامل کرے گا۔

21 اگست 1857 کو تحریر کیا۔ ''نیویارک ڈیلی ٹربیون'' کے شمارے 5110 میں 5 ستمبر 1857 کو اداریے کی حیثیت سے شائع ہوا۔

ہندوستان میں اذیت رسانی کی تفتیش

ہمارے لندن کے نامہ نگار نے جس کا خط کل ہم نے ہندوستان میں بغاوت کے بارے میں شائع کیا ہے، قطعی بجا طور پر کچھ ایسے واقعات کا حوالہ دیا ہے جنہوں نے اس طوفانی دھماکے کے لئے زمین ہموار کی ۔ آج ہم کچھ وقت کے لئے خیالات کے اس سلسلے کو جاری رکھنا اور دکھانا چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے برطانوی حکمران کسی طرح بھی ہندوستانی عوام کے ایسے نرم اور بے داغ محسن نہیں ہیں جیسا کہ وہ ساری دنیا کو یقین دِلاتے ہیں ۔ اس مقصد کے لئے ہم ایسٹ انڈیا میں اذیتوں کے سوال سے متعلق سرکاری نیلی کتابوں (48) کی طرف رجوع کریں گے ۔ جو 1856 اور 1857 کے برطانوی دارالعوام کے اجلاسوں میں پیش کی گئی ہیں ۔ جیسا کہ ہم دیکھیں گے یہ ثبوت کچھ ایسا ہے جس کی تردید ممکن نہیں ۔ سب سے پہلے ہم مدراس میں اذیت کے بارے میں تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ لیتے ہیں (49) جس میں کہا گیا ہے کہ کمیشن کو اس میں شک ہے کہ "سالانہ تقریباً اتنی ہی تعداد میں مجرمانہ الزامات کی بناء پر لوگوں پر تشدد کیا جاتا ہےجتنا کہ محصول کی غیر ادئیگی کے لئے ۔"

کمیشن اعلان کرتا ہے کہ: "ایک بات نے کمیشن کو اس یقین سے بھی زیادہ دردانگیز طور پر متاثر کیا ہے کہ اذیت پہنچائی جاتی ہے ۔ وہ ہے اذیت زدہ فریقین کے لئے دادرسی میں مشکل ۔"

کمیشن کے ممبروں نے اس مشکل کی وجوہات یہ بتائی ہیں:

(1) ان لوگوں کے لئے جو ذاتی طور پر کلکٹر سے فریاد کرنا چاہتے ہیں، طویل فاصلوں کی سفر کی وجہ سے اخراجات اور کلکٹر کے دفتر میں وقت کا زیاں ۔

(2) یہ خوف کہ تحریری درخواست ’’اس عام ہدایت کے ساتھ واپس کر دی جائے گی کہ تحصیلدار (ضلع پولیس اور محاصلات کا افسر) اس کی جانچ کرے یعنی وہی شخص جس نے ذاتی طور پر یا اپنی پولیس کے چھوٹے ماتحتوں کے ذریعہ درخواست دہندہ کے ساتھ ناانصافی کی ہے۔

(3) سرکاری افسروں کے خلاف قانونی کاروائی اور سزا دہی کے اس وقت بھی ناکافی ذرائع جبکہ اُن کو ایسی حرکتوں کی وجہ سے باقاعدہ ملزم یا مجرم ٹھہرایا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اگر کسی مجسٹریٹ کے سامنے اس طرح کا الزام ثابت بھی ہو گیا تو اس کی سزا صرف پچاس روپیہ یا ایک مہینہ کی جیل ہو گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ملزم کو ’’سزا کے لئے فوجداری جج کے سپرد کر دیا جائے یا ڈسٹرکٹ کورٹ کے سامنے مقدمے کی سماعت کے لئے پیش کیا جائے۔‘‘

رپورٹ میں اضافہ یہ کیا گیا ہے:

’’یہ طویل کارروائی ہے جو ایک قسم کی قانون شکنی کے لئے کی جاتی ہے یعنی اختیارات کے غلط استعمال پر، جس میں پولیس کو ملزم ٹھہرایا جاتا ہے اور یہ کارروائی دعویٰ کے لئے قطعی بے نتیجہ ہوتی ہے۔‘‘ پولیس یا محاصلات کے افسر پر، جو ایک ہی شخص ہوتا ہے، کیونکہ محصول پولیس جمع کرتی ہے، جب روپیہ زبردستی وصول کرنے کا الزام لگایا جاتا ہے تو پہلے اس کا مقدمہ اسسٹنٹ کلکٹر کے سامنے پیش ہوتا ہے پھر وہ کلکٹر سے اپیل کر سکتا ہے اور اس کے بعد ریونیو بورڈ کو۔ یہ بورڈ ملزم کا معاملہ حکومت یا عدالت دیوانی کے بھیج سکتا ہے‘‘۔

’’قانون کی ایسی صورت حال میں غربت زدہ رعیت کسی دولت مند افسر محاصلات کے خلاف مقدمہ نہیں چلا سکتی اور ہمیں کسی واحد واقعہ کا بھی علم نہیں ہے

جس میں ان دو قوانین (1822 اور 1828) کے تحت لوگوں نے شکایت کی ہو۔"

مزید برآں، روپیہ کی زبردستی وصولی کا الزام اس صورت میں عائد ہوتا ہے جب متعلقہ افسر رقم ہڑپ کر لیتا ہے یا رعیت کے زائد محصول دینے پر مجبور کرتا ہے۔ جسے وہ اپنی جیب میں رکھ لیتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ سرکاری محصول جمع کرنے کے لئے تشدد کے استعمال کے واسطے قانون میں کوئی سزا نہیں رکھی گئی ہے۔

یہ رپورٹ جس سے یہ حوالے لئے گئے ہیں صرف مدراس پریذیڈنسی سے تعلق رکھتی ہے لیکن خود ڈلہوزی نے ستمبر 1855 میں ڈائریکٹروں (ایسٹ انڈیا کمپنی کے بورڈ آف ڈائیریکٹرز) کو لکھا تھا کہ:

"مجھے بہت دنوں سے اس بارے میں شک نہیں ہے کہ ہر برطانوی صوبے میں کسی نہ کسی شکل میں چھوٹے افسروں کے ہاتھوں اذیت رسانی ہوتی ہے۔"

اس طرح اذیت رسانی کے ہمہ گیر استعمال کو برطانوی ہند کے مالیاتی ڈھانچے کے اٹوٹ جزو کی حیثیت سے سرکاری طور پر تسلیم کیا جاتا ہے لیکن اس کا اعتراف برطانوی حکومت کے دفاع کے لئے کیا جاتا ہے۔ درحقیقت مدراس کمیشن نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اذیت رسانی کا رواج قطعی طور پر چھوٹے ہندوستانی افسروں کا تصور ہے جبکہ حکومت کے یورپی افسر گویا اس کو ہمیشہ روکنے کی امکانی کوشش کرتے ہیں، خواہ وہ ناکام ہی کیوں نہ ہوں۔ اس دعویٰ کے جواب میں مدراس کے دیسی لوگوں کی انجمن نے جنوری 1856 میں پالیمنٹ کو ایک درخواست بھیجی جس میں اذیت رسانیوں کی تفتیش کے بارے میں مندرجہ ذیل شکایتیں کی گئی تھیں:

(1) یہ کہ تحقیقات تقریباً نہیں ہوئی کیونکہ کمیشن کا اجلاس صرف شہر مدراس میں ہوا اور وہ بھی تین مہینے کے دوران جبکہ چند کیسوں کے علاوہ شکایت کرنے

والے دیسی لوگوں کے لئے اپنا گھر چھوڑنا ممکن نہ تھا۔

(2) کہ کمیشن کے ممبروں نے برائیوں کی جڑ تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی، اگر انہوں نے ایسا کیا ہوتا تو وہ اس کو محاصلات وصول کرنے کے نظام ہی میں پاتے۔

(3) ملزم دیسی افسروں سے تحقیقات نہیں کی گئی کہ کس حد تک اذیت رسانی کے رواج سے ان کے اعلیٰ افسروں کا تعلق تھا۔

''اس اذیت رسانی کا آغاز'' درخواست دہندہ نے لکھا ہے ''اس کے جسمانی طور پر پہنچانے والوں سے نہیں ہوتا بلکہ اس کا حکم انہیں اپنے فوری اعلیٰ افسروں سے ملتا ہے جو محاصلات کی مقررر رقم کی وصولیابی کے لئے اپنے ان یورپی افسروں کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں جو اپنی باری میں اسی مد کے لئے حکومت کے اور زیادہ اونچے افسروں کے سامنے ذمہ دار ہوتے ہیں۔''

درحقیقت اس شہادت کے چند حوالے جس پر، کمیشن اعلان کے مطابق، مدراس رپورٹ مبنی ہے، رپورٹ کے اس دعویٰ کی تردید کرتے ہیں کہ ''انگریز قابل الزام نہیں ہیں۔'' چنانچہ ایک تاجر مسٹر ڈبلیو۔ ڈی۔ کولھوف کہتے ہیں: ''رائج شدہ اذیت رسانی کے طریقے مختلف ہیں اور تحصیلدار اور اس کے ماتحتوں کی پرواز خیال پر منحصر ہوتے ہیں لیکن آیا اعلیٰ صاحبان اختیار کی طرف سے اس کی کوئی تلافی کی جاسکتی ہے یا نہیں۔ یہ میرے لئے کہنا دشوار ہے کیونکہ ساری شکایتیں عام طور پر تحصیلدار کو تحقیقات اور اطلاعات کے لئے بھیج دی جاتی ہیں۔''

دیسی لوگوں کی شکایتیں کچھ اس طرح ہیں:

''پچھلے سال ہمارے یہاں فصل خریف (چاول کی خاص فصل) بارش کی کمی

کی وجہ سے خراب ہوگئی اور ہم حسب معمول لگان نہ ادا کر سکے۔ جب جمع بندی تیار کی گئی تو ہم نے اس نقصان کی چھوٹ اس سمجھوتے کی بناء پر چاہی جو ہم سے 1837 میں کیا تھا۔ جب مسٹر ایڈن ہمارے کلکٹر تھے۔ چونکہ اس چھوٹ کی اجازت نہیں ملی اس لیے ہم نے پٹے لینے سے انکار کر دیا۔ تب تحصیلدار نے ہم کو سختی کے ساتھ ادائیگی کے لیے مجبور کیا۔ یہ سلسلہ جون کے مہینے سے اگست تک جاری رہا۔ میں اور دوسرے لوگ ایسے اشخاص کی نگرانی میں دے دیئے گئے جو ہمیں دھوپ میں لے جا کر جھکا دیتے اور ہماری پیٹھ پر پتھر لاد دیئے جاتے اور جلتی ہوئی ریت میں کھڑا رکھا جاتا تھا۔ صرف آٹھ بجے کے بعد ہمیں دھان کے کھیتوں میں جانے کی اجازت دی جاتی تھی۔ اس طرح کی بدسلوکی تین مہینے تک جاری رہی جس کے دوران ہم کبھی کبھی کلکٹر کو درخواست دینے گئے لیکن انہوں نے درخواستیں لینے سے انکار کر دیا۔ ہم یہ درخواستیں جمع کر کے سیشن کی عدالت میں اپیل کرنے گئے جس نے ان کو کلکٹر کے یہاں بھیج دیا۔ پھر بھی ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا۔ ستمبر کے مہینے میں ہم کو ایک نوٹس دیا گیا اور 25 دن بعد ہماری جائیداد قرق کر لی گئی اور بعد کو فروخت کر دی گئی۔ ان وقعات کے علاوہ جو میں نے لکھے ہیں، ہماری عورتوں کے ساتھ بھی برا سلوک کیا گیا، اُن کے سینوں پر شکنجے رکھے گئے۔"

کمیشن کے ممبروں کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے ایک عیسائی نے کہا:

"جب کوئی یورپی یا دیسی رجمنٹ ادھر سے گزرتی ہے تو ساری رعایا کو کھانے پینے کا سامان مفت دینے پر مجبور کیا جاتا ہے اور اگر کوئی چیزوں کی قیمت مانگتا ہے تو اس کو سخت اذیت پہنچائی جاتی ہے"۔

پھر ایک برہمن کے ساتھ یہ واقع پیش آیا کہ اُس کو، اُس کے گاؤں والوں اور

پڑوسی گاؤں کے لوگوں کو تحصیلدار کا یہ حکم ملا کہ یہ لوگ مفت لکڑی کے تختے، کوئلہ اور ایندھن وغیرہ فراہم کریں تا کہ تحصیلدار کولرون کے پُل کی تعمیر کا کام جاری رکھے۔ برہمن کے انکار پر اُس کو بارہ آدمیوں نے پکڑ کر طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں۔ برہمن نے یہ بھی بتایا:

''میں نے اسسٹنٹ کلکٹر مسٹر ڈبلیو، کیڈل کو شکایت کی درخواست دی لیکن انہوں نے بھی کوئی تحقیقات نہیں کی اور میری درخواست پھاڑ دی، کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ کولرون کا پل غریبوں کے ذریعے سستے داموں تیار ہو جائے اور سرکار میں ان کا نام ہو جائے۔ اس لئے تحصیلدار چاہے قتل بھی کیوں نہ کر دے، اسسٹنٹ کلکٹر اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے۔''

انتہائی جبری وصولی اور تشدد کی غیر قانونی کارروائیوں کو اعلیٰ ترین افسران کیسے دیکھتے ہیں، اس کا اظہار 1855 میں پنجاب میں ضلع لدھیانہ میں کمشنر مسٹر بریرٹن کے واقعہ سے ہوتا ہے۔ پنجاب کے چیف کمشنر کی رپورٹ کی مطابق یہ ثابت ہوا کہ:

متعدد واقعات میں خود ڈپٹی کمشنر مسٹر بریرٹن کی مرضی یا ہدایت سے امیر شہریوں کے مکانوں کی بلاوجہ تلاشی لی گئی، ایسے موقعوں پر قرق کی ہوئی جائیداد طویل مدت تک قرق رہی، بہت سے لوگ جیلوں میں بند کر دیئے گئے اور وہاں ہفتوں تک پڑے رہے اور ان کے خلاف کوئی فرد جرم نہیں لگائی گئی اور خراب چال چلن کے لئے محکلے کے قوانین کو بڑے پیانے پر اور بلا اِمتیاز شدت کے ساتھ استعمال کیا گیا بعض پولیس افسر اور مینجر ڈپٹی کمشنر کے ساتھ ضلع ضلع پھرے، جن کی خدمات کو ڈپٹی کمشنر نے ہر جگہ استعمال کیا اور یہی ساری اذیت کے خاص مجرم تھے۔

''

اپنی رپورٹ میں اس معاملہ کے بارے میں لارڈ ڈلہوزی نے کہا ہے:

ہمارے پاس ناقابل تردید ثبوت ہے جس سے دراصل مسٹر بریرٹن بھی انکار نہیں کرتے کہ افسر موصوف بے قاعدگی اور غیر قانونی باتوں کی بھاری فہرست میں ہر بات کے قصوروار ہیں جن کے لئے چیف کمشنر نے ان کو ملزم ٹھہرایا ہے اور جنہوں نے برطانوی انتظامیہ کے ایک حصے کو بدنام کیا ہے اور برطانوی رعایا کی بڑی تعداد کو سخت ناانصافی، من مانی قید اور ظالمانہ اذیتوں کا نشانہ بنایا ہے۔''

لارڈ ڈلہوزی ''دوسروں کو نصیحت کے لئے مسٹر بریرٹن کو سخت سزا دینے'' کی تجویز کرتے ہیں اور اس لئے یہ رائے دیتے ہیں:

''مسٹر بریرٹن کو فی الحال ڈپٹی کمشنر کے اختیارات دینا مناسب نہیں ہے، اس درجے سے ان کی تنزلی اول درجے کے اسسٹنٹ تک کردینی چاہیے۔''

''نیلی کتابوں'' سے ان اقتباسات کو ہم مالابار ساحل پر واقع کنٹر کے ایک تعلقہ کے باشندوں کی اس درخواست پر ختم کرتے ہیں، جنہوں نے یہ بتانے کے بعد کہ وہ حکومت کو کئی درخواستیں بھیج چکے ہیں جن کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا، اپنی سابقہ اور حالیہ حالتوں کا موازنہ یوں کیا ہے:

''جب ہم لوگ سیراب اور خشک زمینوں، پہاڑی قطعات اور جنگلات کو استعمال میں لارہے تھے تو معمولی مقررہ لگان دیتے تھے اور اس طرح رانی بہادر اور ٹیپو کے زیر انتظام سکون اور خوشی سے گزر بسر کرتے تھے۔ پھر سرکاری افسروں نے ہمارے اوپر مزید لگان عائد کیا لیکن ہم نے اس کو کبھی نہیں ادا کیا۔ مال گزاری کی ادائیگی کے لئے ہمارے ساتھ کبھی جبر و تشدد اور برا برتاؤ نہیں ہوا تھا۔ محترم کمپنی کے تحت اس ملک کے آنے کے بعد سرکاری افسروں نے ہم سے پیسہ نچوڑنے کے لئے

ہر ممکن طریقے اختیار کئے ۔اس بُرے مقصد کے پیشِ نظر انہوں نے قانون قاعدے بنائے اور اپنے کلکٹروں اور سیوانی کے ججوں کو انہیں عمل میں لانے کی ہدایات دیں، لیکن اس وقت کے کلکٹروں اور ماتحت دیسی افسروں نے کچھ وقت تک ہماری شکایتوں کی طرف مناسب توجہ کی اور ہماری خواہشوں کے مطابق کام کیا۔اس کے بر عکس موجودہ کلکٹر اوران کے ماتحت افسر ہر قیمت پر ترقی کی خواہش کے تحت، عام طور پر لوگوں کی بہبودی اور مفادات کو نظر انداز کرتے ہیں، ہماری شکایتوں کی طرف سے کان بند کر لیتے ہیں اور ہم پر ہر طرح کا ظلم کرتے ہیں۔''

ہم نے یہاں ہندوستان میں برطانیہ کی حکمرانی کی سچی تاریخ سے ایک مختصر اور معتدل سا حصہ پیش کیا ہے۔ان واقعات کے پیشِ نظر غیر جانبدار اور صاحب فکر لوگ پوچھ سکتے ہیں کہ کیا کسی قوم کی یہ کوششیں بجا نہیں ہیں کہ وہ ان غیر ملکی فاتحوں کو نکال باہر کریں جو اپنی رعایا کے ساتھ ایسا برا سلوک کرتے ہیں اور اگر انگریز لوگ ایسی باتیں سنگدلی کے ساتھ کر سکتے تو کیا اس پر حیرت ہو گی کہ باغی ہندوستانی اپنی بغاوت اور تصادم کے طوفان میں انہی جرائم اور مظالم کے مرتکب ہوں جو ان پر کئے جاتے ہیں۔

28 اگست 1857 کو تحریر کیا۔''نیویارک ڈیلی ٹریبون'' کے شمارے 5120 میں 17 ستمبر 1857 کو اداریئے کی حیثیت سے شائع ہوا

ہندوستان میں بغاوت

''بالٹک'' جہاز کی ڈاک ہندوستان میں نئے واقعات کی اطلاع نہیں دیتی لیکن اس میں انتہائی دلچسپ تفصیلات کا انبار ہے جن کا ہم اپنے قارئین کی توجہ کے لئے اختصار کرتے ہیں۔جو پہلا نکتہ نظر آتا ہے، یہ ہے کہ 10 جولائی تک انگریز دہلی میں داخل نہیں ہوئے ہیں اور ساتھ ہی ان کے کیمپ میں ہیضہ شروع ہو گیا ہے، موسلا دھار بارش ہو رہی ہے اور اب صرف محاصرہ ترک کرنا اور محاصرین کی پسپائی ہی وقت کا سوال معلوم ہوتا ہے۔برطانوی پریس طوہاً و کرہاً ہمیں یہ یقین دلانے کی جتن کر رہا ہے کہ وبا نے جنرل سر برنارڈ کی جان لے لی لیکن وہ اُس سے بدتر غذا کھانے والے اور زیادہ محنت کرنے والے جوانوں کو درگزر کر گئی لہٰذا اُن سرکاری بیانات سے نہیں جو پبلک کو پہنچائے گئے ہیں، بلکہ مسلمہ حقائق کا استخراج کر کے ہمیں محاصرہ فوج کی صفوں میں اس مہلک مرض (ہیضہ) کی تباہ کاریوں کا کچھ یوں اندازہ ہو سکتا ہے۔دہلی کے سامنے والے کیمپ سے ایک افسر 14 جولائی کو لکھتا ہے :

''ہم دہلی پر قبضہ کرنے کے لئے کچھ نہیں کر رہے اور دشمن کے دھاووں سے اپنی مدافعت کر رہے ہیں۔ہمارے پاس پانچ یورپی رجمنٹوں کے حصے ہیں لیکن موثر حملہ کرنے کے لئے ہم صرف 2000 یورپی جمع کر سکتے ہیں۔ہر رجمنٹ کے بڑے دستے جالندھر، لدھیانہ، سباٹو، دگشالہ، کسولی، انبالہ، میرٹھ اور پھلور کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیئے گئے ہیں۔درحقیقت ہر رجمنٹ کے چھوٹے دستے ہمارے ساتھ شامل ہوئے ہیں۔توپ خانے کے لحاظ سے دشمن ہم سے کہیں برتر ہے۔''

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پنجاب سے جو فوجیں آئیں، انہوں نے جالندھر سے میرٹھ تک نقل و حمل کی بڑی شمالی لائن کو بغاوت کی حالت میں پایا اور چنانچہ خاص چوکیوں میں دستے چھوڑ کر اپنی تعداد گھٹانے پر مجبور ہو گئیں۔ یہی وجہ ہے، پنجاب سے جو فوج آئی، وہ متوقع قوت کے مطابق نہیں تھی لیکن اس سے یورپی فوج کی تعداد 2000 جوانوں تک کم ہونے کی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ لندن ''ٹائمز'' کے نامہ نگار مقیم بمبئی نے اپنی 30 جولائی کی خبر میں محاصرہ کرنے والوں کے مجہول رویے کی وضاحت دوسری طرح سے کی ہے وہ لکھتا ہے:

''کمک واقعی ہمارے کیمپ میں پہنچ گئی ہے۔ 8 ویں (شاہی) رجمنٹ کا ایک بازو، 21 ویں رجمنٹ کا حصہ، پیادہ توپخانے کی ایک کمپنی اور مقامی فوج کی دو توپیں، 14 ویں باقاعدہ سوار رجمنٹ (جس کے ہم رکاب گولہ بارود کی گاڑیوں کا بڑا قافلہ ہے) دوسری پنجاب سوار رجمنٹ، پنجاب پیدل رجمنٹ اور چوتھی سکھ پیدل رجمنٹ۔ لیکن فوجوں کا مقامی حصہ جس سے محاصرہ کرنے والی قوت میں اضافہ ہوا ہے، بالکل اور یکساں طور پر قابل اعتماد نہیں ہیں، اگر چہ وہ یورپیوں کے درمیان تقسیم کئے گئے ہیں۔ پنجاب کی سوار رجمنٹوں میں خاص ہندوستان اور روہیل کھنڈ کے بہت سے مسلمان اور اونچی ذات کے ہندو ہیں اور بنگال بے قاعدہ سوار فوج بنیادی طور پر ایسے عناصر پر مشتمل ہے۔ یہ لوگ عام طور سے بالکل غیر وفادار ہیں۔ اور اتنی بڑی تعداد میں ان کی موجودگی پریشان کن ہونی چاہیے اور یہ ثابت ہو چکا ہے۔ دوسری پنجاب سوار رجمنٹ میں یہ ضروری محسوس کیا گیا کہ 70 ہندوستانی لوگوں کو نہتا کر دیا جائے اور تین کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے جن میں ایک اعلیٰ مقامی افسر بھی تھا۔ 9 ویں بے قاعدہ سوار رجمنٹ کے، جو ایک زمانے میں ہماری کمک

کے ساتھ تھی، کئی فوجی فرار ہو گئے اور چوتھی بے قاعدہ رجمنٹ کے سپاہیوں نے گشت کرتے وقت، میں سمجھتا ہوں کہ، اپنے ایڈی کانگ کو قتل کر دیا۔"

یہاں ایک اور راز کھلا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دہلی کے سامنے والا کیمپ اگر امانت کے کیمپ (51) سے کچھ ملتا جلتا ہے اور انگریزوں کو نہ صرف اپنے مقابل دشمن سے بلکہ اپنی صفوں میں اتحادیوں سے بھی لڑنا پڑتا ہے۔ بہر حال یہ حقیقت اس کا کافی سبب نہیں ہے کہ حملے کی کارروائیوں کے لئے صرف 2000 یورپی موجود ہیں۔ ایک تیسرا منصف بمبئی میں "ڈیلی نیوز" (52) کا نامہ نگار مقیم بمبئی، برنارڈ کے جانشین جنرل ریڈ کے ماتحت جو فوجیں جمع ہیں، ان کو مطلق شمار کرتا ہے۔ جو قابل اعتبار لگتا ہے کیونکہ وہ ان مختلف عناصر کو فرداً فرداً شمار کرتا ہے جن پر یہ فوجیں مشتمل ہیں۔ اس کے بیان کے مطابق تقریباً 1200 یورپی اور 1600 سکھ، بے قاعدہ سوار فوج وغیرہ کہنا چاہیے کہ کل ملا کر تقریباً 3000 لوگ پنجاب سے بریگیڈیئر جنرل چیمبرلین کی سربراہی میں 23 جون اور 3 جولائی کے درمیان دہلی کے سامنے والے کیمپ میں پہنچے۔ دوسری طرف وہ تخمینہ لگاتا ہے کہ جنرل ریڈ کے تحت اب ساری جمع فوجیں 7000 پر مشتمل ہیں جن میں توپ خانہ اور محاصرے کا بھیر بھنگا بھی شامل ہیں لہٰذا پنجاب سے کمک آنے سے پہلے دہلی کی فوج 4000 لوگوں سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ لندن "ٹائمز" نے 12 اگست کو لکھا کہ سر برنارڈ نے 7000 انگریزوں اور 5000 مقامی باشندوں کی فوج جمع کر لی ہے۔ اگر چہ یہ سراسر مبالغہ ہے لیکن اس پر یقین کرنے کی وجہ ہے کہ تب یورپی فوجیں لگ بھگ 4000 پر مشتمل ہوں گی جن کی پشت پناہی مقامی لوگوں کی کچھ کم تعداد کر رہی ہو گی تو جنرل برنارڈ کے تحت ابتدائی قوت اتنی ہی تھی جتنی اب جنرل ریڈ کے تحت جمع

ہے۔ لہٰذا پنجاب کی کمک نے صرف گھس پس کا خلا بھرا جس نے محاصرہ کرنے والوں کی طاقت کو تقریباً نصف کر دیا ہوگا۔ یہ زبردست نقصان ہے جس کی وجہ جزوی طور پر باغیوں کے مسلسل دھاوے ہیں اور جزوی طور پر ہیضے کی تباہ کاریاں۔ چنانچہ اب ہم سمجھتے ہیں کہ "موثر حملہ" کرنے کیلئے انگریز کیوں صرف 2000 یورپی جمع کر سکتے ہیں۔

تو دہلی کے سامنے برطانوی فوج کی طاقت کے متعلق بس اتنا ہی۔ اب اس کی کارروائیوں کے بارے میں یہ نتیجہ کہ اِن کا بڑا تاباں کردار نہیں ہے، اس سادہ حقیقت سے قطعی طور پر نکالا جا سکتا ہے کہ 8 جون سے جب دہلی کے سامنے بلندی پر قبضے کے متعلق جنرل برنارڈ نے اپنی رپورٹ پیش کی تو ہیڈکوارٹر نے کوئی خبرنامہ جاری نہیں کیا۔ سوائے ایک استثنا کےتمام کارروائی محصورین کے دھاوے کرنے اور محاصرین کی طرف سے انہیں پسپا کرنے پر مشتمل ہے۔ محاصرین پر کبھی سامنے سے، کبھی پہلوؤں سے لیکن زیادہ تر دائیں عقب سے حملے کئے جاتے تھے۔ دھاوے 27 اور 30 جون کو 3,4,9، اور 14 جولائی کو ہوئے۔ 27 جون کو لڑائی بیرونی چوکی میں جھڑپوں تک محدود تھی جو چند گھنٹے جاری رہی لیکن سہ پہر ہونے تک موسلا دھار بارش سے اس کا سلسلہ منقطع ہو گیا جو موسم میں پہلی بارش تھی۔ 30 جون کو باغیوں کی بڑی تعداد محاصرین کے دائیں جانب احاطوں میں نظر آئی اور اس نے ان کے طلایہ اور پشتوں پر بار بار حملے کر کے پریشان کیا۔ 3 جولائی کو محصورین نے انگریزوں کی پوزیشن کے عقب میں دائیں جانب علی الصبح دھوکے داؤ کا حملہ کر دیا، پھر کرنال روڈ سے علی پور تک کنارے کنارے اس عقب پر کئی میل تک پیش قدمی کی تاکہ کیمپ آنے والی رسد اور خزانے کی گاڑیوں کے قافلے کو راہ میں روکا جا سکے۔

راستے میں وہ دوسری پنجاب بے قاعدہ سوار رجمنٹ کی چوکی سے دوچار ہوئے جو فوراً پسپا ہوگئی۔4 تاریخ کو شہر کو واپسی پر انہیں روکنے کے لئے 1000 پیادہ فوج کی جماعت اور سوار فوج کے دستوں نے جو انگریزکیمپ سے روانہ کئے گئے تھے، باغیوں پر حملہ کیا لیکن انہوں نے بہت کم یا بنا نقصان کے اپنی تمام توپوں کو بچا کر پسپائی کرنے کی تدبیر نکالی۔8 جولائی کو برطانوی کیمپ سے ایک دستہ گاؤں لبی میں جو دہلی سے تقریباً چھ میل دور ہے، نہری پل تباہ کرنے کے لئے بھیجا گیا جس نے پچھلے دھاوؤں میں برطانیہ کے انتہائی عقب پر حملہ کرنے میں اور کرنال اور میرٹھ کے ساتھ برطانوی رسل و رسائل میں مداخلت کرنے میں باغیوں کو آسانیاں بہم پہنچائیں تھیں۔ پل تباہ کر دیا گیا۔ 9 جولائی کو باغی پھر بڑی تعداد میں آئے اور برطانوی پوزیشن کے عقب کے دائیں حصے پر حملہ کیا۔سرکاری بیانات میں جو اُسی روز تاربرقی سے لاہور بھیجے گئے۔حملہ آوروں کے نقصان کا تخمینہ ایک ہزار مرنے والے کیا گیا ہے لیکن یہ حساب بہت مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے کیونکہ ہم کیمپ کے ایک خط مورخہ 13 جولائی میں یہ پڑھتے ہیں:

’’ہمارے آدمیوں نے دشمن کے ڈھائی سو مُردے دفن کئے اور جلائے اور بڑی تعداد کو خود انہوں نے شہر کے اندر منتقل کر دیا‘‘

یہی خط، جو’’ڈیلی نیوز‘‘میں شائع ہوا یہ جھوٹا جھوٹا دعویٰ نہیں کرتا کہ انگریزوں نے مقامی سپاہیوں کو پسپا کر دیا بلکہ اس کے برعکس یہ کہ ’’مقامی سپاہیوں نے ہماری برسرکار جماعتوں کو دھکیل دیا اور پھر پیچھے ہٹ گئے۔‘‘ محاصرین کو کافی نقصان ہوا جو دوسو بارہ مرنے والوں اور زخمیوں کے برابر تھا۔14 جولائی کو مزید ایک دھاوے کے نتیجے میں ایک اور شدید لڑائی ہوئی جس کی تفصیلات ابھی تک نہیں پہنچی ہیں۔

اسی دوران میں محصورین کو اچھی کمک مل گئی ۔ یکم جولائی کو بریلی، مراد آباد اور شاہجہاں پور کے روہیلے باغیوں نے جو پیدل فوج کی چار رجمنٹوں، ایک بے قاعدہ سوار رجمنٹ اور توپ خانے پر مشتمل تھے، دہلی اپنے رفیقوں کے ساتھ شامل ہونے میں کامیابی حاصل کر لی۔

''یہ امید کی جاتی تھی۔''لندن''ٹائمز'' کا نامہ نگار مقیم بمبئی لکھتا ہے'' کہ وہ گنگا کو نا قابل عبور پائیں گے لیکن دریا میں چڑھاؤ نہیں آیا، وہ اسے گڑھ مکتیشر کے نزدیک پار کر گئے، دو آبے کو پار کیا اور دہلی پہنچ گئے۔ دو دن تک ہماری فوج جوانوں، توپوں، گھوڑوں اور ہر قسم کے بار برداری کے جانوروں (کیونکہ باغیوں کے پاس خزانہ تھا 50,000 پونڈ کا) کی قطار کو شرم و ذلت سے دیکھتی رہی جو کہ کشتیوں کے پل کو آہستہ آہستہ پار کر رہے تھے۔انہیں روکنے یا کسی طرح پریشان کرنے کا امکان نہیں تھا۔''

باغیوں کا روہیل کھنڈ کے سارے علاقے سے یہ کامیاب کوچ ثابت کرتا ہے کہ سارا ملک جمنا کے مشرق میں روہیل کھنڈ کی پہاڑیوں تک انگریز فوجوں کے لیے بند ہے۔اور نیچ سے آگرے تک باغیوں کے پُرسکون کوچ کو اگر اندور اور مئو میں بغاوتوں سے جوڑ دیا جائے تو یہ بھی جمنا کے جنوب مغرب میں اور بندھیا چل پہاڑوں تک سارے ملک کے لیے اسی حقیقت کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ دہلی کے سلسلے میں انگریزوں کی واحد کامیابی - درحقیقت واحد فوجی کارروائی -جنرل وان کورٹلانڈٹ کی پنجاب سکھ فوج کے ہاتھوں دہلی کے شمال اور شمال مغرب میں ملک میں امن و امان کا قیام ہے۔لُدھیانہ اور سَرسہ کے درمیان سارے ضلع میں اُسے خاص کر لٹیرے قبیلوں سے دوچار ہونا پڑا جو ویران ریگستان پر چھدرے اور بکھرے

ہوئے گاؤں میں آباد ہیں۔ 11 جولائی کو وہ سرسہ سے فتح آباد روانہ ہوا پھر حصار کی طرف کوچ کر گیا اور اس طرح محاصر فوج کے لیے عقب میں ملک کھول دیا۔

دہلی کے علاوہ شمال مغربی صوبوں میں تین اور نقطے۔ آگرہ، کانپور اور لکھنؤ ۔مقامی باشندوں اور انگریزوں کے درمیان جدوجہد کے مرکز بن گئے۔ آگرے کے معاملے کا مخصوص پہلو یہ ہے کہ وہ پہلی بار دکھاتا ہے کہ باغیوں نے عمداً تقریباً 300 میل لمبی مہم شروع کی تاکہ ایک دوردراز انگریز فوجی چوکی پر حملہ کیا جائے۔ ایک اخبار ''مفصلات'' (53) کے مطابق جو آگرے میں شائع ہوتا ہے نصیر آباد اور نیمچ کی مقامی رجمنٹیں، جو 10000 لوگوں پر مشتمل تھیں، (7000 پیدل فوج، 1500 سوار اور 8 توپیں) جون کی آخر میں آگرے کی طرف بڑھیں، آگرے سے تقریباً 20 میل دور گاؤں سیسا کے عقب میں ایک میدان میں جولائی کے آغاز میں پڑاؤ ڈالا۔ 4 جولائی کو شہر پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگیں۔ یہ خبر سن کر آگرے کے قریب چھاؤنی کے یورپی باشندوں نے قلعہ میں پناہ لی۔ آگرے میں کمانڈر (جان کالن) نے پہلے کوٹاہ سوار دستہ، پیدل اور چوکی توپ خانہ کی امدادی فوج روانہ کی تاکہ وہ دشمن کے خلاف اگواچوکی کا کام دے لیکن منزل مقصود پہنچنے کے بعد وہ سب بھاگ کر باغیوں کی صفوں میں شامل ہو گئے۔ 5 جولائی کو آگرے کی محافظ فوج نے جو تیسری بنگال یورپی رجمنٹ، توپ خانے اور یورپی رضاکاروں کے دستے پر مشتمل تھی غدر کرنے والوں پر حملہ کرنے کے لئے کوچ کیا اور کہا جاتا ہے کہ انہیں گاؤں سے باہر میدان میں دھکیل دیا لیکن اس کے بعد خود پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔

اور 500 لوگوں کی فوج میں سے 49 کے مرنے اور 92 کے زخمی ہونے کے

بعد انہیں پیچھے ہٹنا پڑا اور انہیں دشمن کی سوار فوج نے اتنی سرگرمی سے پریشان کیا اور خطرے میں ڈالا کہ " ان پر گولی کا نشانہ لگانے" کے لئے وقت نہیں ملا۔ یہ " مفصلات" نے لکھا ہے۔ بہ الفاظ دیگر انگریز سرپٹ بھاگ لئے اور اپنے آپ کو قلعہ میں بند کرلیا اور مقامی سپاہیوں نے آگرے کی جانب پیش قدمی کرتے ہوئے چھاؤنی کے تقریباً تمام مکانات کو تباہ کر دیا۔ وہ اگلے دن 6 جولائی کو دہلی پہنچنے کے لئے بھرت پور روانہ ہوئے۔ اس معاملے کا اہم نتیجہ آگرے اور دہلی کے درمیان انگریزوں کی نقل و حمل کی لائن کا باغیوں کے ہاتھوں منقطع ہونا اور مغلوں کے پرانے شہر کے سامنے غالباً ان کا نمودار ہونا تھا۔

کانپور میں، جیسا کہ گزشتہ ڈاک سے معلوم ہوا، جنرل وہیلر کی کمان میں تقریباً 200 یورپیوں کی جمعیت، جس کے ساتھ 32 ویں پیدل رجمنٹ کی بیویاں اور بچے تھے، ایک قلعہ میں بند تھی اور بٹھور کے نانا صاحب کی قیادت میں باغیوں کی زبردست تعداد نے اسے گھیرے رکھا تھا۔ 17 تاریخ کو اور 24 اور 28 جون کے درمیان مختلف حملے کئے گئے جن میں سے آخری میں جنرل وہیلر کی ٹانگ میں گولی لگی اور زخموں سے وہ جانبر نہ ہو سکے۔ 28 جون کو نانا صاحب نے انگریزوں کو ہتھیار ڈالنے کی دعوت دی۔ اس شرط پر کہ انہیں کشتیوں میں گنگا پر سے الہ آباد چلے جانے کی اجازت دی جائے گی۔ یہ شرط قبول کر لی گئی۔ لیکن انگریز مشکل ہی سے دریا کے وسط میں پہنچے تھے کہ گنگا کے داہنے گھاٹ سے توپوں سے گولہ باری ہونے لگی جن لوگوں نے کشتیوں میں مخالف گھاٹ کی طرف بھاگنے کی کوشش کی انہیں رسالے کے ایک گروہ نے پکڑ لیا۔ اور کاٹ ڈالا۔ عورتیں اور بچے قیدی بنائے گئے۔ کانپور سے الہ آباد کئی بار قاصد روانہ کئے گئے اور کمک کا فوری مطالبہ کیا گیا۔ کیم

جولائی کو میجر ریناڈ کی رہبری میں مدراس بندوقچیوں اور سکھوں کا ایک کالم کانپور کے لئے روانہ ہوا۔ فتح پور سے چار میل پہلے 13 جولائی کی صبح کو بریگیڈیئر جنرل ہیولاک اس میں شامل ہو گئے جو 84ویں، 64ویں، 13ویں بے قاعدہ سوار رجمنٹوں اور اودھ بے قاعدہ رجمنٹ کی باقیات کے لگ بھگ 1300 یورپیوں کی رہنمائی کررہے تھے۔

وہ 3 جولائی کو بنارس سے الہ آباد پہنچ گئے تھے اور پھر تیز رفتار کوچوں سے میجر ریناڈ کے پیچھے پیچھے آرہے تھے۔ ریناڈ سے ملنےکے دن ہی وہ فتح پور کے سامنے لڑنے پر مجبور ہوگئے جہاں نانا صاحب اپنی مقامی فوج لے گئے تھے۔ سخت جھڑپ کے بعد جنرل ہیولاک دشمن کے پہلو پر حملہ کرکے اسے فتح پور سے کانپور کی جانب دھکیلنے میں کامیاب ہوگئے جہاں انہیں 10 اور 16 جولائی کو دوبارہ اس سے ٹکر لینی پڑی۔ 16 جولائی کو کانپور پر انگریزوں کا دوبارہ قبضہ ہوگیا اور نانا صاحب بٹھور میں پسپا ہو گئے جو گنگا پر کانپور سے بارہ میل دور ہے اور کہا جاتا ہے کہ اچھی طرح قلعہ بند ہے۔ فتح پور کی مہم شروع کرنے سے پہلے نانا صاحب نے تمام قیدی انگریز عورتوں اور بچوں کو قتل کردیا۔ کانپور پر دوبارہ قبضہ انگریزوں کے لئے انتہائی اہم تھا کیونکہ وہ نقل وحمل کی ان کی گنگا لائن کو محفوظ رکھتا تھا۔

اودھ کے دارالحکومت لکھنؤ میں برطانوی محافظ فوج بھی تقریباً اسی حالت میں تھی جو کانپور میں ان کے ساتھیوں کے لئے مہلک ثابت ہوئی تھی۔ کھانے پینے کی اشیاء کی قلت اور اپنے رہنما سے محروم آخرالذکر سر لارنس 2 جولائی کو ایک ہلے کے دوران ٹانگ میں زخم لگنے سے 4 تاریخ کو ٹیٹنس کی بدولت مر گئے تھے۔ 18 اور 19 جولائی کو لکھنؤ ڈٹا رہا۔ نجات کی واحد اُمید اس میں تھی کہ جنرل ہیولاک اپنی فوج

کو کانپور سے آگے لے جائیں۔سوال یہ ہے کہ اپنے عقب میں نانا صاحب کے ہوتے ہوئے کیا وہ ایسا کرنے کی جرات کریں گے لیکن ذرا بھی تاخیر لکھنؤ کے لئے مہلک ثابت ہو گی کیونکہ جلد ہی موسمی بارش میدان میں فوجی نقل وحمل کو ناممکن بنا دے گی۔

ان واقعات کے جائزے سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ بنگال کے شمال مغربی صوبوں میں برطانوی فوج بتدریج ایسی چھوٹی چوکیوں کی پوزیشن اختیار کر رہی ہے جو انقلاب کے ساگر میں علیحدہ علیحدہ چٹانوں پر جمادی گئی ہوں۔نشیبی بنگال میں مرزاپور، دُنیاپور اور پٹنہ میں نافرمانی کے صرف جزوی عمل ہوئے ہیں، اس ناکام کوشش کے علاوہ جو پڑوس کے گشتی برہمنوں نے مقدس شہر بنارس پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لئے کی تھی، پنجاب میں بغاوت کی روح کو جبر سے روک دِیا گیا۔ سیالکوٹ میں ایک بغاوت کچلی گئی، جہلم میں اور پشاور میں بے چینی کو کامیابی سے روک دیا گیا۔ گجرات میں، ستارا کے پان دھرپور میں، ناگپور اور ناگپور کے علاقے ساگر میں نظام کی مملکت کے حیدر آباد میں اور جنوب تک میسور میں بلوؤں کی کوششیں کی جاچکی تھیں، اس لئے بمبئی اور مدراس پریذیڈنسیوں میں سکون کو کسی طرح بھی مکمل طور پر محفوظ نہیں سمجھنا چاہیے۔

یکم ستمبر 1857 کو تحریر کیا۔ ''نیویارک ڈیلی ٹریبون'' کے شمارے 5118 میں 15 ستمبر 1857 کو اداریے کی حیثیت سے شائع ہوا

ہندوستان میں برطانوی آمدنیاں

ایشیا میں معاملات کی موجودہ صورت حال کا تقاضا ہے کہ تفتیش کی جائے کہ برطانوی ریاست اورعوام کے لئے ہندوستان پر تسلط کی حقیقی اہمیت کیا ہے؟ براہ راست یعنی خراج یا ہندوستانی آمدنیوں میں سے ہندوستانی خرچوں کے بعد زائد کی شکل میں برطانوی خزانے کو کچھ نہیں پہنچتا۔اس کے برعکس سالانہ مصارف بہت زیادہ ہیں۔اس لمحے سے جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے وسیع پیانے پر فتح کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔آج سے تقریباً ایک صدی پہلے اس کے مالیاتی حالات پریشان کن حالت تک پہنچ گئے اور وہ کئی بار مجبور ہوئی کہ نہ صرف مفتوحہ علاقوں پر قبضہ رکھنے میں اپنی مدد کرنے کے لئے فوجی امداد کی بلکہ دیوالیہ پن سے بچنے کیلئے مالی امداد کی بھی پارلیمنٹ سے درخواست کرے۔ چنانچہ معاملات موجودہ لمحے تک ایسے ہی چل رہے ہیں جب برطانوی قوم سےفوج کا زبردستی مطالبہکیا جاتا ہےاوراس کے بعد بلاشبہ اس سے مطابقت رکھنے والی پیسے کی طلبیاں۔ ابھی تک اپنی فتوحات حاصل کرنے اور اپنے اداروں کےتعمیر کرنے کے لئے ایسٹ انڈیا کمپنی 5 کروڑ پونڈ سے زیادہ قرضہ لے چکی ہے اور برطانوی حکومت گزشتہ کئی برسوں سے ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی اپنی فوج اور یورپی فوجوں کے علاوہ تیس ہزار کی مستقل فوج لے جانے اور رکھنے کا خرچہ برداشت کررہی ہے۔اگر صورت حال یہ ہےتو ظاہر ہے کہ برطانیہ عظمٰی کو اپنی ہندوستانی سلطنت سے فائدے لازمی طور پر ان منافعوں و بہبودوں تک محدود ہوں گے ،جنہیں انفرادی برطانوی باشندے حاصل کرتے ہیں اور یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ منافع اور بہبودیاں بہت جزوی ہیں۔

اول ایسٹ انڈیا کمپنی میں وثیقہ حصہ داری کے مالک ہیں جن کی تعداد

تقریباً 3000 ہے جن کے لئے حالیہ چارٹر (54) کے تحت 60 لاکھ پونڈ اسٹرلنگ ادا شدہ سرمائے پر سالانہ ساڑھے دس فیصد منافع کی ضمانت ہے جس کی سالانہ رقم -- 630,000 پونڈ ہوتی ہے۔ چونکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے وثیقے قابل انتقال ہیں اس لئے ہر شخص جس کے پاس وثیقہ خریدنے کے لئے رقم ہو، وثیقے کا مالک بن سکتا ہے جو موجودہ چارٹر کے تحت 125 تا 150 فیصدی پریمئم کا مستحق ہے۔ 500 پونڈ یعنی تقریباً 6000 ڈالر کا وثیقہ مالک کو مالکان کے جلسے میں تقریر کرنے کا حق دیتا ہے لیکن ووٹ دینے کے لیے اس کے پاس 1000 پونڈ کا وثیقہ ہونا چاہئے۔ 3000 پونڈ والے کے دو ووٹ ہیں، 6000 پونڈ والے کے تین ووٹ اور 10,000 پونڈ اور اس سے زیادہ والے کے چار۔ لیکن مالکوں کو زیادہ اختیارات حاصل نہیں ہیں، سوائے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے انتخاب کے جن میں سے وہ 12 منتخب کرتے ہیں اور بادشاہ چھ نامزد کرتا ہے لیکن بادشاہ کے ان نامزدگان کے لیے یہ استعداد ضروری ہے کہ وہ ہندوستان میں دس سال یا اس سے زیادہ رہ چکے ہوں۔ ہر سال ایک تہائی ڈائریکٹر عہدے سے دستبردار ہو جاتے ہیں، لیکن انہیں دوبارہ منتخب یا نامزد کیا جا سکتا ہے۔ ڈائریکٹر ہونے کے لئے آدمی کو 2000 پونڈ کے وثیقوں کا مالک ہونا چاہیے۔ ڈائریکٹروں کی تنخواہ 500 پونڈ ہے اور ان کے چیئرمین اور نائب چیئرمین کی اس سے دگنی، لیکن عہدہ قبول کرنے کی خاص ترغیب ہندوستان کے لئے سارے شہری اور فوجی افسروں کا تقرر کرنے کی بڑی سرپرستی ہے، لیکن اس سرپرستی میں زیادہ تر اہم عہدوں کے سلسلے میں بڑا حصہ نگرانی کے بورڈ آف کنٹرول کے ہاتھ میں ہے۔ یہ بورڈ چھ ممبروں پر مشتمل ہے جو سب خفیہ کونسل کے اراکین ہوتے ہیں اور ان میں عام طور سے دو یا تین کابینہ کے وزیر ہوتے ہیں۔

بورڈ کا صدر ہمیشہ وزیر ہوتا ہے، درحقیقت وزیرِ امورِ ہند۔

اس سرپرستی کے پانے والے دوسرے لوگ پانچ طبقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔شہری، پادریانہ، طبی، فوجی اور بحری۔ ہندوستان میں ملازمت کے لئے، خاصطور سے غیر فوجی شعبوں میں، وہاں بولی جانے والی زبانوں کا تھوڑا بہت علم ضروری ہے اور سِول سروس میں شمولیت کے لئے نوجوانوں کو تیار کرنے کی غرض سے ہیلی بری میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایک کالج ہے۔فوجی خدمت کے لئے متعلقہ کالج جہاں سکھائی جانے والی بنیادی شاخیں فوجی سائنس کی مبادیات ہیں۔لندن کے قریب ایڈیسکوم میں قائم کیا گیا ہے۔ ان کالجوں میں داخلہ پہلے کمپنی کے ڈائریکٹروں کی نظرِ عنائیت کا معاملہ تھا لیکن اب چارٹر میں تازہ ترین تبدیلیوں کے تحت امیدواروں کے امتحان عامہ میں مقابلے کے ذریعے ہوتا ہے۔ ہندوستان پہنچ کر پہلے غیر فوجی افسر کو تقریباً 150 ڈالر ماہانہ ملتے ہیں اور (آمد کے بعد بارہ ماہ کے اندر) ایک یا زیادہ مقامی زبانوں میں ضروری امتحان کے بعد اسے ملازمت دی جاتی ہے۔جس کا سالانہ معاوضہ 2500 ڈالر سے لے کر تقریباً 50,000 ڈالر ہوتا ہے۔آخر الذکر تنخواہ بنگال کونسل کے ممبروں کی ہے۔بمبئی اور مدراس کونسلوں کے ممبر تقریباً 30,000 ڈالر سالانہ پاتے ہیں۔کونسل کے ممبروں کے علاوہ کوئی بھی 25 ہزار ڈالر سے زیادہ حاصل نہیں کرسکتا اور 20,000 ڈالر یا اس سے زیادہ کا تقرر حاصل کرنے کے لئے اسے ہندوستان میں بارہ سال تک سکونت پذیر ہونا چاہیے۔نو سال کی سکونت سے تنخواہیں 15000 ڈالر سے لے کر 20,000 تک اور تین سال کی سکونت سے تنخواہیں 7000 ڈالر سے لے کر 15000 ڈالر تک حاصل کی جاسکتی ہیں۔اور سول سروس میں معاوضہ بہترین ملتا ہے۔اس لئے یہ

عہدے حاصل کرنے کے لئے زبردست مقابلہ ہوتا ہے،فوجی افسر، جب بھی انہیں موقع ملتا ہے، اس مقصد کی خاطر اپنی رجمنٹیں چھوڑ دیتے ہیں۔ سول سروس میں ساری تنخواہوں کا اوسط تقریباً 8000 ڈالر ہے لیکن اس میں بالائی آمدنیاں اور غیر معمولی بھتے شامل نہیں ہیں جو اکثر بہت کافی ہوتے ہیں۔ یہ سول ملازمین گورنروں، کونسلروں، ججوں، سفیروں، سیکریٹریوں، لگان کے کلکٹروں وغیرہ کی حیثیت سے رکھے جاتے ہیں جن کی کل تعداد عام طور پر تقریباً 800 ہے۔ ہندوستان کے گورنر جنرل کی تنخواہ 125000 ڈالر ہے لیکن زائد بھتوں کی رقم اکثر اس سے زیادہ ہوتی ہے۔ گرجے کی خدمات کے تین اسقف اور ایک سو ساٹھ پادری ہیں۔ کلکتہ کا اسقف 25000 ڈالر سالانہ پاتا ہے اور مدراس اور بمبئی کے اس سے نصف۔ پادریوں کو فیسوں کے علاوہ 2500 تا 7000 ڈالر ملتے ہیں۔ طبی خدمات میں 800 فزیشن اور سرجن شامل ہیں جنہیں 1500 سے 10,000 ڈالر تک تنخواہیں ملتی ہیں۔

ہندوستان میں یورپی فوجی افسر جن میں ان امدادی فوجوں کے افسر بھی شامل ہیں جنہیں ماتحت راجے مہیا کرنے کے پابند ہیں، تقریباً 8000 ہیں۔ پیدل فوج میں مقرر تنخواہیں نشان بردار کو 1080 ڈالر لیفٹیننٹ کو 1344 ڈالر، کپتان کو 2226 ڈالر، میجر کو 3810 ڈالر، لیفٹیننٹ کرنل کو 5520 ڈالر کرنل کو 7680 ڈالر ملتے ہیں۔ یہ تنخواہیں چھاؤنی میں ملتی ہیں۔ جنگی خدمت کی حالت میں وہ زیادہ ہو جاتی ہیں۔ سوار فوج توپخانے اور انجینئر نگمیں تنخواہیں زیادہ ہیں۔ ہیڈکوارٹر کے عہدے یا غیر فوجی ملازمت میں نوکری حاصل کر کے کئی افسر دگنی تنخواہ پاتے ہیں۔

ہندوستان میں تقریباً دس ہزار برطانوی باشندے نفع بخش عہدے سنبھالے ہوئے ہیں اور ہندوستان کے خزانے سے اپنی تنخواہ حاصل کرتے ہیں۔ان میں وہ کافی تعداد شامل کر لی جائے جو انگلستان میں رہتے ہیں لیکن ہندوستان میں ملازمت کرنے کے بعد پنشن پاتے ہیں جو تمام خدمات میں معین مدت تک کام کرنے کے بعد واجب الادا ہوتی ہے۔ یہ پنشنیں انگلستان میں معہ منافع اور سُود ڈیڑھ سے دو کروڑ ڈالر تک پر مشتمل ہیں جو سالانہ ہندوستان سے حاصل کی جاتی ہیں اور جنہیں درحقیقت بالواسطہ انگریز باشندوں کے ذریعے انگریز حکومت کو خراج کی ادائیگی سمجھنا چاہیے۔ جو لوگ سالانہ مختلف خدمات سے سبکدوش ہوتے ہیں، اپنی تنخواہوں سے بچت کی ہوئی کافی بڑی رقمیں اپنے ساتھ لے جاتے ہیں جو ہندوستان سے سالانہ نکاس میں بہت زیادہ اضافہ ہے۔

ان یورپیوں کے علاوہ جو حکومت کی ملازمت میں شامل ہیں، ہندوستان میں دوسرے یورپی باشندے بھی ہیں جن کی تعداد 6000 یا زیادہ ہے جو تجارت یا نجی سٹے بازی کا کام کرتے ہیں۔ دیہی اضلاع میں نیل، گنے اور کافی کی کاشت کے بڑے بڑے علاقوں کے چند مالکوں کو چھوڑ کر وہ بنیادی طور پر تاجر دلال اور صنعت کار ہیں جو کلکتہ، بمبئی اور مدراس میں یا ان کے مضافات میں رہتے ہیں۔ ہندوستان کی بیرونی تجارت، جس میں درآمدات اور برآمدات شامل ہیں۔ ہر ایک کی رقم جو تقریباً 5 کروڑ ڈالر ہے تقریباً پوری ان کے ہاتھ میں ہے اور بلاشبہ ان کے منافع بہت زیادہ ہیں۔

چنانچہ یہ عیاں ہے کہ ہندوستان کے ساتھ برطانیہ کے تعلقات سے مخصوص افراد زیادہ تر فائدہ حاصل کرتے ہیں اور بلاشبہ ان کی حاصلات سے برطانیہ کی قومی

آمدنی کی رقم میں اضافہ ہوتا ہے لیکن ان سب کے مقابلے میں ایک اور بڑی رقم ہے۔ ہندوستان میں بڑھتے ہوئے مقبوضات پر تسلط کے ساتھ ساتھ فوجی اور بحری اخراجات جو انگلستان کے عوام کی جیب سے ادا کیے جاتے ہیں مسلسل بڑھتے جارہے ہیں۔ اس میں برمی، افغان، چینی اور ایرانی جنگوں کا خرچ بھی شامل کرنا چاہیے۔ درحقیقت سابق روسی جنگ کے سارے خرچ کو ہندوستانی کھاتے میں قطعی طور پر رکھا جاسکتا ہے کیونکہ روس کے خوف اور خطرے سے جو جنگ شروع ہوئی، اس میں اس مسلسل تسخیر اور مستقل جارحیت کی دوڑ دھوپ کا اضافہ کیجئے جس میں انگریز عوام ہندوستان پر قبضے کی وجہ سے شامل کیے جاتے ہیں اور یقیناً تردد ہوسکتا ہے کہ کیا مجموعی طور پر اس تسلط کی قیمت اتنی نہیں ادا کرنی پڑ رہی ہے جتنی اس سے کبھی بھی حاصل ہونے کی توقع کی جاسکتی ہے۔

1857 کے شروع میں تحریر کیا۔ ''نیویارک ڈیلی ٹریبون'' کے شمارے 5132 میں 21 ستمبر 1857 کو اداریے کی حیثیت سے شائع ہوا

ہندوستانی بغاوت

لندن: 4 ستمبر 1857

ہندوستان میں باغی سپاہیوں نے جو تشدد کیا ہے وہ واقعی بھیانک، مکروہ اور ناقابل بیان ہے۔ ایسا تشدد عام طور پر باغیانہ ہنگاموں اور قومی نسلی اور خاص طور سے مذہبی لڑائیوں میں دیکھا جاتا ہے۔ مختصر طور پر یہ ایسا تشدد ہے جس کی محترم برطانیہ نے ہمیشہ ہمت افزائی کی۔ ایسا تشدد جو واندی والوں نے "نیلوں" پر، ہسپانوی چھاپہ ماروں نے فرانسیسی بے دینوں پر، سربیائی لوگوں نے اپنے جرمن اور ہنگریائی پڑوسیوں پر، ہرواتیوں نے ویانا کے باغیوں پر، کاوینیاک کے موبائل گارڈ یا بوناپارٹ کے 10 دسمبر والوں نے (55) فرانسیسی پرولتاریہ کے بیٹے بیٹیوں پر کیا۔ ہندوستانی سپاہیوں کا رویہ چاہے کتنا ہی مکروہ رہا ہو وہ صرف ایک مرکوز صورت میں ہندوستان میں خود برطانیہ کے رویے کی عکاسی کرتا ہے۔ نہ صرف اپنی مشرقی سلطنت کی بنیاد رکھنے کے دور میں بلکہ اپنی طویل حکمرانی کے پچھلے دس سال کے دوران بھی۔ اس حکومت کی نوعیت واضح کرنے کے لئے یہ کہنا کافی ہے کہ اذیت رسانی اس کی مالیتی پالیسی کا ایک اٹوٹ جزو رہا ہے۔ تاریخ انسانی میں انتقام جیسی چیز ضرور ہے اور تاریخی انتقام کا یہ قانون ہے کہ اس کے آلات مظلوم نہیں بلکہ خود ظالم ڈھالتا ہے۔

فرانچ شاہی پر پہلی ضرب کسانوں نے نہیں، امراء نے لگائی۔ ہندوستانی بغاوت، جبر و تشدد اور ذلت کی شکار، برطانیہ والوں کے ہاتھوں آخری تار تک ننگی کی ہوئی رعیت نے نہیں بلکہ ان سپاہیوں نے شروع کی جن کو انہوں نے پہنا کر، کھلا پلا کر تھپ تھپا کر موٹا کیا تھا اور لاڈ پیار سے بگاڑا تھا۔ سپاہیوں کے مظالم کی مثالیں

تلاش کرنے کے لئے ہمیں قرون وسطیٰ کی گہرائیوں میں جانے کی، جیسا کہ لندن کے بعض اخبار کر رہے ہیں، یا موجودہ برطانیہ کی معاصرانہ تاریخ کی حدود سے باہر بھی جانے کی ضرورت نہیں ہے ہمارے لئے صرف پہلی چینی جنگ سے واقفیت حاصل کرنا کافی ہوگا۔ جو یوں کہنا چاہیے، ابھی کل کی بات ہے (56) اس جنگ میں انگریز سپاہیوں نے محض تفریح کے لئے گندی حرکتیں کیں۔ ان کے غیظ وغضب میں نہ تو مذہبی عصبیت کا تقدس تھا، نہ مغرور فاتح کے خلاف شدید نفرت تھی اور نہ بہادر دشمن کی سخت مزاحمت کے خلاف اشتعال تھا۔ عورتوں کی عصمت دری، بچوں کو سنگینیوں سے چھیدنا، پورے پورے گاؤں جلا دینا، ایسے واقعات ہیں جن کو چینی عہدیداروں نے نہیں خود برطانوی افسروں نے لکھا ہے۔ یہ سب اس وقت محض بے لگام شرارت تھی۔

موجودہ ہنگامے میں بھی یہ فرض کر لینا نا قابل معافی غلطی ہوگا کہ سارا ظلم سپاہیوں کی طرف سے ہو رہا ہے اور انگریزوں کی طرف انتہائی مہربانی اور انسانی محبت کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ برطانوی افسروں کے خطوط سے غصے کی بو آتی ہے۔ ایک افسر نے پشاور سے اپنے خط میں دسویں بے قاعدہ رجمنٹ کو نہتا کرنے کے بارے میں لکھا کیونکہ اس نے 55ویں دیسی پیدل رجمنٹ پر حملہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ اس پر فخر کرتا ہے کہ وہ نہ صرف نہتے کئے گئے بلکہ ان سے کوٹ اور بوٹ بھی چھین لئے گئے اور فی کس 12 پنس دینے کے بعد، ان کو دریا کے کنارے لے جا کر کشتیوں میں بٹھا دیا گیا اور دریائے سندھ کے بہاؤ پر روانہ کر دیا گیا جہاں خط لکھنے والے کی پرمسرت پیش گوئی کے مطابق دریا کے تیز دھارے میں موت ہر فرد کی منتظر تھی۔ ایک اور شخص نے لکھا ہے کہ پشاور کے کچھ باشندوں نے رواج کے

مطابق شادی کے سلسلے میں گولے چھوڑ کر رات کو تشویش پھیلا دی۔ ان لوگوں کو دوسری صبح باندھ کر ''ایسا پیٹا گیا'' کہ وہ اس کو مدتوں تک یاد رکھیں گے۔ سر جان لارنس نے اپنے جوابی پیغام کے ذریعے حکم دیا کہ ایک جاسوس ان کے جلسے میں شریک ہو۔ جاسوس کی رپورٹ پر سر جان نے دوسرا پیغام بھیجا ''ان کو پھانسی پر لٹکا دو۔'' اور سرداروں کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ الہ آباد سے ایک سول افسر نے لکھا ہے'' ہمارے ہاتھ میں زندگی اور موت کا اختیار ہے۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم اس میں کوئی دریغ نہیں کرتے۔'' اسی جگہ سے ایک اور افسر نے لکھا ہے ''کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جب ہم ان (پُر امن باشندوں) میں سے دس پندرہ کو پھانسی پر نہ لٹکاتے ہوں۔'' ایک افسر نے فخر کے ساتھ لکھا ہے ''بہادر ہومز ان کو بیسیوں کی تعداد میں لٹکا رہا ہے''۔ ایک اور دیسی لوگوں کے بڑے بڑے جتھوں کو مقدمہ چلائے اور تحقیقات کیے بغیر پھانسی دینے کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے ''تب ہماری تفریح شروع ہوئی۔'' تیسرے نے لکھا ہے ''ہماری فوجی عدالت گھوڑے کی پیٹھ پر ہوتی ہے اور جو کالا آدمی ہمارے سامنے آجاتا ہے ہم یا تو اس کو پھانسی پر لٹکا دیتے ہیں یا گولی مار دیتے ہیں'' بنارس سے ہمیں اطلاع ملی ہے کہ بیس زمینداروں کو اپنے ہم وطنوں سے ہمدردی کرنے کے شبہ میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا اور پورے پورے گاؤں بھی اسی وجہ سے جلا دیئے گئے۔ بنارس سے ایک افسر نے، جس کا خط لندن کے ''ٹائمز'' میں چھپا ہے، لکھا ہے ''دیسی لوگوں سے ٹکر لیتے وقت یورپی سپاہی شیطان بن جاتے ہیں۔''

اور یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ انگریزوں کے مظالم فوجی بہادری کے اقدامات کی حیثیت سے پیش کیے جاتے ہیں۔ بڑی سادگی اور اختصار سے مکروہ تفصیلات

دیئے بغیر بیان کیے جاتے ہیں۔ دیسی لوگوں کے مظالم کو، جو اپنی جگہ پر بھیانک ہیں، جان بوجھ کر مبالغہ سے پیش کیا جاتا ہے۔ مثلاً دہلی اور میرٹھ میں کیے جانے والے مظالم کے وہ تفصیلی حالات جو پہلے ''ٹائمز'' میں اور پھر لندن کے پورے پریس میں گردش میں آئے، اس کا ماخذ کون ہے؟ ایک بُزدل پادری جو بنگلور (میسور) میں، جائے وقوعہ سے ہزار میل سے زیادہ فاصلے پر، رہتا ہے۔ دہلی کے اصلی واقعات کا کسی ہندوستانی باغی کی نسبت کوئی انگریز ہی اتنا زیادہ وحشیانہ تصور کرسکتا ہے۔ کینٹین کے مکانوں پر جلتے ہوئے گولوں کی بارش کے مقابلہ میں ناک اور چھاتیوں کو کاٹنا وغیرہ، مختصر یہ کہ لوگوں کو اپاہج بنانے والی سپاہیوں کی حرکتیں یورپی جذبات کے لیے کہیں زیادہ تکلیف دہ ہیں جن کا حکم مانچسٹر امن سوسائٹی کے سیکرٹری (بورنگ) نے دیا، یا ایک فرانسیسی مارشل کے ہاتھوں عربوں کا جلایا جانا (57) جو ایک غار میں بند تھے یا کورٹ مارشل کے حکم کے مطابق 9 لٹوں والے چابک سے زندہ برطانوی سپاہیوں کی کھال کھینچنا یا برطانیہ کے اصلاحی قید خانوں میں کوئی اور ''انسان دوست'' طریقہ۔ ظلم کا بھی ہر چیز کی طرح اپنا فیشن ہوتا ہے جو وقت اور جگہ کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے۔ صاحبِ علم سیزر کھلم کھلا بیان کرتا ہے کہ کیسے اس کے حکم سے کئی ہزار گال سپاہیوں کے دائیں ہاتھ قلم کر دیئے گئے۔ (58) نپولین اس طرح کے اقدام کو اپنے لئے قابلِ شرم سمجھتا۔ اس نے اس کو ترجیح دی کہ وہ اُن فرانسیسی رجمنٹوں کو، جن پر ری پبلکن ازم کے رجحان کا شبہ تھا، سانٹو ڈومینگو کو بھیج دے جہاں وہ کالے لوگوں کے ہاتھوں یا وباؤں سے موت کے شکار ہو جائیں۔

سپاہیوں کے ہاتھوں لوگوں کو اپاہج بننے کے واقعات مسیحی بازنطینی سلطنت

کے رواجوں یا قانون فوجداری پر شہنشاہ چارلس پنجم کے ہدایت نامے (59) یا برطانیہ میں ملک سے غداری کے لئے سزا (جیسا کہ جج بیلکسٹن نے لکھا ہے) کی یاد دلاتے ہیں۔(60) ہندوؤں کے لئے جن کو اُن کے مذہب نے خود آزاری میں ماہر بنا دیا ہے، یہ مظالم اپنے نسل اور عقیدے کے دشمنوں پر بالکل قدرتی معلوم ہوتے ہیں اور انگریزوں کو تو یہ زیادہ بہتر معلوم ہونا چاہیے جو چند ہی برس پہلے جگن ناتھ کے تہواروں سے آمدنی حاصل کرتے تھے اور اس ظالم مذہب کے خونی تہواروں کی حفاظت اور معاونت کرتے تھے۔

جیسا کو بیٹ کہا کرتا تھا، ''بوڑھے خونی'' ''ٹائمز'' کی خوفناک گرج، اس کا موتسارت کے ایک اوپیرا کے ایک پُرغیظ کردار کا پارٹ ادا کرنا، جو اس تصور میں بڑے سریلے گیت گاتا ہے کہ وہ پہلے اپنے دشمن کو پھانسی پر لٹکائے گا، پھر اس کو بھونے گا، اس کے ٹکڑے کرے گا، پھر اس کو چھیدے گا، اس کی زندہ جان کھال کھینچے گا۔(61) اور ''ٹائمز'' کی یہ مُستقل کوشش کہ وہ انتقامی جذبات کے شعلے انتہائی حد تک بھڑکا دے، یہ سب باتیں حماقت معلوم ہوتیں اگر المیے کے رنج والم کی تہہ میں کامیڈی کی شرارت آمیز جھلک صاف نہ دکھائی دیتی۔لندن ''ٹائمز'' اپنے پارٹ میں جو ضرورت سے زیادہ اداکاری کرتا ہے وہ محض بدحواسی کی وجہ سے نہیں ہے وہ کامیڈی کو ایک نیا موضوع دیتا ہے جو مولیئر سے بھی نظر انداز ہو گیا تھا یعنی تارتیوف کا انتقام۔ درحقیقت اس کا سارا مقصد سرکاری پروپیگنڈا کرنا اور حکومت کو حملوں سے بچانا ہے۔چونکہ دہلی کی دیواریں جیریکو کی دیواروں (62) کی طرح ہوا کے جھکڑوں سے نہیں گریں اس لئے جان بل کے کانوں کو انتقام کی چیخوں سے بہرا کرنے اور اس کو یہ بھلانے کی ضرورت ہے کہ اس کی حکومت اس مصیبت کی اور

اس بات کی ذمے دار ہے کہ ان مصائب کو زبردست پیمانے تک بڑھا دیا گیا۔

4 ستمبر 1857 کو تحریر کیا۔ ''نیویارک ڈیلی ٹربیون'' کے شمارے 5119 میں 16 ستمبر 1857 کو شائع ہوا

ہندوستان میں بغاوت

ہندوستان سے کل جو خبر ہمیں پہنچی وہ انگریزوں کے لئے تباہ کن اور ڈراؤنا پہلو رکھتی ہے، اگر چہ جیسا کہ دوسرے کالم میں دیکھا جا سکتا ہے، لندن کا ہمارا دانشمند نامہ نگار اسے مختلف طریقے سے دیکھتا ہے۔(63) دہلی سے ہمارے پاس 29 جولائی تک کی تفصیلات ہیں اور بعد کی ایک رپورٹ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہیضے کی تباہ کاریوں کی وجہ سے محاصر فوجیں دہلی کے سامنے سے پسپا ہونے پر مجبور ہو گئیں اور انہوں نے آگرے کو اپنی قیام گاہ بنا لیا۔ یہ سچ ہے کہ اس رپورٹ کو لندن کے کسی بھی اخبار نے تسلیم نہیں کیا ہے لیکن ہم زیادہ سے زیادہ اسے صرف کچھ قبل از وقت خیال کر سکتے ہیں جیسا کہ ہم ہندوستانی مراسلت سے جانتے ہیں۔ محاصر فوج کو 14، 18 اور 23 جولائی کے دھاوؤں سے سخت نقصان پہنچا تھا۔ ان موقعوں پر باغی پہلے کے مقابلے میں زیادہ بے دھڑک اور جوش سے لڑے اور انہوں نے اپنی توپوں کی برتری سے پورا فائدہ اٹھایا۔

''ہم 18 پونڈ اور 8 انچ والی دور انداز توپوں سے گولہ باری کر رہے ہیں اور باغی اس کا جواب 24 اور 32 سے دے رہے ہیں''۔ ایک برطانوی افسر لکھتا ہے۔ دوسرے خط میں تحریر ہے، ''محصورین کے اٹھارہ حملوں میں جو ہم کو برداشت کرنا پڑے۔ ہمارے ایک تہائی مارے گئے اور زخمی ہوئے۔''

جس کمک کی توقع کی جاتی تھی وہ جنرل وان کورٹلانڈٹ کی سربراہی میں سکھوں کی ایک جماعت تھی۔ جنرل ہیولاک کئی کامیاب لڑائیاں لڑنے کے بعد کانپور واپس چلے جانے پر مجبور ہوئے اور وقتی طور پر انہوں نے لکھنؤ کو امداد پہنچانے کا خیال ترک کر دیا۔ ساتھ ہی ''دہلی کے سامنے موسلا دھار بارش ہونے لگی''، اور

نتیجۃً ہیضہ کی شدت میں اضافہ ہوگیا۔ وہ خبر جو آگرے کی طرف پسپائی کا، اور، کم از کم وقتی طور پر، عظیم مغل دارالحکومت کو مغلوب کرنے کی کوشش سے دستبرداری کا اعلان کرتی ہے، اگر اب تک صحیح ثابت نہیں ہو چکی تو ثابت ہو جائے گی۔

گنگا کی لائن پر جنرل ہیولاک کی فوجی کارروائیاں بنیادی دلچسپی کی حامل ہیں جس کے فتح پور، کانپور اور بٹھور میں معرکوں کی ہمارے لندن کے معاصرین نے ضرورت سے زیادہ تعریف کی ہے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کانپور سے پچیس میل آگے بڑھنے کے بعد وہ پھر اس جگہ پسپا ہونے پر مجبور ہوئے تاکہ نہ صرف اپنے بیماروں کو وہاں رکھ سکیں بلکہ کمک کا انتظار بھی کریں۔ یہ سخت افسوس کا مقام ہے کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنؤ کو آزاد کرانے کی کوششیں ترک کر دی گئیں۔ اس شہر کی محافظ برطانوی فوج کے لئے واحد امید 3000 گورکھوں کی قوت ہے جسے جنگ بہادر نے نیپال سے ان کے لئے بطور کمک بھیجا ہے۔ اگر وہ محاصرہ توڑنے میں ناکام رہے تو لکھنؤ میں کانپور کے قتل عام والا کھیل پھر کھیلا جائے گا۔ یہی سب کچھ نہیں ہے۔ لکھنؤ کے قلعے پر باغیوں کا قبضہ اور نتیجے میں اودھ پر ان کے اقتدار کا استحکام دہلی کے خلاف ساری برطانوی فوجی کارروائی کے پہلو کو خطرے میں مبتلا کر دے گا اور بہار کے سارے علاقے میں بھی۔ اگر باغی لکھنؤ کے قلعے پر قابض رہے تو کانپور کی اہمیت گھٹ کر نصف رہ جائے گی اور ایک طرف دہلی کے ساتھ اور دوسری طرف بنارس کے ساتھ اس کی نقل و حمل کو خطرہ درپیش ہوگا۔ یہ امکانی حالت اس تکلیف دہ دلچسپی میں اضافہ کرتی ہے جس سے اس مقام (لکھنؤ) کی خبر کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ 16 جون کو لکھنؤ کی محافظ فوج نے اپنی قوت برداشت کا اندازہ لگایا تھا کہ وہ چھ ہفتے تک قحط برداشت کر سکتی ہے۔ خبروں کی

آخری تاریخ تک ان میں سے پانچ ہفتے گزر چکے ہیں ۔ وہاں ہر چیز کا انحصار نیپال سے کمک پہنچنے پر ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہے لیکن جو ہنوز یقینی نہیں ہے ۔

اگر ہم کانپور سے گنگا کے بہاؤ پر بنارس اور ضلع بہار تک آئیں تو برطانیہ کا مستقبل اور بھی مایوس کن نظر آتا ہے ۔ بنارس سے "بنگال گزٹ" (64) کے نام ایک خط مورخہ 3 اگست میں درج ہے کہ:

"دیناپور کے باغی سون پار کر کے آرہ تک پہنچے یورپی باشندوں نے اپنی حفاظت کے لئے بجا طور پر پریشان ہو کر کمک کے لئے دیناپور لکھا چنانچہ دو دخانی جہاز ارسال کر دئے گئے جن میں ملکہ معظمہ کی 5 ویں، 10 ویں اور 37 ویں رجمنٹیں تھیں ۔ رات کے وسط میں ایک دخانی جہاز خشکی پر چڑھ آیا اور بری طرح پھنس گیا ۔ لوگ فوراً زمین پر اترے اور پیدل چلنے لگے لیکن انہوں نے مناسب احتیاط نہ برتی ۔ اچانک دونوں طرف سے اور قریب ہی سے ان پر گولیاں چلائی گئیں اور ان کے چھوٹے دستے کے 150 لوگ جن مین کئی افسر بھی شامل تھے ناکارہ ہو گئے ۔ یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ آرہ میں تمام یورپی جن کی تعداد تقریباً 37 تھی مار ڈالے گئے ۔"

آرہ بنگال پریذیڈنسی کے برطانوی ضلع شاہ آباد میں ایک قصبہ ہے جو دیناپور سے غازی پور جانے والی سڑک پر اول الذکر سے مغرب میں 25 میل اور آخر الذکر سے مشرق میں 75 میل کے فاصلے پر واقع ہے ۔ خود بنارس کو خطرہ تھا ۔ یہاں یورپی وضع کا ایک قلعہ تعمیر کیا گیا ہے اور اگر یہ باغیوں کے ہاتھ میں آ گیا تو دوسرا دہلی بن جائے گا ۔ مرزاپور جو بنارس کے جنوب میں اور گنگا کے مخالف کنارے واقع ہے، وہاں مسلمانوں کی ایک سازش پکڑی گئی ہے ۔ اور بہرام پور میں، جو کلکتہ سے لگ بھگ 80 میل دور ہے، 63 ویں دیسی رجمنٹ کو نہتا کر لیا گیا ہے ۔ مختصر یہ کہ

ایک طرف ناراضگی اور دوسری طرف دہشت بنگال کی ساری پریذیڈنسی میں پھیل رہی ہے، یہاں کلکتہ کے پھاٹکوں تک جہاں محرم کے ماتم کا تکلیف دہ خدشہ پھیلا ہوا ہے جب اسلام کے ماننے والے شدید جنوں میں مبتلا ہو کر تلواریں لے کر نکلتے ہیں اور ذرا سے اشتعال پر لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں، اس سے امکان ہے کہ انگریزوں پر عام حملہ ہو اور گورنر جنرل (چارلس جان کیننگ) مجبور ہوا کہ اپنے باڈی گارڈ تک کو نہتا کرے تو فوراً سمجھ جائے گا کہ نقل و حمل کی خاص برطانوی لائن، گنگا لائن خطرے میں ہے کہ اس میں خلل پڑ جائے، اسے منقطع کر دیا جائے اور بند کر دیا جائے اور اس کا اثر نومبر میں متوقع کمک کے آنے پر پڑے گا اور جمنا پر برطانوی فوجی نقل و حرکت کٹ جائے گی۔

بمبئی پریذیڈنسی میں بھی معاملات سنجیدہ رخ اختیار کر رہے ہیں۔ کولہا پور میں بمبئی کی 27 ویں دیسی پیدل رجمنٹ کا غدر ایک حقیقت ہے لیکن برطانوی فوج کے ہاتھوں اس کی شکست صرف افواہ ہے۔ بمبئی کی دیسی فوج نے ناگ پور، اورنگ آباد، حیدرآباد اور آخر میں کولہا پور میں یکے بعد دیگرے بغاوتیں کی ہیں۔ بمبئی کی دیسی فوج کی قوت 43048 جوان ہیں جب کہ اس پریذیڈنسی میں درحقیقت صرف دو یورپی رجمنٹیں ہیں۔ دیسی فوج پر نہ صرف بمبئی پریذیڈنسی کی حدود میں امن و امان برقرار رکھنے کے لئے بھروسہ کیا گیا بلکہ پنجاب میں سندھ تک کمک بھیجنے، مئو اور اندور تک کالم روانہ کرنے، آگرے سے نقل و حمل قائم کرنے اور اس جگہ کی محافظ فوج کو آزاد کرانے کا بھی اعتماد کیا گیا۔ بریگیڈیر اسٹیورات کا کالم جس کے ذمے یہ فوجی نقل و حرکت تھی بمبئی کی تیسری یورپی رجمنٹ کے 300 آدمیوں، بمبئی کی 6 ویں دیسی پیدل رجمنٹ کے 250 آدمیوں، بمبئی کی 25 ویں دیسی پیدل رجمنٹ کے

1000، بمبئی کی 19 ویں دیسی پیدل رجمنٹ کے 200، حیدر آباد کی فوج کی تیسری سوار رجمنٹ کے 800 آدمیوں پر مشتمل تھا۔ اس فوج کے ساتھ جو 2250 مقامی سپاہیوں پر مشتمل ہے تقریباً 700 یورپی ہیں جن کا تعلق ملکہ کی 86 ویں پیدل رجمنٹ اور ملکہ کی 14 ویں رسالہ رجمنٹ سے ہے۔ علاوہ ازیں انگریزوں نے دیسی فوج کا ایک کالم اورا ورنگ آباد میں جمع کیا تا کہ خاندیش اور ناگپور کے بے چین علاقوں کو دھمکا سکیں اور ساتھ ہی ساتھ وسطی ہندوستان میں متحرک کالموں کے لئے امداد فراہم کریں۔

ہم سے کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کے اس حصے میں ''سکون بحال کر لیا گیا۔'' لیکن ہم اس اعلان پر اعتبار نہیں کر سکتے، درحقیقت یہ مئو پر قبضہ نہیں جو اس سوال کا فیصلہ کرتا ہے بلکہ دو مرہٹہ راجوں ہولکر اور سندھیا کی اختیار کردہ روش ہے۔ اسی خبر میں جو ہمیں مئو میں اسٹیوراٹ کی آمد سے مطلع کرتی ہے، یہ شامل ہے کہ اگرچہ ہولکر اب بھی قابل اعتبار ہے لیکن اس کی فوج قابو سے باہر ہو گئی ہے۔ جہاں تک سندھیا کی پالیسی کا تعلق ہے ایک لفظ بھی نہیں کہا گیا۔ وہ نوجوان، مقبول عام، جوشیلا اور ساری مرہٹہ قوم کا قدرتی طور پر سربراہ اور اسے متحد کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس کے اپنے اچھے ضبط والے 10,000 فوجی ہیں۔ برطانیہ سے اس کی علیحدگی کے نتیجے میں انگریزوں کو نہ صرف وسطی ہندوستان سے ہاتھ دھونا پڑے گا بلکہ انقلابی اتحاد کو زبردست طاقت اور ثابت قدمی ملے گی۔ دہلی کے سامنے سے فوجوں کی پسپائی، بغاوت پر آمادہ لوگوں کی دھمکیاں اور التجائیں آخر کار اسے اپنے ہم وطنوں کا ساتھ دینے پر آمادہ کر سکتی ہیں، لیکن جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ بغاوت نے آخر کار فیصلہ کن طریقے سے سر اٹھا لیا ہے۔ یہاں بھی مُحرم خاص طور پر خطرناک

ہے۔تو بمبئی فوج کی ایک عام بغاوت کی پیشن گوئی کرنا بالکل بے سبب نہیں ہے۔ مدراس فوج بھی جس کی تعداد 60555 مقامی فوجی ہیں اور جنہیں تین انتہائی کٹر مسلمان اضلاع حیدرآباد، ناگ پور، مالوہ سے بھرتی کیا گیا ہے اس مثال کے نقش قدم پر چلنے میں دیر نہیں کریں گے، لہٰذا اگر یہ پیش نظر رکھا جائے کہ اگست اور ستمبر میں بارش کے موسم میں برطانوی فوجوں کی حرکت مفلوج ہو جائے گی اور ان کی بظاہر طاقت کے باوجود، کمک جو یورپ سے بھیجی جارہی ہے، بہت دیر میں آرہی ہے اور صرف قطروں میں، اس پر عائد شدہ فریضے (کی ادائیگی) کے لئے ناکافی ثابت ہو گی۔ اگلی مہم میں ہم افغانستان میں تباہیوں کے اعادہ کی تقریباً یقینی توقع کر سکتے ہیں۔(65)

18 ستمبر 1857 کو تحریر کیا۔ نیویارک ڈیلی ٹریبیون" کے شمارے 5134 میں 3 اکتوبر 1857 کو اداریے کی حیثیت سے شائع ہوا۔

ہندوستان میں بغاوت

''اٹلانٹک'' جہاز کے ذریعے کل جو ہندوستان سے خبریں موصول ہوئی ہیں ان میں دو نمایاں نکتے ہیں، یعنی لکھنؤ کو مدد دینے کے لئے پیش قدمی کرنے میں جنرل ہیولاک کی ناکامی اور دہلی کے سامنے انگریزوں کی صف بندی۔ آخر الذکر حقیقت کا مماثل صرف برطانوی تاریخی تحریروں خاص کر والخیرین مہم (66) میں ملتا ہے۔ اگرچہ اگست 1809 کے وسط کے قریب اس مہم کی ناکامی یقینی ہو گئی پھر بھی انگریزوں نے نومبر تک لنگر اٹھانا ملتوی کر دیا۔ نپولین کو جب معلوم ہوا کہ انگریز فوج اس مقام پر اتر آئی ہے تو اس نے مشورہ دیا کہ اس پر حملہ نہ کیا جائے اور اس کی تباہی کو بیماری کے لئے چھوڑ دیا جائے جو فرانس کی ایک پائی بھی خرچ کئے بغیر توپوں کے مقابلے میں یقینی زیادہ نقصان پہنچائے گی۔ موجودہ مغل اعظم جس کی حیثیت نپولین سے بہتر ہے اس حالت میں ہے کہ بیماری کی مدد دھاووں سے کرے اور اپنے دھاووں کی بیماری سے۔

برطانوی حکومت کا ایک مراسلہ کالیاری سے مورخہ 27 ستمبر ہمیں مطلع کرتا ہے: ''دہلی سے تازہ ترین اطلاعات 12 اگست کی ہیں جب اس شہر پر باغیوں کا ہنوز قبضہ تھا لیکن حملے کی عنقریب امید کی جاتی ہے لیکن جنرل نکلسن کافی کمک کے ساتھ دہلی سے صرف ایک دن کی مسافت پر ہیں۔''

اگر دہلی پر ان کی موجودہ طاقت سے ولسن اور نکلسن کے حملے تک قبضہ نہیں کیا گیا تو اس کی دیواریں اس وقت تک کھڑی رہیں گی جب تک کہ وہ خود منہدم نہ ہو جائیں۔ نکلسن کی '' کافی'' فوجیں تقریباً 4000 سکھوں پر مشتمل ہیں۔ یہ کمک دہلی پر حملہ کرنے کے لئے نامعقول طور پر غیر متناسب ہے لیکن اتنی بڑی ہے کہ شہر

کے سامنے کیمپ کو توڑنے کا ایک نیا خودکشی جیسا بہانہ فراہم کر سکے۔

جنرل ہیوٹ سے غلطی سرزد ہونے کے بعد، اور فوجی نقطہ نظر سے اسے جرم تک کہا جا سکتا ہے، میرٹھ کے باغیوں کو دہلی تک پہنچنے کی اجازت دے کر اور اس شہر پر بے قاعدہ اچانک حملے کا موقع دے کر، پہلے دو ہفتے ضائع کرنے کے بعد دہلی کے محاصرے کی منصوبہ بندی تقریباً ناقابل فہم فاش غلطی معلوم ہوتی ہے۔ ایک مستند شخصیت، جسے ہم لندن ''ٹائمز'' کے فوجی لسان الغیب سے بھی بالاتر سمجھنے کی آزادی لیتے ہیں یعنی نپولین جنگی کارروائی کے دو قاعدے پیش کرتا ہے جو تقریباً فرسودہ باتیں نظر آتی ہیں کہ ''صرف امکان کے بس کا کام اختیار کرنا چاہیے اور صرف وہ جو کامیابی کے سب سے زیادہ امکانات پیش کرتا ہے۔'' اور دوسرے، کہ ''صرف اس جگہ بنیادی قوتوں کو استعمال کرنا چاہیے جہاں جنگ کا خاص مقصد یعنی دشمن کی تباہی ممکن ہو۔'' دہلی کے محاصرے کی منصوبہ بندی میں ان ابتدائی قاعدوں کی خلاف ورزی کی گئی۔ انگلستان کے حکام بالا کو واقف ہونا چاہیے تھا کہ خود ہندوستانی حکومت نے حال ہی میں دہلی کی قلعہ بندیوں کی مرمت کی ہے، چنانچہ اس شہر پر صرف باقاعدہ محاصرے کے ذریعے قبضہ کیا جا سکتا ہے جو کم سے کم 15000 تا 20,000 جوانوں کی محاصر فوج کا تقاضا کرتا ہے اور اگر مدافعت معقول طرز سے کی جائے تو اس سے بھی زیادہ کا۔ اب اگر اس مہم کے لئے 15000 یا 20,000 جوانوں کی ضرورت تھی تو 6000 تا 7000 جوانوں سے اسے انجام دینا سراسر حماقت ہے۔ مزید برآں انگریز واقف تھے کہ طویل محاصرہ، جو واقعی ان کی عددی کمزوری کا نتیجہ ہے اس مقام پر، اس آب و ہوا اور موسم میں ان کی صفوں میں تباہی کے بیج بو کر ان کی فوجوں کو ناقابل شکست اور غیر مرئی دشمن کے حملوں سے خطرے

میں ڈال دیے گا لہذا دہلی کے محاصرے کی کامیابی کے کوئی امکانات نہ تھے۔

جہاں تک جنگ کے مقصد کا تعلق ہے وہ بلا شبہ ہندوستان میں انگریز حکمرانی قائم رکھنا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے دہلی فوجی حکمت عملی کے نقطہ نظر سے بالکل اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ سچ ہے کہ تاریخی روایات نے باغیوں کی نظر میں اسے تو ہمانہ اہمیت عطا کردی جو اس کے حقیقی اثر سے ٹکراتی ہے اور یہ کافی سبب بن گیا کہ باغی سپاہی جمع ہونے کی جگہ کے طور پر اسے منتخب کریں، لیکن اگر مقامی تعصّبات کے مطابق اپنے فوجی منصوبے مرتب کرنے کی بجائے انگریزوں نے دہلی کو تن تنہا اور علیحدہ چھوڑ دیا ہوتا تو وہ اسے اسکے وہمی اثر سے محروم کر دیتے لیکن اس کے سامنے اپنے خیمے ڈال کر، اس کی دیواروں کے خلاف اپنا سر توڑتے ہوئے اور اس پر اپنی بنیادی قوت اور دنیا کی توجہ کو مرکوز کر کے انہون نے پسپائی کے امکانات تک سے اپنے آپ کو محروم کر لیا یا شاید پسپائی کو نمایاں شکست کی شکل دی۔ اس طرح وہ محض باغیوں کے ہاتھ میں کھیلتے ہیں جو دہلی کو مرکز بنانا چاہتے ہیں لیکن یہ سب کچھ نہیں ہے۔ انگریزوں کو یہ سمجھنے کے لئے بڑی ذکاوت کی ضرورت نہیں تھی کہ ان کے لئے ایک سرگرم میدانی فوج قائم کرنا بنیادی اہمیت رکھتا تھا جس کی فوجی نقل و حرکت بے چینی کی چنگاریاں بجھائے، اپنے فوجی اسٹیشنوں کے درمیان رسل و رسائل کو کھلا رکھے، دشمنوں کو چند محاذوں پر پسپا کردے اور دہلی کو باقی ملک سے کاٹ دے۔ اس سادہ اور صریح منصوبے پر عمل کرنے کی بجائے انہوں نے اپنی دستیاب سرگرم فوج کو دہلی کے سامنے مرکوز کر کے اس کی نقل و حرکت کو ناممکن بنا دیا۔ باغیوں کیلئے میدان کھول دیا۔ جب خود ان کے محافظ دستے بکھرے ہوئے مقامات کو سنبھالے ہوئے ہیں، جن کے درمیان ربط نہیں ہے، جو ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر ہیں،

ان زبردست مخالف فوجوں سے گھرے ہوئے ہیں جنہیں مہلت لینے کا موقع دیا گیا ہے۔

دہلی کے سامنے اپنا خاص سرگرم کالم جما کر انگریزوں نے باغیوں کا گلا نہیں گھونٹا بلکہ خود اپنے محافظ دستوں کو بے جان کر دیا لیکن دہلی میں اس بنیادی فاش غلطی کے علاوہ جنگ کی تاریخ میں مشکل ہی سے کوئی چیز اس حماقت کا مقابلہ کرسکتی ہے جو ان محافظ دستوں کی نقل وحمل کی رہنمائی کر رہی ہے جب وہ آزاد، ایک دوسرے کا لحاظ کئے بغیر عمل کر رہے ہیں، جن کی کوئی اعلیٰ قیادت نہیں ہے اور ایک فوج کے ممبروں کی طرح نہیں بلکہ مختلف مخالف قوموں سے تعلق رکھنے والوں کی طرح عمل کر رہے ہیں ۔مثال کے طور پر کانپور اور لکھنؤ کے معاملے کو لیجئے ۔یہ پڑوسی مقامات ہیں جن میں (برطانوی) فوج کی دو علیحدہ جماعتیں ہیں اور وہ موقع کے لحاظ سے غیر متناسب، کم تعداد اور علیحدہ کمانوں کے زیر تحت ہیں ۔اگر چہ صرف چالیس میل انہیں ایک دوسرے سے جدا کرتے ہیں لیکن ان کے درمیان عمل کا اتحاد اتنا کم ہے گویا وہ مخالف قطبین پر واقع ہوں ۔فوجی حکمت عملی کے سادہ ترین قواعد مطالبہ کرتے ہیں کہ کانپور کے فوجی کمانڈر سر ہیو وہیلر کو یہ اختیار رہنا چاہئے کہ وہ اودھ کے چیف کمشنر سر لارنس کو اپنے دستوں کے ساتھ کانپور واپس آنے کا حکم دیتے۔ اس طرح وقتی طور پر لکھنؤ خالی کر کے ان کی حالت بہتر ہو جاتی اور اس نقل وحرکت سے دونوں محافظ فوجوں کو بچا لیا جاتا اور ان کے ساتھ ہیولاک کے دستوں کے آئندہ اتصال سے ایک ایسی چھوٹی فوج بن جاتی جو اودھ کو تھامے رہتی اور آگرے کی مدد کرتی۔ اس کی بجائے دو مقامات میں آزاد عمل سے کانپور کی محافظ فوج گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالی گئی لکھنؤ کی محافظ فوج معہ اپنے قلعے کے یقینی ہتھیار ڈالنے والی ہے اور ہیولاک کی

حیرت انگیز کوششوں تک جو اپنے دستوں کو آٹھ دن میں 126 میل کوچ کروا رہے ہیں اور جنہیں اتنی ہی لڑائیاں برداشت کرنا پڑ رہی ہیں جتنی ان کے کوچ کے دنوں کی تعداد، اور یہ سب کچھ ایسی ہندوستانی آب و ہوا میں کیا جا رہا ہے جب گرمیوں کا موسم عروج پر ہے۔ یہ بہادر کوششیں تک بیکار رہیں۔ لکھنؤ کو بچانے کی فضول کوششوں کے لئے اپنے تھکے ہوئے دستوں کو بھیشامل کرکے، کانپور سے مسلسل مہموں کی وجہ سے یقینی مزید فضول قربانیاں دینے پر مجبور ہو کر جو مسلسل سکڑتے ہوئے دائرے میں ہو رہی ہیں، گمان غالب یہ ہے کہ وہ آخر کار پسپا ہو کر الہ آباد آ جائیں گے اور ان کی پشت پر مشکل ہی سے جوان باقی رہیں گے۔ ان کے دستوں کی نقل و حرکت بہترین طریقے سے یہ بات دکھاتی ہے کہ دہلی کے سامنے وہ چھوٹی سی انگریز فوج بہت کچھ کر سکتی تھی اگر وہ وبائی کیمپ میں زندہ گرفتار رہنے کی بجائے میدان میں عمل کے لئے مرکوز کی جاتی۔ ارتکاز حکمت عملی کا راز ہے۔ لا مرکزیت وہ منصوبہ ہے جسے انگریز نے ہندوستان میں اختیار کیا ہے۔ جو انہیں کرنا چاہیے تھا یہ تھا کہ محافظ فوجوں کی تعداد کم سے کم کر دیں، ان سے عورتیں اور بچے فوراً ہٹا لیں، وہ تمام اسٹیشن خالی کر دیں جو حکمت عملی کے نکتہ نظر سے اہم نہیں ہیں اور اس طرح میدان میں ممکن حد تک بڑی فوج جمع کریں۔ اب کمک کی وہ حقیر تعداد جو کلکتہ سے گنگا کے ذریعے بھیجی گئی تھی، الگ الگ متعدد محافظ فوجوں میں یوں جذب ہو گئی ہے کہ ایک بھی دستہ الہ آباد نہیں پہنچا۔

جہاں تک لکھنؤ کا تعلق ہے تو انتہائی افسردہ پیش بینیاں جو حالیہ گزشتہ ڈاک نے دل میں پیدا کی تھیں وہ اب صحیح ثابت ہو گئیں۔ ہیولاک پھر پسپا ہو کر کانپور جانے پر مجبور ہوئے، اتحادی نیپالی فوج کی کمی کا کوئی امکان نہیں اور اب ہمیں یہ

سننے کی توقع کرنا چاہیے کہ اس جگہ بھوک اور بہادر مدافعین کے مع بیوی بچوں کے قتل عام کے بعد قبضہ ہو گیا۔

29 ستمبر 1857 کو تحریر کیا۔ ''نیویارک ڈیلی ٹریبیون'' کے شمارے 5142 میں 13 اکتوبر 1857 کو اداریئے کی حیثیت سے شائع ہوا

ہندوستان میں بغاوت

ہندوستان میں بغاوت کی صورت حال سے بحث کرتے ہوئے لندن کے اخبار اسی رجائیت سے سرشار ہیں جو انہوں نے ابتدا ہی سے ظاہر کی تھی ۔ ہم سے صرف یہی نہیں کہا گیا ہے کہ دہلی پر کامیاب حملہ ہونے والا ہے بلکہ وہ 20 اگست کو کیا جائے گا۔ بلاشبہ جس پہلی بات کی تحقیق کرنی ہے وہ محاصر قوت کی موجودہ طاقت ہے۔ توپ خانے کے ایک افسر نے دہلی کے سامنے کیمپ سے 13 اگست کو لکھتے ہوئے اسی ماہ کی 10 تاریخ کو لڑاکا فوجوں کے متعلق ذیل میں تفصیل سے بتایا ہے:

برطانوی افسر

برطانوی فوج

دیسی افسر

دیسی فوج

گھوڑے

اسٹاف

30

توپ خانہ

39

598

انجینیئر

26

39

گھڑسوار

18

570

520

پہلا بریگیڈ

ملکہ معظمہ کی 75 ویں رجمنٹ

16

502

ایسٹ انڈیا کمپنی کی پہلی بندوقچی رجمنٹ

17

487

کماؤں بٹالین

4

13

435

دوسرا بریگیڈ

ملکہ معظّمہ کی 60ویں رائفلو رجمنٹ

15

251

ایسٹ انڈیا کمپنی کی دوسری بندوقچی رجمنٹ

20

493

تیمور بٹالین

4

9

319

تیسرا بریگیڈ

ملکہ معظمہ کی 8ویں رجمنٹ

15

153

ملکہ معظمہ کی 61ویں رجمنٹ

12

249

چوتھی سکھ رجمنٹ

4

4

365

گائڈ کور

4

4

196

کوک کور

5

16

709

کُل

229

3343

46

2024

520

لہذا دہلی کے سامنے کیمپ میں کُل لڑاکا برطانوی فوج کی تعداد 10 اگست کو ٹھیک ٹھیک تعداد 5641 تھی ۔ ان میں سے ہم 120 آدمی (112 سپاہی اور 8 افسر) منہا کر دیں جو انگریزی اطلاعات کے مطابق 12 اگست کو انگریزوں کے بائیں بازو کے سامنے مورچے پر باغیوں کے حملے میں کام آئے تو لڑنے والے آدمیوں کی تعداد 5521 باقی رہی ۔ جب بریگیڈیئر نکلسن فیروز پور سے مندرجہ ذیل فوجوں کے ساتھ دوسرے درجے کا محاصرے کا سامان لا کر محاصر فوج میں شامل ہوا:

52 ویں سبک پیدل رجمنٹ (تقریباً 100 جوان)، 61 ویں رجمنٹ کا ایک دستہ (تقریباً 4 کمپنیاں 360 جوان)، بوچیر کا میدانی توپ خانہ، چھٹی پنجاب رجمنٹ کا ایک دستہ (تقریباً 540 جوان) اور ملتان کے کچھ سوار اور پیدل،

کل ملا کر لگ بھگ 2 ہزار آدمی جن میں سے تقریباً 1200 یورپی تھے۔ اب اگر ہم اس قوت کو 5521 لڑنے والوں میں شامل کر دیں جو نکلسن کی فوجوں کے پہنچنے کے وقت کیمپ میں موجود تھے تو کل مجموعہ 7521 آدمیوں کا ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پنجاب کے گورنر سر جان لارنس نے جو مزید کمک روانہ کر دی ہے اس میں 8 ویں پیدل رجمنٹ کا باقی حصہ پشاور سے کپتان بیٹن کی فوج کی 24 ویں رجمنٹ کی تین کمپنیاں جن میں گھوڑوں سے کھینچی جانے والی تین توپیں ہیں، دوسری اور چوتھی پنجاب پیدل رجمنٹیں، چھٹی پنجاب رجمنٹ کا باقی حصہ شامل ہیں۔ لیکن یہ قوت جس کا تخمینہ زیادہ سے زیادہ 3000 آدمی لگایا جا سکتا ہے اور جس کا بڑا حصہ سکھوں پر مشتمل ہے ابھی تک نہیں پہنچا ہے۔ اگر قاری تقریباً ایک ماہ پہلے چیمبرلین کی رہنمائی میں پنجاب سے کمک کی آمد کو یاد کر سکتا ہے تو سمجھ سکتا ہے کہ آخر الذکر صرف اتنی کافی تھی کہ جنرل ریڈ کی فوج کو سر برنارڈ کی فوجوں کی ابتدائی تعداد تک لے آئے اور نئی کمک صرف اتنی کافی ہے کہ بریگیڈیئر ولسن کی فوج کو جنرل ریڈ کی ابتدائی قوت تک لے آئے۔ انگریزوں کے حق میں واحد حقیقی صورت حال یہ ہے کہ آخر کار محاصرے کا سامان آ گیا لیکن فرض کیجئے کہ متوقع 3 ہزار آدمی کیمپ میں شامل ہو جائیں اور انگریز فوج کی تعداد 10 ہزار تک پہنچ جائے جن میں سے ایک تہائی کی وفاداری مشتبہ ہے تو پھر وہ کیا کریں گے؟ ہم سے کہا گیا ہے کہ وہ دہلی کا محاصرہ کریں گے لیکن ایک مضبوط قلعہ بند شہر کا جو سات میل سے زیادہ پھیلا ہوا ہے، 10 ہزار آدمیوں سے محاصرہ کرنے کے مضحکہ خیز خیال کے علاوہ انگریزوں کو دہلی کا محاصرہ کرنے کی بابت سوچنے سے قبل جمنا کو اس کے معین بہاؤ سے ہٹانا چاہیے۔ اگر انگریز دہلی میں صبح کو داخل ہوئے تو باغی اسے شام کے وقت چھوڑ سکتے ہیں، یا تو جمنا

پار کر کے روہیل کھنڈ اور اودھ کی طرف روانہ ہو کر یا جمنا پر سے کوچ کر کے متھرا اور آگرے کی سمت میں ۔بہر حال ہر صورت میں ایک مربع کا محاصرہ جبکہ اس کا ایک پہلو محاصر فوج کے لئے نارسا ہے اور محصورین کے لئے نقل و حرکت اور پسپائی کا راستہ موجود ہے تو مسئلہ ہنوز حل نہیں ہوا ہے۔''سب کو اتفاق ہے'' وہی افسر کہتا ہے جس سے ہم نے مندرجہ بالا جدول اخذ کی ہے ''کہ دہلی پر حملہ کر کے قبضہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا''۔ساتھ ہی وہ ہمیں مطلع کرتا ہے کہ کیمپ میں واقعی کسی چیز کی توقع کی جا رہی ہے یعنی: ''شہر پر کئی دن تک گولہ باری کی جائے اور کافی بڑا شگاف کیا جائے''۔اور خود یہی افسر لکھتا ہے کہ:

''کم سے کم تخمینے کے مطابق اب دشمن کے پاس بے شمار اور اچھی طرح چلنے والی توپوں کے علاوہ تقریباً چالیس ہزار آدمی ہونے چاہئیں۔ان کی پیدل فوج بھی اچھی طرح لڑ رہی ہے''۔

اگر اس بے دھڑک ہٹیلے پن کو پیش نظر رکھا جائے جس سے مسلمان شہر پناہ کے اندر لڑنے کے عادی ہیں تو یہ واقعی اور بھی بڑا سوال ہو جاتا ہے کہ آیا چھوٹی سی برطانوی فوج کو'' کافی بڑے شگاف'' کے ذریعے تیزی سے داخل ہونے کے بعد پھر تیزی سے باہر نکلنے کا موقع بھی ملے گا۔

درحقیقت موجودہ برطانوی قوتوں کے لئے دہلی پر کامیاب حملہ کرنے کا صرف ایک امکان ہے کہ باغیوں میں اندرونی نزاعات پیدا ہو رہے ہوں، ان کا گولہ بارود صرف ہو رہا ہو، ان کی فوجوں کہ ہمت پست ہو رہی ہو، ان کی خود اعتمادی کا جذبہ رخصت ہو رہا ہو۔لیکن ہمیں اعتراف کرنا چاہیے کہ 31 جولائی سے 12 تک ان کی مسلسل لڑائی سے ایسے مفروضے کی شکل ہی سے تصدیق ہوتی ہے۔ساتھ

ہی کلکتہ کے ایک خط سے ہمیں کھلا اشارہ ملتا ہے کہ انگریز جنرلوں نے سارے فوجی قاعدوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے دہلی کے سامنے اپنے آپ کو جمائے رکھنے کا فیصلہ کیوں کیا ہے! اس میں تحریر ہے:

''چند ہفتے پہلے جب یہ سوال اُٹھا کہ آیا دہلی کے سامنے سے ہماری فوج کو پسپا ہونا چاہیے کیونکہ روزانہ لڑنے سے اس کا ناک میں دم آ گیا ہے جس کے ساتھ ساتھ اسے کہیں زیادہ طویل آرام بھی کرنا پڑتا ہے تو سر جان لارنس نے اس منصوبے کی شدت سے مخالفت کی اور جنرلوں کو صاف طور پر بتایا کہ ان کی پسپائی ان کے گرد آبادیوں کی بغاوت کے لئے اشارہ بن جائے گی جس کی وجہ سے ان کے سر پر خطرہ ضرور منڈلائے گا۔ یہ مشورہ مان لیا گیا اور سر جان لارنس نے ان سے وعدہ کیا کہ جتنی کمک وہ جمع کر سکتے ہیں بھیجیں گے''۔

اب جبکہ سر جان لارنس نے پنجاب سے تمام فوجیں ہٹالی ہیں تو وہاں بغاوت ہو سکتی ہے اور دہلی کے سامنے چھاؤنیوں میں اغلب ہے کہ فوجیوں کو بیماریاں لگ جائیں اور بارش کے موسم کے خاتمے پر زمین سے نکلنے والے وبائی بخارات ان کے بڑے حصے کو ہلاک کر دیں۔ جنرل وان کورٹلانڈٹ کی فوج کے متعلق، جس کی خبر ملی تھی کہ چار ہفتے ہوئے حصار پہنچ گئی ہے اور دہلی کی جانب بڑھ رہی ہے، اب کوئی خبر نہیں ہے، تو وہ سخت رکاوٹوں سے ضرور دوچار ہوئی ہوگی یا راستے میں توڑ دی گئی ہو گی۔

بالائی گنگا پر انگریزوں کی حالت واقعی مایوس کن ہے۔ جنرل ہیولاک کو اودھ کے باغیوں کی حربی کارروائیوں سے خطرہ ہے جو لکھنؤ سے چل کر بٹھور ہوتے ہوئے کانپور کے جنوب میں فتح پور پر اس کی پسپائی کو روک دینا چاہتے ہیں۔ اور بیک

وقت گوالیار کی فوج کالپی سے، جو جمنا کے دائیں کنارے پر ہے، کانپور کی طرف کوچ کر رہی ہے۔ اس ارتکازی نقل وحرکت سے جس کی رہنمائی غالباً نانا صاحب کر رہے ہیں اور جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ لکھنؤ میں اعلیٰ کمان ان کے ہاتھ میں ہے پہلی بار باغیوں کی حکمت عملی کے متعلق کچھ اندازہ ہوتا ہے اور انگریز مرکز گریز جنگ کے اپنے احمقانہ طریقے کو بڑھا چڑھا کر دکھانے کے لئے بے چین ہیں۔ چنانچہ ہم سے کہا جاتا ہے کہ 90 ویں پیدل اور بندوقچیوں کی 5 ویں رجمنٹوں کو جو جنرل ہیولاک کی کمک کے لئے کلکتہ روانہ کی گئی تھی، دیناپور میں سر جیمس اوٹرم نے روک لیا جس کے دل میں یہ سمایا ہوا ہے کہ فیض آباد ہوتے ہوئے لکھنؤ تک ان کو لے جائے۔ اس حربی کارروائی کے منصوبے کا لندن کے اخبار ''دی مارننگ ایڈورٹائزر'' (67) نے ماہرانہ وار کی طرح خیر مقدم کیا ہے کیونکہ، وہ کہتا ہے ''لکھنؤ دو آگوں کے درمیان ہو جائے گا۔ دائیں جانب اسے کانپور سے خطرہ ہوگا اور بائیں جانب سے فیض آباد سے''۔ جنگ کے عام قاعدوں کے مطابق انتہائی کمزور فوج جو اپنے بکھرے ہوئے ارکین کو مرکوز کرنے کی بجائے اپنے آپ کو دو حصوں میں منقسم کر لیتی ہے، جن کے درمیان فوج کی ساری وسعت حائل ہوتی ہے، اس کا قلع قمع کرنے کے لئے دشمن کو کوئی مزاحمت نہیں کرنی پڑتی۔ جنرل ہیولاک کے لئے در حقیقت سوال اب لکھنؤ کو بچانا نہیں بلکہ خود اپنے اور جنرل نیل کے چھوٹے دستوں کی باقیات کو بچانا ہے۔ بہت اغلب یہی ہے کہ وہ پسپا ہو کر الہ آباد چلے جائیں۔ الہ آباد واقعی فیصلہ کن اہمیت کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ گنگا اور جمنا کے سنگم پر، دو دریاؤں کے بیچ میں واقع ہے اس لئے دوآبے کی کلید ہے۔

نقشے پر پہلی نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ انگریز فوج کے لئے، جو شمال

مغربی صوبوں کو دوبارہ فتح کرنے کی کوشش کر رہی ہے، حربی کارروائیوں کی بنیادی راہ گنگا کے بہاؤ پر وادی کے ساتھ ساتھ جاتی ہے۔ اسی لئے دیناپور، بنارس، مرزاپور اور سب سے پہلے الہ آباد کی پوزیشنوں کو جہاں سے اصلی حربی کارروائیاں شروع کی جائیں گی، خاص صوبے بنگال میں سارے چھوٹے اور حکمت عملی کے لئے غیر اہم اسٹیشنوں سے حفاظتی فوجیں ہٹا کر مضبوط کرنا چاہیے۔ یہ کہ اس لمحے حربی کارروائیوں کی اس بنیادی راہ کو خود سنگین خطرہ ہے۔ بمبئی کے اس خط کے مندرجہ ذیل اقتباس سے دیکھا جا سکتا ہے جو لندن ''ڈیلی نیوز'' کو لکھا گیا ہے:

''دیناپور میں تین رجمنٹوں کی گزشتہ بغاوت نے الہ آباد اور کلکتہ کے درمیان نقل و حمل کو روک دیا ہے۔ (سوائے دریا پر دخانی جہازوں کے ذریعے) دیناپور میں بغاوت اِن معاملات میں سب سے سنجیدہ ہے جو حال ہی میں رونما ہوئے ہیں کیونکہ اس نے کلکتہ سے 200 میل دور سارے ضلع بہار میں بغاوت کی آگ لگا دی ہے۔ آج یہ اطلاع پہنچی ہے کہ سنتھال لوگوں نے پھر بغاوت کر دی۔ اور بنگال کی صورت حال واقعی ہولناک ہوگی جب ڈیڑھ لاکھ وحشی اسے تخت و تاراج کریں جو خون، لوٹ مار اور غارت گری سے لطف اندوز ہوتے ہیں''۔

حربی کارروائی کی چھوٹی راہیں، جب تک آگرہ جما رہتا ہے، بمبئی فوج کے لئے اندور اور گوالیار سے گزرتے ہوئے آگرے تک اور مدراس فوج کے لئے ساگر اور گوالیار ہوتے ہوئے آگرے تک ہیں جس کے ساتھ پنجاب فوج اور الہ آباد پر قبضہ رکھنے والے دستوں کی ضرورت ہے کہ ان کے نقل و حمل کے راستوں کو بحال کیا جائے لیکن اگر وسطی ہندوستان کے متذبذب راجوں نے انگریزوں کے خلاف کھلم کھلا اعلان جنگ کر دیا اور بمبئی فوج میں بغاوت نے شدید پہلو اختیار کر لیا تو فی

الحال سارے فوجی حساب کتاب کا خاتمہ ہے اور کشمیر سے لے کر راس کماری تک زبردست قتل عام کے علاوہ کسی بات کا یقین نہیں ہے۔ اِس صورت حال میں جو کچھ بھی کیا جا سکتا ہے وہ نومبر میں یورپی فوجوں کی آمد تک فیصلہ کن واقعات کو ملتوی کرنا ہے۔ آیا ایسا کیا بھی جا سکتا ہے اس کا انحصار سر کولن کیمبل کی صلاحیت پر ہے جن کی بابت ابھی سوائے ان کی ذاتی بہادری کے کسی بات کا علم نہیں ہے۔ اگر وہ اپنی جگہ کے لئے لائق آدمی ہیں تو وہ ہر قیمت پر دہلی پر قبضہ ہو یا نہ ہو، چھوٹی سی قابلِ استعمال فوج تیار کریں گے جس کے ساتھ وہ میدان میں آئیں گے۔ ہمیں دہرانا چاہیے، پھر بھی آخری فیصلہ بمبئی فوج کے ہاتھ میں ہے۔

6 اکتوبر 1857 کو تحریر کیا۔ ''نیویارک ڈیلی ٹریبیون'' کے شمارے 5152 میں 23 اکتوبر 1857 کو اداریے کی حیثیت سے شائع ہوا۔

ہندوستان میں بغاوت

''عربیہ'' کی ڈاک نے ہمیں دہلی کی شکست کی اہم اطلاع پہنچائی ہے۔ یہ واقعہ، جہاں تک ہم قلیل تفصیلات سے فیصلہ کر سکتے ہیں، نتیجہ معلوم ہوتا ہے بیک وقت باغیوں میں سخت نزاعات پیدا ہونے، لڑنے والی پارٹیوں کے عددی تناسب میں تبدیلی ہونے اور 5 ستمبر کو محاصرے کا سامان آنیکا، جس کی توقع 8 جون ہی کو کی جارہی تھی۔

نکلسن کی کمک کی آمد کے بعد ہم نے دہلی کے سامنے فوج کا تخمینہ مجموعی طور پر 7521 آدمی لگایا تھا جس کی اب تک پوری تصدیق ہو چکی ہے۔ بعد میں 3000 کشمیری فوجیوں کے اضافے سے جنہیں راجہ رنبیر سنگھ نے انگریزوں کو مستعار دیا تھا، برطانوی فوجیں جیسا کہ ''دی فرینڈ آف انڈیا'' (68) نے بیان کیا ہے کہ کل ملا کر تقریباً 11000 ہو گئیں۔ دوسری طرف لندن کا اخبار ''دی ملٹری اسپیکٹیٹر'' (69) تصدیق کرتا ہے کہ باغی قوتیں گھٹ کر 17000 رہ گئیں جن میں 5000 سوار تھے لیکن ''دی فرینڈ آف انڈیا'' ان کی تعداد تقریباً 13000 بتاتا ہے جن میں 1000 بے قاعدہ سوار شامل ہیں۔ شہر پناہ میں رخنہ پڑنے اور شہر کے اندر جدوجہد شروع ہونے کے بعد گھوڑے بالکل بے سود ہو گئے اور چنانچہ انگریزوں کے داخلے کے فوراً بعد وہ فرار ہو گئے۔ مقامی سپاہیوں کی مجموعی تعداد خواہ ہم ''دی ملٹری اسپیکٹیٹر'' کا تخمینہ تسلیم کریں یا ''دی فرینڈ آف انڈیا'' کا 11000 یا 12000 آدمیوں سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا انگریز فوجیں اپنی صفوں میں اضافہ نہ ہونے کے مقابلے میں مخالف کی صفوں میں کمی ہونے کی وجہ سے باغیوں کے لگ بھگ مساوی ہو گئیں تھیں۔ ان کی تھوڑی سی عددی کمتری کی کسر کامیاب بمباری

کے اخلاقی اثر اور پیش قدمیوں کی برتریوں نے نکال دی جس کی وجہ سے وہ اس قابل ہو گئے کہ انحاذوں کو منتخب کر سکیں جہاں انہیں اپنی بنیادی قوت مرکوز کرنی تھی اور دفاع کرنے والے پر خطر دائرے کے سارے نقطوں پر اپنی ناکافی قوتوں کو پھیلانے پر مجبور ہو گئے۔

تقریباً دس دن تک اپنے مسلسل حملوں سے بھاری نقصانات برداشت کرنے کے مقابلے میں باغی قوتوں میں کمی کا سبب اندرونی تنازعات کی وجہ سے پورے کے پورے دستوں کو ہٹالیا جانا زیادہ تھا۔ اگرچہ دہلی کے سوداگروں کی طرح مغل پیکر خیالی سپاہیوں کی حکمرانی سے بیزار ہو گیا تھا جو اُن کے جمع کئے ہوئے ایک ایک روپے کو لوٹتے تھے لیکن ہندو اور مسلمان سپاہیوں کے درمیان مذہبی اختلافات اور پرانی محافظ فوج اور نئی کمک کے درمیان جھگڑوں نے ان کی ظاہری تنظیم توڑ دی اور ان کی تباہی کو یقینی بنا دیا۔ اس کے باوجود چونکہ انگریز کو ایک ایسی قوت سے نمٹنا تھا جو تعداد میں ان سے کچھ ہی برتر تھی جس میں کمان کے اتحاد کا فقدان تھا اور اپنی صفوں میں تنازعات کے باعث کمزور اور مایوس ہو گئی تھی لیکن جس نے 84 گھنٹے کی بمباری کے بعد چھ دن تک گولہ باری کا مقابلہ کیا اور شہر پناہ کے اندر سڑکوں پر لڑی اور پھر خاموشی سے جمنا کو کشتیوں کے پل سے پار کر لیا تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آخر کار باغیوں نے اپنی بنیادی قوتوں کی مدد سے بری حالت میں بہترین فائدہ اٹھایا۔

قبضہ کرنے کے متعلق حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ 8 ستمبر کو انگریز توپوں نے اپنی فوجوں کے ابتدائی مورچے سے کافی آگے شہر پناہ سے 700 گز دور سے بمباری کی۔ 8 ویں سے 11 ویں تاریخ تک بھاری برطانوی توپیں اور دور گولہ پھینکنے والی توپیں قلعہ بندیوں کے مزید قریب کھینچ کرلائی گئیں۔ ایک مورچہ قائم کیا

گیا اور بہت کم نقصان سے توپ خانہ قائم کر دیا گیا۔ یہ پیش نظر رکھتے ہوئے کہ دہلی کی محافظ فوج نے 10 ویں اور 11 ویں تاریخ کو دو دھاوے بولے، نئے توپخانے سے بمباری کرنے کی مسلسل کوشش کی اور خندقوں سے بندوقوں کی ناگوار باڑھیں مارتی رہی۔ 12 تاریخ کو انگریزوں نے تقریباً 56 ہلاکتوں اور زخمیوں کا نقصان اٹھایا۔ 13 کی صبح کو بُرج پر دشمن کا بڑا سامان جنگ اڑا دیا گیا اور ہلکی توپ کی گاڑی بھی جو تلوارہ مضافات سے برطانوی توپوں پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک بمباری کر رہی تھی اور برطانوی توپوں نے کشمیری دروازے کے قریب ایک گزر نے کے قابل راستہ بھی کھول لیا۔ 14 تاریخ کو شہر پر حملہ کر دیا گیا۔ فوجی کسی سخت مزاحمت کے بغیر کشمیری دروازے کے قریب رخنے میں داخل ہوئے۔ اس کے اردگرد کی عمارتوں پر قبضہ کر لیا اور دمدموں پر پیش قدمی کرتے ہوئے موری دروازے کے برج اور کابلی دروازے کی طرف بڑھے۔ جب مزاحمت بہت سخت ہو گئی اور چنانچہ نقصانات بھاری ہوئے، منصوبہ یہ بنایا گیا کہ شہر کے مقبوضہ برجوں پر توپیں شہر کی طرف موڑ دی جائیں اور بلند مقامات پر دوسری بڑی اور چھوٹی توپیں نصب کی جائیں۔ 15 تاریخ کو موری دروازے اور کابلی دروازے کے برجوں پر قبضہ کی ہوئی توپوں سے برن کوٹھی اور لاہوری دروازے کے برجوں پر بمباری کی گئی اور اسلحہ خانے میں شگاف ڈال دیا گیا اور لال قلعے پر گولہ باری شروع ہو گئی۔ دن کی روشنی میں 16 ستمبر کو اسلحہ خانے پر دھاوا بولا گیا اور 17 تاریخ کو اس کے احاطے سے چھوٹی توپیں لال قلعے پر بمباری کرتی رہیں۔

اس تاریخ کو جیسا کہ "دی بامبے کوریئر" (70) نے کہا ہے سندھ کی سرحد پر پنجاب اور لاہور کی ڈاکیں لُٹ جانے سے حملے کی سرکاری روئیدادیں آنا منقطع ہو

گئیں۔ایک نجی خط میں جو بمبئی کے گورنر کو لکھا گیا تھا، یہ بیان کیا گیا ہے کہ دہلی کے سارے شہر پر قبضہ اتوار کے دن 20 تاریخ کو کیا گیا۔اسی دن باغیوں کی بنیادی فوجیں صبح تین بجے شہر چھوڑ کر کشتیوں کے پلوں سے روہیل کھنڈ کی سمت فرار ہو گئیں۔کیونکہ سلیم گڑھ پر قبضہ کرنے سے پہلے جو عین دریا کے کنارے واقع ہے، انگریزوں کے لئے تعاقب کرنا ممکن نہیں تھا۔یہ عیاں ہے کہ باغیوں نے شہر کے انتہائی شمال سے اس کے انتہائی جنوب مشرق کی طرف آہستہ آہستہ لڑتے ہوئے راستہ ہموار کیا اور 20 تاریخ تک وہ مورچہ قائم رکھا جو ان کی پسپائی کی حفاظت کے لئے ضروری تھا۔

جہاں تک دہلی پر قبضے کے امکانی نتیجے کا تعلق ہے تو ایک معتبر شہادت ''دی فرینڈ آف انڈیا'' نے لکھی کہ:

''یہ دہلی کی صورت حال نہیں بلکہ بنگال کی حالت ہے جو اس وقت انگریزوں کی توجہ کی مستحق ہے۔شہر پر قبضہ کرنے میں اتنی زیادہ دیر نے واقعی وقار کھو دیا ہے جو ہم جلد کامیابی سے حاصل کر سکتے تھے اور باغیوں کی قوت اور ان کی تعداد محاصرے سے اتنے ہی موثر طریقے سے کم کی جا سکتی تھی جتنا کہ شہر پر قبضہ کرنے سے''۔

اسی دوران میں مسلح بغاوت کلکتہ کے شمال مشرق سے پھیلتی ہوئی وسطی ہندوستان سے ہوتی ہوئی شمال مغرب تک پہنچ گئی اور آسام کی سرحد پر پوربیوں کی (71) کی دو مضبوط رجمنٹوں نے سابق راجہ پرندور سنگھ کی بحالی کی کھلم کھلا تجویز کر کے بغاوت کر دی۔دیناپور اور رنگپور کے باغی کنور سنگھ کی رہنمائی میں باندھ اور ناکوڑ سے کوچ کرتے ہوئے جبل پور کی سمت جا رہے ہیں اور راجہ ریواں کو خود اس کے دستوں نے اسے باغیوں میں شریک ہونے پر مجبور کر لیا ہے۔جہاں تک جبل پور کا

تعلق ہے تو 52 ویں بنگالی مقامی رجمنٹ نے اپنی چھاؤنیاں چھوڑ دی ہیں اور ان کے جو ساتھی پیچھے رہ گئے ہیں ان کے لئے ایک برطانوی افسر کو بطور یرغمال اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ گوالیار کے باغیوں کے متعلق چمبل دریا پار کرنے کی اطلاع ملی ہے اور وہ دریا اور دھولپور کے درمیان کہیں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔ سنجیدہ ترین اطلاعات پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ جودھپور دستے نے جیسا کہ معلوم ہوا ہے اوراروہ کے باغی راجہ کی خدمت قبول کر لی ہے جو بیاور کے جنوب مغرب میں 90 میل پر ہے۔ انہوں نے کافی بڑی فوج کو شکست دے دی ہے جسے جودھپور کے راجہ نے ان کے خلاف بھیجا تھا۔ انہوں نے ایک جنرل اور کپتان مونک میسن کو مار ڈالا اور تین توپوں پر قبضہ کر لیا۔ جنرل لارنس نے نصیر آباد کی کچھ فوج لے کر ان کے خلاف پیش قدمی کی اور انہیں ایک شہر میں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا لیکن اس شہر پر قبضہ کرنے کی مزید کوششیں ناکام رہیں۔ سندھ سے پوربی فوجیں ہٹانے کا نتیجہ وسیع پیانے پر سازش میں برآمد ہوا۔ کم سے کم پانچ مختلف مقامات میں مسلح بغاوتوں کی کوشش کی گئی جن میں حیدر آباد، کراچی اور شکارپور شامل ہیں۔ پنجاب میں بھی سرکشی کا نشان ملتا ہے۔ ملتان اور لاہور کے درمیان رسل و رسائل کو آٹھ دن سے کاٹ دیا گیا تھا۔

دوسری جگہ سے ہمارے قاری ان فوجوں کا، جو انگلستان سے 18 جون سے بھیجی گئی ہیں، جدولی بیان دیکھ سکتے ہیں۔ جن دنوں حسب ترتیب جہاز آئے ان کا حساب سرکاری بیانات پر مبنی ہے لہٰذا برطانوی حکومت کے حق میں ہے۔ (72) اس فہرست سے معلوم ہو جائے گا کہ توپخانے اور انجینئروں کے چھوٹے چھوٹے دستوں کے علاوہ جو خشکی کے راستے سے آئے ساری فوج جو جہازوں سے اتری 30899 جوانوں پر مشتمل تھی جن میں سے 24884 پیدل فوج ہے، 3826

سوار اور 2334 توپ خانے کی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ اکتوبر کے آخر سے پہلے کافی کمک کی توقع نہیں تھی۔

ہندوستان کے لئے فوج

ذیل میں ان فوجیوں کی فہرست ہے جو 18 جون 1857 سے انگلستان سے ہندوستان بھیجے گئے:

آمد کی تاریخ

کل

کلکتہ

لنکا

بمبئی

کراچی

مدراس

20 ستمبر

214

214

--

--

--

--

یکم اکتوبر

300

300

--

--

--

--

15 اکتوبر

1906

124

1782

--

--

--

17 اکتوبر

288

288

--

--

--

--

20 اکتوبر

4235

3845

390

--

--

--

30 اکتوبر

2082

479

1544

--

--

--

اکتوبر کی میزان

8757

5036

3721

--

--

--

یکم نومبر

3495

1234

1629

--

632

5 نومبر

879

879

--

--

--

10 نومبر

2700

904

340

400

1056

--

12 نومبر

163

1633

--

--

--

--

15 نومبر

2610

2132

478

--

--

--

19 نومبر

234

--

--

--

234

--

20 نومبر

1216

--

278

938

--

--

24 نومبر

406

--

406

--

--

--

25 نومبر

1276

--

--

--

--

1236

30نومبر

666

--

462

204

--

--

نومبر کی میزان

1515

6782

3593

1524

1932

1236

یکم دسمبر

354

--

--

354

--

--

5 دسمبر

459

--

--

201

--

258

10 دسمبر

1758

--

607

--

1151

--

14 دسمبر

1057

--

--

647

301

--

15دسمبر

948

--

--

647

301

--

20دسمبر

693

185

--

300

208

--

25دسمبر

624

--

--

--

624

--

دسمبر کی میزان

5893

1851

607

2359

2284

258

یکم جنوری

220

--

--

--

--

220

5 جنوری

140

--

--

--

--

15 جنوری

220

--

--

--

--

--

20 جنوری

920

--

--

340

--

--

جنوری کی میزان

920

--

--

--

340

580

خشکی کے راستے سے آنے والے فوجی

12 اکتوبر

235 انجینئر

117

--

--

118

--

12 اکتوبر

221 توپخانہ

221

--

--

--

--

14 اکتوبر

244 انجینئر

122

--

--

122

--

اکتوبر کی میزان

700

460

--

--

640

--

کُل:

31599

راس اُمید سے ہوتے ہوئے آنے والوں کی جزوی تعداد: 4000

میزان کل:35599

30 اکتوبر 1857 کو تحریر کیا۔ ''نیویارک ڈیلی ٹریبیون'' کے شمارے 5170 میں 14 نومبر 1857 کو اداریئے کی حیثیت سے شائع ہوا۔

دہلی کی تسخیر

ہم اس پُر شور گُن گان میں شریک نہیں ہوں گے جو اس وقت برطانیہ عظمیٰ میں ان فوجیوں کی بہادری کو آسمان پر چڑھا رہی ہے جنہوں نے دھاوا کر کے دہلی پر قبضہ کیا ہے۔ کوئی بھی قوم، یہاں تک کہ فرانسیسی بھی خودستائی میں انگریزوں کی ہمسری نہیں کر سکتے، خاص طور سے جب بہادری کی بات ہو۔ لیکن اگر واقعات کا تجزیہ کیا جائے تو سَو میں سے نوے معاملات میں اس بہادری کی عظمت بہت جلد گھٹ کر معمولی درجہ اختیار کر لیتی ہے۔ ہر عقلِ سلیم رکھنے والا شخص دوسرے لوگوں کی اس بہادری کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے پر یقیناً نفرت کرے گا جس کے ذریعے انگریز بزرگِ خاندان، جو گھر میں خاموشی سے رہتا ہے اور ہر چیز سے جس سے اسے فوجی افتخار حاصل کرنے کے بعید ترین امکان کا خطرہ ہو غیر معمولی طور پر بیزار رہتا ہے، دہلی پر حملے میں دکھائی جانے والی بہادری میں، جو تھی ضرور لیکن اتنی غیر معمولی بھی نہیں، اپنے آپ کو شریک کی طرح دکھانے کی کوشش کرتا ہے۔

اگر ہم دہلی کا سیواستوپول سے مقابلہ کریں تو بلاشبہ اتفاق کریں گے کہ ہندوستانی سپاہی روسی نہیں تھے کہ برطانوی چھاؤنی پر حملے انکرمان (73) سے بالکل ملتے جلتے نہیں تھے، کہ دہلی میں کوئی ٹوٹلین نہیں تھا، کہ ہندوستانی سپاہی انفرادی طور پر اور کمپنی کی شکل میں بہادری سے لڑے لیکن نہ صرف بریگیڈوں اور ڈویژنوں بلکہ تقریباً تمام بٹالینوں تک کے لئے بالکل کوئی قیادت نہیں تھی کہ ان کی پیوستگی کمپنیوں کی حدود سے آگے نہیں بڑھی کہ ان کے پاس سائنسی عنصر کی سرے سے کمی تھی جس کے بغیر آج کل فوج بے کس رہتی ہے اور شہر کی مدافعت بالکل مایوس کُن۔ اس کے باوجود تعداد اور فوجی ذرائع کے درمیان عدم تناسب، موسم برداشت

کرنے میں یورپیوں کے مقابلے میں ہندوستانی سپاہیوں کی برتری، بعض اوقات دہلی کا محاصرہ کرنے والی فوج کا گھٹ کر انتہائی کمزور ہو جانا.....ان سب باتوں سے متذکرہ عدم مشابہتوں کی کسر نکل جاتی ہے اور ان دو محاصروں (اگر اس حربی عمل کو محاصرہ کہا جائے تو) میں خاصی مماثلت پیدا ہو سکتی ہے۔ایک بار پھر ہم دہراتے ہیں کہ دہلی پر ہلا بولنے کو ہم غیر معمولی یا ضرورت سے زیادہ بہادری نہیں سمجھتے۔اگرچہ ہر لڑائی کی طرح ہر طرف سے بلند جذبے کے انفرادی عمل ہوئے ہیں لیکن ہم یہ وثوق سے کہتے ہیں کہ انگریزی فوج کے مقابلے میں جو سیواستوپول اور بالا کلاوا (74) کے درمیان آزمائش سے گزر رہی تھی۔دہلی کے سامنے اینگلو انڈین فوج نے زیادہ استقامت، کردار کے زور، بصیرت اور ہنر کا مظاہرہ کیا۔انکرمان کے بعد اول الذکر جہازوں میں آکر واپس جانے کو تیار تھی، اور بلاشبہ ایسا کرتی اگر فرانسیسیوں نے ایسا کرنے دیا ہوتا۔آخر الذکر کو سال کا موسم جس کا نتیجہ مہلک بیماریاں تھیں، آمدورفت میں خلل اندازی، کمک تیزی سے پہنچنے کے امکان کا فقدان، سارے شمالی ملک کے حالات پسپائی کی رغبت دلا رہے تھے اور واقعی اس اقدام کے قرینِ مصلحت ہونے پر غور بھی کیا گیا لیکن انگریز فوج اپنے مورچے پر ڈٹی رہی۔

جب بغاوت اپنے عروج پر تھی تو سب سے پہلی ضروری چیز شمالی ہند میں متحرک کالم تھا۔ایسی صرف دو فوجیں تھیں جو اس مقصد کے لئے استعمال کی جا سکتی تھیں: ہیولاک کی چھوٹی سی فوج جو جلد ہی ناکافی ثابت ہوئی اور دہلی کے سامنے کی فوج۔یہ کہ ان حالات میں دہلی کے سامنے پڑاؤ ڈالنا، محفوظ دشمن کے خلاف بے سود لڑائیوں میں دستیاب قوت کو صرف کرنا فوجی غلطی تھی۔کہ ساکت حالت کے مقابلے میں متحرک فوج اپنی قیمت کے لحاظ سے چار گنا قابل قدر ہوتی ہے، کہ دہلی

کے سوا شمالی ہندوستان کی صفائی، نقل وحمل کی بحالی، ایک قوت میں مرکوز ہونے کی باغیوں کی تمام کوششوں کو کچلنا کامیابی سے انجام دیا جا سکتا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ دہلی کی شکست قدرتی اور آسان نتیجہ ہوتی۔ یہ سب نا قابل تر دید حقائق ہیں۔ سیاسی وجوہات نے مطالبہ کیا کہ دہلی سے کیمپ نہ ہٹایا جائے۔ ہیڈکوارٹر میں 'حکمت چھانٹنے والوں' کو موردالزام قرار دینا چاہیے جنہوں نے فوج دہلی بھیجی نہ کہ فوج کو، ڈٹے رہنے پر استقامت کو جسے وہاں بھیجا گیا تھا۔ ساتھ ہی ہمیں یہ بیان کرنے میں قلم اندازی نہیں کرنی چاہیے کہ توقعات کے برعکس برسات کے موسم کا اثر کہیں زیادہ معتدل تھا۔ اگر ایسے وقت سرگرم فوجی کارروائیوں کے نتیجے میں بیماری اوسط پیمانے پر پھیلتی تو فوج کی پسپائی یا تباہی ناگریز ہوتی۔ اگست کے آخر تک فوج کی خطرناک حالت جاری رہی۔ اس کے بعد کمک حاصل ہوتی رہی اور اختلافات باغیوں کے کیمپ کو کمزور کرتے رہے۔ ستمبر کے شروع میں محاصرے کا سامان پہنچ گیا اور انگریز دفاعی مورچہ حملہ آور مورچے میں تبدیل ہوگیا۔ 7 ستمبر کو توپ خانے نے پہلی باڑھ ماری اور 13 ستمبر کو دو قابلگذر شگاف پیدا ہو گئے۔ اب ہم دیکھیں گے کہ اس وقفے کے دوران میں کیا ہوا۔

اس مقصد کیلئے اگر ہم جنرل ولسن کے سرکاری مراسلے پر پوری طرح یقین کریں تو بہت گھاٹے میں رہیں گے۔ یہ رپورٹ اتنی الجھی ہوئی ہے جتنی وہ دستاویزیں جنہیں کرائمیا میں برطانوی ہیڈکوارٹر نے جاری کیا تھا۔ کوئی انسان دو شگافوں کی پوزیشن یا نسبتی پوزیشن اور دھاوا بولنے والے کالموں کی ترتیب کے متعلق اس رپورٹ سے کچھ اندازہ نہیں لگا سکتا اور جہاں تک نجی رپورٹوں کا تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اور بھی زیادہ الجھی ہوئی ہیں۔ خوش قسمتی سے ان ماہر سلیقہ مند افسروں

میں سے ایک نے، جن کے سر کامیابی کا سہرا ہے، جو بنگال انجینئر نگ اور توپخانے کا ممبر ہے ''دی بامبے گزٹ''(75) میں واقعات کے متعلق رپورٹ لکھی ہے جو سادہ اور بے طمطراق ہونے کے ساتھ ساتھ واضح اور عملی ہے۔ کرائمیا کی ساری جنگ کے دوران ایک بھی افسر ایسا نہ تھا جس نے اتنی معقول رپورٹ لکھی ہو۔ بدقسمتی سے وہ دھاوے کے پہلے ہی دن زخمی ہوگیا اور اسکی رپورٹیں بند ہوگئیں۔ اس لئے جہاں تک بعد کی کارروائیوں کا تعلق ہے تو ہنوز ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔

انگریزوں نے دہلی کا دفاع اس حد تک محفوظ کرلیا تھا کہ وہ ایشیائی فوج کے محاصرے کی مزاحمت کرسکیں۔ ہمارے جدید خیالات کے مطابق دہلی کو مشکل ہی سے فوجی قلعہ کہا جا سکتا تھا۔ وہ میدانی فوج کے زبردست دھاوے کے خلاف محض ایک محفوظ جگہ تھی۔ اس کی 16 فٹ اونچی اور 12 فٹ چوڑی گچ کی شہر پناہ تھی جس کی چوٹی پر 3 فٹ چوڑا اور 8 فٹ اونچا دمدمہ اپنے علاوہ 6 فٹ کے گچ کی دیوار فراہم کرتا تھا جسے مورچے نے کھول رکھا تھا اور حملے کی براہ راست گولہ باری کی زد میں تھا۔ گچ کے دمدمے کی تنگی کی وجہ سے کہیں بھی توپ نصب کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ سوائے بُرجوں اور مارٹیلو مناروں میں۔ ان آخرالذکر سے شہر پناہ کی مورچہ بندی تو ہوگئی لیکن بہت کمزور اور دفاعی توپوں کو خاموش کرنے کے لئے محاصرے کی توپیں (یہ کام میدانی توپیں تک کرسکتی تھیں) تین فٹ چوڑے گچ کے دمدمے کو آسانی سے ڈھا سکتی تھیں، خاص کر کھائی کے پہلوؤں پر توپیں، دیوار اور کھائی کے درمیان ایک چوڑی منڈیر یا ہموار راستہ تھا جس سے قابل ذکر شگاف بنانے میں آسانی پیدا ہوسکتی تھی۔ ان حالات میں کھائی اس میں پھنس جانے والے فوجی دستے کے لئے کمین گاہ بننے کی بجائے ایک آرام کی جگہ بن سکتی تھی جہاں ان

کالموں کی ازسرنوتشکیل کی جاسکتی تھی جو مورچے کی جانب پیش قدمی کرتے وقت بد نظمی میں مبتلا ہو گئے ہوں۔

ایک ایسی جگہ کی طرف عام خندقوں کے سلسلے کے ذریعہ محاصرے کے اصولوں کے مطابق پیش قدمی کرنا پاگل پن ہوتا۔ خواہ پہلی شرط پوری ہو جاتی یعنی فوج جگہ کو چاروں طرف سے گھیرنے کے لئے کافی ہوتی۔ دفاع کی صورت حال، مدافعین میں بدنظمی اور پژمُردگی کی وجہ سے حملے کے اس طریقے کے علاوہ جو اختیار کیا گیا، دوسرا طریقہ زبردست غلطی ہوتا۔ فوجی ماہر اس کو اچھی طرح زبردست کھلے حملے کے نام سے جانتے ہیں۔ چونکہ ایسا دفاع صرف اس وقت کامیاب ہوتا ہے جب زبردست کھلا حملہ کرنے والوں کے پاس بھاری توپیں موجود نہیں ہوتیں تو کسی پس و پیش کے بغیر بیرونی دفاع توپ خانے کے ذریعے تباہ کیا جاتا ہے۔ اس دوران میں مقام کے اندرونی حصے پر بمباری کی جاتی ہے اور جونہی شگاف قابل گزر ہو جاتے ہیں تو فوج دھاوے کے لئے پیش قدمی کرتی ہے۔

زیر حملہ محاذ شمال میں تھا۔ انگریزوں کے کیمپ کے براہ راست مقابل۔ یہ محاذ مشتمل تھا دو رکاوٹوں اور تین بُرجوں پر، جس میں مرکزی (کشمیری دروازے کے) برج میں داخلے کا خفیف سا گوشہ تھا۔ کشمیری دروازے والے برج سے کھائی والے برج تک مشرقی مورچہ چھوٹا تھا اور کشمیری دروازے والے برج اور موری دروازے والے برج کے درمیان مغربی مورچے کے سامنے ذرا آگے بڑھا ہوا تھا۔ کشمیری دروازے والے اور کھائی والے برجوں کے سامنے زمین چھوٹے درختوں کے جنگل، باغات، مکانات وغیرہ سے ڈھکی ہوئی تھی۔ اسے ہندوستانی سپاہیوں نے صاف نہیں کیا تھا۔ چنانچہ یہ حملے کے لئے بچاؤ فراہم کرتی تھی۔ (اس صورت حال

سے وضاحت ہوتی ہے کہ انگریزوں کے لئے اس جگہ توپوں کے عین نیچے ہندوستانی فوج کا تعاقب کرنا کیوں ممکن تھا جو اس وقت بہادرانہ سمجھا جا رہا تھا لیکن درحقیقت کوئی خاص خطرہ پیش ہی نہیں تھا کیونکہ انگریزوں کو یہ بچاؤ مل گیا تھا) علاوہ ازیں اس محاذ سے تقریباً 4 سو-5 سو گز آگے شہر پناہ کی سمت میں ایک گہری گھاٹی گزرتی تھی جو حملے کے مورچے کی ایک قدرتی متوازی تھی۔ انگریزوں کے بائیں بازو کو دریا نے ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی تھی اور کشمیری دروازے نیز گھاٹی والے برجوں نے جو تھوڑا سا ابھار تشکیل کیا تھا اسے حملے کا بنیادی نقطہ صحیح طور پر منتخب کیا گیا تھا۔ ساتھ ہی مغربی شہر پناہ اور برجوں پر بیک وقت نمائشی حملہ کیا گیا اور یہ فوجی چال اتنی کامیاب رہی کہ ہندوستانی سپاہیوں کی خاص قوت اسی مقام کے مقابل آ گئی۔ وہ کابلی دروازے کے باہر مضافات میں بڑی تعداد میں جمع ہوئے تاکہ انگریزوں کے دائیں بازو کے لئے دھمکی بن جائیں۔ اگر موری دروازے اور کشمیری دروازے والے برجوں کے درمیان مغربی شہر پناہ انتہائی خطرے میں ہوتی تو یہ فوجی نقل و حرکت بالکل صحیح اور بہت موثر ہوتی۔ سرگرم دفاع کے ذریعے کی طرح ہندوستانی سپاہیوں کی پہلو والی پوزیشن عمودی ہوتی اور آگے بڑھتی ہوئی فوج کی حرکت سے حملے کے ہر کالم کو پہلو میں الجھا دیا جاتا۔ لیکن اس پوزیشن کا اثر مشرق کی جانب کشمیری دروازے والے اور کھائی والے برجوں کے درمیان شہر پناہ تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ چنانچہ اس پر قبضہ کرنے سے دفاع کرنے والی فوج کا ایک بڑا حصہ اس فیصلہ کن نقطے سے ہٹ گیا۔

توپیں نصب کرنے کے لئے جگہوں کا انتخاب، ان کی تعمیر اور اسلحہ بندی اور جس طرح انہیں استعمال کیا گیا انتہائی تعریف کے مستحق ہیں۔ انگریزوں کے پاس

تقریباً 50 توپیں اور مارٹر تھے جو اچھے ٹھوس دمدموں کے پیچھے طاقتور توپ خانوں کی شکل میں مرکوز تھے۔سرکاری بیانات کے مطابق ہندوستانی سپاہیوں کے پاس حملے کی زد میں آئے ہوئے محاذ پر وہ 55 توپیں تھیں لیکن برجوں اور مارٹیلو میناروں پر بکھری ہوئی، وہ مرکوز عمل کے قابل نہیں تھیں اور گھٹیا تین فٹ کا دمدمہ انہیں مشکل سے محفوظ رکھ سکتا تھا۔ظاہر ہے کہ دفاع کی توپوں کو خاموش کرنے کے لئے چند گھنٹے کافی ثابت ہوئے ۔اب اور کرنے کے لئے بہت کم باقی تھا۔

8 تاریخ کو نمبر 1 توپ خانے کی دس توپوں نے دیوار سے 7 سو گز کے فاصلے سے گولہ باری شروع کی۔اگلی رات کو مذکورہ بالا گھاٹی کو ایک قسم کی خندق میں تبدیل کر دیا گیا۔ 9 تاریخ کو اس گھاٹی کے سامنے ٹوٹی ہوئی زمین اور مکانات پر بلامزاحمت قبضہ کرلیا گیا اور 10 تاریخ کو توپ خانے نمبر 5 کی 8 توپوں کے غلاف اتارے گئے ۔ان کا دیوار سے فاصلہ 5 سو یا 6 سو گز تھا۔ 11 تاریخ کو 6 توپوں والے توپخانہ نمبر 3 نے جو کھائی والے مورچے سے 2 سو گز کے فاصلے پر ٹوٹی ہوئی زمین پر بڑی جرات اور ہوشیاری سے نصب کیا گیا تھا گولے باری کی اور اسی دوران دس بھاری مارٹروں نے شہر پر گولے برسائے ۔13 تاریخ کی شام کو شگاف --ایک کشمیری مورچے کے دائیں پہلو سے متصل شہر پناہ میں اور دوسرا کھائی والے مورچے کی بائیں جانب اور پہلو میں --اندر گھسنے کے قابل ہو گئے اور دھاوا بولنے کا حکم جاری کر دیا گیا۔ 11 تاریخ کو ہندوستانی سپاہیوں نے خطرے میں پھنسے ہوئے دو مورچوں کے درمیان پشتے سے جوابی حملے کے لئے مورچہ قائم کیا اور انگریز توپ خانوں کے سامنے تقریباً تین سو گز کیفاصلے پر جھڑپوں کے لئے خندقیں کھودیں اور اسی پوزیشن سے کابلی دروازے کے باہر پہلو پر حملے کرنے کے لئے

پیش قدمی بھی کی لیکن سرگرم دفاع کی یہ کوششیں اتحاد، رابطے یا جوش کے بغیر کی گئیں اوران کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔

14 تاریخ کو دن کی روشنی میں حملہ کرنے کے لئے پانچ برطانوی کالموں نے پیش قدمی کی۔ایک دائیں جانب کابلی دروازے کے باہر فوج کو مصروف رکھنے کے لئے اور کامیابی حاصل کرنے پر لاہوری دروازے پر حملہ کرنے کے لئے۔ ہر ایک شگاف کے روبرو ایک ایک کالم بھیجا گیا۔ایک کالم کشمیری دروازے کے سامنے جس کو اسے دھماکے سے اڑانے کا فریضہ دیا گیا تھا اور ایک محفوظ فوج کے طور پر رکھا گیا۔سوائے پہلے کے باقی تمام کالم کامیاب رہے۔شگافوں کی مدافعت مشکل ہی سے کی گئی لیکن دیوار کے قریب مکانات کے اندر مزاحمت بڑی شدید تھی۔ انجینئر نگ کے ایک افسر اور تین سارجنٹوں کی بہادری (واقعی بہادری) کی بدولت کشمیری دروازے کو دھماکے سے اڑا دیا گیا اور اس طرح یہ کالم بھی شہر میں داخل ہو گیا۔شام تک سارا شمالی محاذ انگریزوں کے قبضے میں تھا لیکن یہاں جنرل ولسن رک گیا۔اندھا دھند دھاوا ختم گیا، تو پیں آگے لائی گئیں اور شہر کے ہر مضبوط مورچے کو ان کا نشانہ بنایا گیا۔گولہ بارود خانے پر ہلا بولنے کے علاوہ اصلی لڑائی بہت کم ہوئی۔ باغیوں کی ہمت پست تھی اور انہوں نے ہزاروں کی تعداد میں شہر چھوڑ دیا۔ولسن نے احتیاط سے شہر میں پیش قدمی کی۔ 17 تاریخ کے بعد مشکل ہی سے مزاحمت کا سامنا ہوا اور 20 کو مکمل طور سے اس پر قبضہ کرلیا۔

حملے کے طریقے پر ہم نے اپنی رائے بیان کردی۔ جہاں تک دفاع کا تعلق ہے۔ حملہ آورانہ جوابی نقل وحرکت، کابلی دروازے پر پہلو دار پوزیشن، جوابی حملے کے لئے مورچے، خندقیں یہ سب دکھاتے ہیں کہ ہندوستانی سپاہیوں میں جنگی

سائنس کے بعض خیالات پھیل گئے تھے۔لیکن وہ یا تو کافی واضح نہیں تھے یا ان کی جڑیں گہری نہیں تھیں۔اس لئے انہیں مؤثر طور پر استعمال نہیں کیا گیا۔آیا یہ خیالات خود ہندوستانیوں میں پیدا ہوئے یا ان یورپیوں سے حاصل کئے گئے جو ان کے ساتھ ہیں، اس کا فیصلہ کرنا ظاہر ہے کہ مشکل ہے۔لیکن ایک بات یقینی ہے کہ یہ کوششیں اگرچہ عمل پذیری میں غیر مکمل تھیں لیکن سیواستوپول کے سرگرم دفاع کے بنیادی کام سے مشابہت رکھتی ہیں اور ان کی عملپذیری سے محسوس ہوتا ہے کہ کسی یورپی افسر نے ہندوستانی سپاہیوں کے لئے ایک صحیح منصوبہ مرتب کیا تھا لیکن وہ خیال کو پوری طرح سمجھ نہیں سکے یا بدنظمی اور رمان کے فقدان نے عملی پروجیکٹوں کو کمزور اور غیر مؤثر کوششوں میں تبدیل کر دیا۔

16 نومبر 1857 کو تحریر کیا۔ ''نیویارک ڈیلی ٹریبیون'' کے شمارے 5188 میں 5 دسمبر 1857 کو اداریے کی حیثیت سے شائع ہوا۔

آنے والا ہندوستانی قرضہ

لندن: 22 جنوری 1858

لندن کی زرکی منڈی میں ابھار، جو نتیجہ تھا عام پیداوار میں لگے ہوئے سرمائے سے زبردست رقم نکالنے کا اور بعد میں اسے ہُنڈیوں کی منڈیوں میں منتقل کرنے کا، گزشتہ نصف ماہ میں اسی لاکھ یا ایک کروڑ پونڈ اسٹرلنگ کی رقم کے قریب الوقوع ہندوستانی قرضے کے امکانات کی وجہ سے کچھ گھٹ گیا ہے۔ یہ قرضہ جسے انگلستان میں جمع کیا جائے گا اور فروری میں اپنے انعقاد کے وقت پارلیمنٹ جسے فوراً منظور کر دے گی ان دعوؤں کو پورا کرنے کے لئے مقصود ہے جو مقامی قرض خواہ ایسٹ انڈیا کمپنی سے کر رہے ہیں اور جنگی سازوسامان، اسٹوروں، دستوں کی نقل وحمل وغیرہ کے فاضل خرچے کے لئے بھی ہے جنہیں ہندوستانی بغاوت نے ضروری بنا دیا ہے۔ اگست 1857 میں برطانوی حکومت نے پارلیمنٹ کے التواء سے پہلے دارالعوام میں سنجیدگی سے اعلان کیا تھا کہ اس قسم کے قرضے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ بحران کا مقابلہ کرنے کے لئے کمپنی کے مالی ذرائع ضرورت سے زیادہ کافی ہیں لیکن انگریز قوم کو جو دل پذیر فریب دیا گیا تھا، جلد ہی دور ہو گیا جب یہ فاش ہوا کہ ایک بہت ہی مشتبہ کردار کے طریقہ کار کے ذریعے ایسٹ انڈیا کمپنی نے 3500,000 پونڈ اسٹرلنگ پر قبضہ کر لیا جو مختلف کمپنیوں نے ہندوستانی ریلیں تعمیر کرنے کے لئے اس کے سپرد کیے تھے۔ علاوہ ازیں کمپنی نے 10,00,000 پونڈ اسٹرلنگ بینک آف انگلینڈ سے خفیہ طور پر قرض لئے اور 10 لاکھ لندن کی جوائنٹ سٹاک سے۔ بد ترین صورت حال کے لئے پبلک کو اس طرح تیار کر کے حکومت نے نقاب ہٹانے میں بالکل ہچکچاہٹ نہیں کی اور ''ٹائمز'' اور ''گلوب'' (76) میں اور دیگر سرکاری

ترجمانوں میں نیم سرکاری مضامین کے ذریعے قرضے کی ضرورت کو تسلیم کیا ہے۔

یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ ایسے قرضے جاری کرنے کے لئے قانون ساز اقتدار کو ایک خاص قانون منظور کرنے کی کیا ضرورت ہے، ایسا واقعہ کوئی خدشہ کیوں پیدا کرتا ہے کیونکہ برطانوی سرمائے کے لئے ہر نکاس کو، جواب قابل منافع سرمایہ کاری کے لئے بے کار کوشش کررہا ہے۔ موجودہ حالات میں نعمتِ غیر مترقبہ اور سرمائے کی تیزی سے قیمت گرنے کی انتہائی سودمند روک سمجھا جائے۔

یہ عام طور پر معلوم ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا تجارتی وجود 1834 میں ختم ہوگیا تھا (77) جب اس کے تجارتی منافعوں کے بنیادی بقیہ ذریعے یعنی چین کے ساتھ تجارت میں اجارہ داری کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ چنانچہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے مشترکہ سرمائے کے حصہ داروں کو کمپنی کے تجارتی منافع جات سے، اگرچہ برائے نام ہی، منافع ملنے کے بعد، ان کے ساتھ نیا مالیاتی انتظام ضروری ہوگیا۔ منافع کی ادائیگی جو اس وقت تک کمپنی کی تجارتی آمدنی سے وصول کی جاتی تھی اس کی سیاسی آمدنی سے کی جانے لگی۔ ایسٹ انڈیا کے مشترکہ سرمائے کے مالکوں کی ادائیگی ان آمدنیوں سے کی جاتی تھی جنہیں ایسٹ انڈیا کمپنی اپنی سرکاری حیثیت سے حاصل کرتی تھی اور پارلیمنٹ کے ایک قانون کے ذریعے ہندوستانی سرمایہ جس کی کل رقم 60,00,000 پونڈ اسٹرلنگ تھی جس کا سود دس فیصد تھا، ایک ایسے سرمائے میں تبدیل کردیا گیا جو مشترکہ سرمائے کے سوائے ہر 100 پونڈ کے لئے 200 پونڈ کی شرح کے بے باق نہیں کیا جا سکتا۔ بہ الفاظ دیگر 60,00,000 پونڈ اسٹرلنگ کا اصلی ایسٹ انڈیا مشترکہ سرمایہ 120,00,000 پونڈ اسٹرلنگ میں تبدیل کردیا گیا جو پانچ فیصدی سود دیتا تھا اور اس آمدنی سے وصول کیا جاتا تھا جو ہندوستانی

عوام کے ٹیکسوں سے حاصل کی جاتی تھی۔ اس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی کا قرضہ پارلیمنٹ میں ہاتھ کی صفائی سے ہندوستانی عوام کے قرضے میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ 500,00,000 پونڈ اسٹرلنگ سے زیادہ کا قرضہ موجود ہے جو ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان سے حاصل کیا تھا اور صرف اس ملک کی ریاستی آمدنیوں سے پورا کیا جاتا تھا۔ ایسے قرضے جو کمپنی خود ہندوستان میں حاصل کرتی ہے، ہمیشہ پارلیمانی قانون سازی کی حدود سے باہر سمجھے جاتے ہیں اور انہیں ان قرضوں ہی کی طرح خیال کیا جاتا ہے جنہیں نوآبادیاتی حکومتیں مثال کے طور پر کناڈا یا آسٹریلیا میں وصول کرتی ہیں۔

دوسری طرف پارلیمنٹ کی مخصوص اجازت کے بغیر کمپنی کے لئے خود برطانیہ میں سود والے قرضے حاصل کرنا ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔ کچھ سال ہوئے جب کمپنی نے ہندوستان میں ریلیں اور برقی تار بچھانے شروع کیے تو اس نے لندن کی منڈی میں ہندوستانی تمسکوں کے اجرا کے لیے درخواست کی۔ یہ درخواست 70,00,000 پونڈ اسٹرلنگ کی رقم کی شکل میں منظور کر دی گئی جو 4 فیصدی سود کے تمسکات میں جاری کیے جائیں اور صرف ہندوستان کی ریاستی آمدنیوں سے پورے ہوں۔ ہندوستان میں بغاوت کی ابتداء میں تمسکات کا یہ قرضہ 38,94,400 پونڈ اسٹرلنگ تھا اور پارلیمنٹ سے پھر درخواست کرنے کی ضرورت ظاہر کرتی ہے کہ ہندوستانی بغاوت کے دوران میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا برطانیہ میں قرضہ حاصل کرنے کا قانونی اختیار ختم ہو گیا تھا

یہ کوئی راز کی بات نہیں ہے کہ یہ اقدام کرنے سے پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی نے کلکتہ میں قرضے کا اجراء کیا تھا جو بالکل ناکام ثابت ہوا، ایک طرف یہ ثابت کرتا ہے

کہ ہندوستانی سرمایہ دار ہندوستان پر برطانوی اقتدار کے امکانات کو اسی جوشیلے جذبے سے نہیں دیکھ رہے ہیں جو لندن کے پریس کا طرہ امتیاز ہے اور دوسری طرف یہ انگریز قوم کی پریشانی کو غیر معمولی بلندی تک بھڑکا دیتا ہے کیونکہ یہ اس کے علم میں ہے کہ گزشتہ سات برسوں میں ہندوستان میں سرمائے کی زبردست ذخیرہ اندوزی کی گئی ہے جیسا کہ ہیگر ڈاینڈ پکسلی کی فرم کے حالیہ شدہ بیان سے معلوم ہوتا ہے، 1856 اور 1857 میں صرف لندن کی بندرگاہ سے 210,00,000 پونڈ قیمت کا غیر سکہ بند سونا چاندی جہازوں پر لادا گیا۔ لندن ''ٹائمز'' نے انتہائی دلنشین لہجے میں اپنے قارئین کو سمجھایا کہ:

''مقامی باشندوں کی وفاداری کے لئے ساری ترغیبات میں سے ایک انہیں ہمارا قرض خواہ بنانا سب سے کم مشکوک ہے لیکن دوسری طرف جذباتی، اخفا پسند اور لالچی لوگوں میں کوئی دوسری چیز اس سے زیادہ بے چینی یا غداری پیدا نہیں کرسکتی جتنا یہ خیال پیدا ہونا کہ ہر سال ان سے ٹیکس وصول کیا جاتا ہے تاکہ دوسرے ملکوں میں دولت مند قرض خواہوں کو منافع بھیجا جائے''۔

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی ایک ایسے منصوبے کی خوبی کو نہیں سمجھ رہے ہیں جو ہندوستانی سرمائے کے بل پر انگریز راج کو بحال کرے گا بلکہ ساتھ ہی بالواسطہ طور پر مقامی ذخیروں کو برطانوی تجارت کے لئے کھول دے گا۔ اگر ہندوستانی سرمایہ دار واقعی برطانوی راج کے اتنے ہی شائق ہوتے جتنا ہر سچا انگریز اسے اپنے عقیدے کا حصہ سمجھتا ہے تو اپنی وفاداری دکھانے اور اپنے سونے چاندی سے چھٹکارا پانے کے لئے انہیں اس سے زیادہ بہتر موقع نہیں مل سکتا تھا۔ جب ہندوستانی بغاوت کے اخراجات خود برداشت کرنے کی اشد ضرورت کے متعلق

سوچنا چاہیے۔مقامی باشندوں کی اعانت کے بغیر۔علاوہ ازیں قریب الواقع قرضہ صرف ایک مثال ہے اور اس کتاب کے پہلے صفحے کی طرح نظر آتا ہے جس کا نام ہے''اینگلو انڈین دیسی قرضہ'' یہ کوئی راز کی بات نہیں ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی جو چاہتی ہے وہ اسی لاکھ یا ایک کروڑ نہیں بلکہ اڑھائی کروڑ سے لے کر تین کروڑ تک ہیں اور وہ بھی صرف پہلی قسط کی طرح۔ مصارف پورے کرنے کیلئے نہیں بلکہ قرضوں کے لئے جو پہلے سے واجب ہیں۔گزشتہ تین برسوں میں خسارے کی رقم 50,00,000 پونڈ تھی۔گزشتہ 15 اکتوبر تک باغیوں نے جو خزانہ لوٹا تھا وہ 100,00,000 پونڈ کے برابر تھا۔یہ ایک ہندوستانی سرکاری اخبار''دی فینکس'' (78) کے بیان کے مطابق ہے۔شمال مشرقی صوبوں میں بغاوت کے نتیجے میں آمدنی میں خسارہ 50,00,000 پونڈ اور جنگی خرچہ کم از کم 100,00,000 پونڈ ہے۔

یہ سچ ہے کہ لندن کی زرکی منڈی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے مسلسل قرضے زر کی قدر کو بڑھائیں گے اور سرمائے کی قیمت کو گرنے سے، بہ الفاظ دیگر سود کی شرح میں مزید کمی کو روکیں گے لیکن برطانوی صنعت اور تجارت کی بحالی کے لئے اسی کمی کی ضرورت ہے۔شرح کو گرنے سے بچانے کے لئے اگر کوئی بھی مصنوعی رکاوٹ کھڑی کی گئی تو پیداوار کے خرچ اور قرض کی شرائط کو بڑھانے کے مترادف ہوگی جسے انگریز صنعت اور تجارت اس کی موجودہ کمزور صورت حال میں ناقابل برداشت محسوس کرتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی قرضے کے اعلان پر رنج والم کا اظہار کیا گیا۔اگرچہ پارلیمنٹ کی منظوری کمپنی کے لئے قرضے کی شاہی ضمانت مہیا نہیں کرتی۔پھر بھی اگر پیسہ دوسری شرطوں پر حاصل نہیں کیا گیا تو اس ضمانت کی اجازت

مل سکتی ہے اور تمام باریک امتیازات کے باوجود جوں ہی ایسٹ انڈیا کمپنی کی جگہ برطانوی حکومت لے لے گی تو اس کا قرضہ برطانوی قرضے میں ضم ہو جائے گا۔لہٰذا بڑے قومی قرضے میں اضافہ ہندوستانی بغاوت کے مالی نتائج میں سے ایک معلوم ہوتا ہے۔

22 جنوری 1857 کو تحریر کیا۔''نیویارک ڈیلی ٹریبیون'' کے شمارے 5243 میں9 فروری 1857 کو شائع ہوا۔

ونڈھم کی شکست (79)

جب کرائمیا کی جنگ ہو رہی تھی تو سارا انگلستان ایک ایسے آدمی کو طلب کر رہا تھا جو اس کی فوج کو منظم اور اس کی رہنمائی کرنے کے قابل ہو اور جب ریگلن، سمپسن اور کوڈرنگٹن جیسے نالائق لوگوں کو یہ عہدہ سپرد کیا گیا تو کرائمیا میں ایک ایسا سپاہی تھا جو اِن محاسن سے مزین تھا جو جنرل کے لئے ضروری ہیں۔ ہماری مراد سَر کالن کیمبل سے ہے جو ہندوستان میں ہر روز یہ دکھا رہا ہے کہ وہ اپنے پیشے میں استاد ہے۔ کرائمیا میں الما کے مقام پر (80) اسے اپنے بریگیڈ کی رہنمائی کرنے کی اجازت دی گئی تھی جہاں برطانوی فوج کی بے لوچ صف بندی کے طریقہ کار کی وجہ سے اسے اپنی صلاحیت کا مظاہرہ کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ پھر اسے بالا کلاوا میں پھنسا دیا گیا اور بعد کی فوجی کارروائیوں میں اسے ایک بار بھی حصہ لینے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس کے باوجود ہندوستان میں اس کی فوجی صلاحیتیں مدت ہوئی اچھی طرح تسلیم کر لی گئی تھیں اور ایسی مقتدر ہستی کی طرف سے جو عظیم ترین جنرل ہے، جسے انگلستان نے مارلبرو کے بعد پیدا کیا ہے یعنی سر چارلس جیمیس نیپئر۔ لیکن نیپئر آزاد منش انسان تھا، حکمراں اولیگارکی کے سامنے نہ جھکنے والا غیور_ اور اس کی سفارش کیمبل کو مشتبہ اور نا قابل اعتبار بنا دینے کے لئے کافی تھی۔

چنانچہ اس جنگ میں دوسرے لوگوں نے خطاب اور اعزاز حاصل کئے۔ ان میں کارس کا سر ولیم فینویک ولیمس تھے جو اپنی پچھلی کامیابی پر قانع رہنے ہی کو اچھا سمجھتے ہیں جسے انہوں نے بے حیائی، خودنمائی اور جنرل کمیٹی کی جائز حاصل کی ہوئی شہرت کو غصب کر کے حاصل کیا ہے۔ رتبہ نوابی، سالانہ ایک ہزار پونڈ والی پنشن، وولوچ میں اچھا عہدہ اور پارلیمنٹ میں نشست کافی ہیں کہ انہیں ہندوستان میں اپنی

شہرت کو خطرے میں ڈالنے سے روکیں۔اس کے برعکس ''ریڈان کے ہیرو''جنرل ونڈھم نے مقامی سپاہیوں کے خلاف ایک ڈویژن کی کمان سنبھال لی ہے اور ان کے پہلے ہی عمل نے ان کو ہمیشہ کے لئے بدنام کر دیا ہے۔انہی ونڈھم نے جو اچھے خاندانی رابطوں کے حامل ایک غیر معروف کرنل تھے، ریڈان پر دھاوے (81) کے وقت ایک بریگیڈ کی کمان تھی۔اس فوجی کارروائی کے دوران ان کا رویہ انتہائی ٹھس تھا اور آخر کار جب کمک نہیں آئی تو انہوں نے اپنے دستوں کو دوبارہ چھوڑ دیا تا کہ وہ خود عقب میں جا کر معلومات حاصل کریں۔اس مشتبہ عمل کے نتیجے میں، جس کی دوسری افواج میں کورٹ مارشل تحقیقات کرتا، انہیں براہ راست جنرل بنا دیا گیا اور اس کے فوراً ہی بعد چیف آف اسٹاف کے عہدے پر فائز کر دیا گیا۔

جب کالن کیمبل نے لکھنؤ کی جانب پیش قدمی کی تو انہوں نے پرانی مورچہ بندی کیمپ اور شہر کانپور کو گنگا پر پُل سمیت جنرل ونڈھم کی نگرانی میں دے دیا اور اس مقصد کے لئے کافی فوج۔100 سواروں کے علاوہ مجموعی یا جزوی طور پر مکمل پیدل فوج کی پانچ رجمنٹیں، مورچے کی کئی توپیں، 10 میدانی توپیں اور دو بحری توپیں تھیں۔کل قوت 2000 سے زیادہ تھی۔جب کیمبل لکھنؤ میں برسر پیکار تھے تو باغیوں کی جماعتیں جو دوآبے کے قریب منڈلا رہی تھیں، کانپور پر حملہ کرنے کے لئے متحد ہو گئیں۔متفرق ٹولیوں کے علاوہ جنہیں باغی زمینداروں نے جمع کیا تھا، حملہ آور قوت مشتمل تھی۔تربیت یافتہ دستوں پر بھی (انہیں پر نظم نہیں کہا جا سکتا) یہ تھے دیناپور کے سپاہیوں کے باقی ماندہ اور گوالیار امدادی فوج کا ایک حصہ۔آخر الذکر وہ تنہا دستے تھے جن کی تشکیل کمپنیوں کی حدود سے بھی بڑے پیمانے پر ہوئی تھی کیونکہ ان کے افسر تقریباً تمام تر مقامی تھے اور چنانچہ انہوں نے منظم بٹالینوں کی

طرح کچھ تنظیم برقرار رکھی۔ لہٰذا انہیں انگریز قدرے عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ونڈھم کو مدافعت پر جمے رہنے کی سخت ہدایات تھیں لیکن کیمبل سے اپنے مراسلات کے جواب نہ پانے پر، کیونکہ رسل و رسائل کا سلسلہ ٹوٹ گیا تھا، انہوں نے فیصلہ کیا کہ اپنی ہی ذمے داری پر اقدام کریں۔ 26 نومبر کو انہوں نے 1200 پیدل فوج، 100 گھڑسوار اور 8 توپیں لے کر بڑھتے ہوئے باغیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے پیش قدمی کی۔ باغیوں کے ہراول کو آسانی سے شکست دینے کے بعد انہوں نے دیکھا کہ خاص کالم قریب آ رہا ہے اور وہ کانپور کے قریب تک پسپا ہو گیا۔ انہوں نے یہاں شہر کے سامنے مورچہ قائم کیا۔ 34 ویں رجمنٹ بائیں جانب اور رائفل (5 کمپنیاں) اور 82 ویں رجمنٹ کی دو کمپنیاں دائیں جانب۔ پسپائی کا راستہ شہر سے گزرتا تھا اور بائیں پہلو کے پیچھے اینٹوں کی بھٹیاں تھیں۔ محاذ سے چار سو گز تک اور مختلف نقطوں پر اس سے بھی قریب تر پہلوؤں میں، پیڑ اور جنگل تھے جو پیش قدمی کرتے ہوئے دشمن کو بہت اچھی آڑ فراہم کرتے تھے۔ درحقیقت اس سے بدترین جگہ کا انتخاب نہیں کیا جا سکتا تھا۔ برطانیہ والے کھلے میدان میں خطرے سے دوچار تھے اور ہندوستانی تین سو سے چار سو گز تک کی اوٹ میں آگے بڑھ سکتے تھے۔ ونڈھم کی ''سورمائی'' کو مزید واضح کرنے کے لئے یہ بتانا چاہیے کہ قریب ہی ایک بہت اچھی پوزیشن تھی جہاں محاذ اور عقب میں میدان تھا اور محاذ کے سامنے رکاوٹ کی طرح ایک نہر۔ لیکن ظاہر ہے کہ بدترین پوزیشن پر اصرار کیا گیا۔ 27 نومبر کو دشمن نے توپوں کی باڑھ ماری اور وہ اپنی توپیں اوٹ کے کنارے تک لے آیا جو اسے جنگل نے فراہم کیا تھا۔ ونڈھم انکسار سے، جو ایک سورما میں جبلی ہوتا ہے، اسے ''بمباری'' کہتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ان کے دستوں نے پانچ گھنٹے تک اسے

برداشت کیا۔لیکن اس کے بعد ایک ایسی بات واقع ہوئی جسے نہ تو ونڈھم نے، نہ وہاں موجود کسی آدمی اور نہ ہندوستانی اور برطانوی اخبارات نے بتانے کی ہمت کی ہے۔اس لمحے سے جب توپوں کی باڑھ لڑائی میں تبدیل ہوگئی تو اطلاعات کے ہمارے سارے براہ راست ذرائع کٹ گئے اور ہمیں متذبذب، حیلہ ساز اور غیر مکمل شہادت سے اپنے نتائج اخذ کرنا پڑے۔ونڈھم ذیل کے غیر مربوط بیان تک اپنے آپ کو محدود رکھتے ہیں:

"دشمن کی شدید بمباری کے باوجود میری فوج نے حملے (میدانی دستوں پر توپوں کی باڑھ کو حملہ کہنا عجیب وغریب ہے) کی پانچ گھنٹے تک مزاحمت کی اور اپنے پیر جمائے رکھے،اس وقت تک 88ویں رجمنٹ کے ہاتھوں سنگین سے چھدے ہوئے آدمیوں کی تعداد سے مجھے معلوم ہوا کہ باغی پوری طرح شہر میں داخل ہوگئے ہیں۔جب مجھے مطلع کیا گیا کہ وہ قلعہ پر حملہ کررہے ہیں تو میں نے جنرل ڈیوپیوی کو ہدایت کی کہ وہ پسپا ہوجائیں۔ساری قوت اندھیرا ہونے سے کچھ ہی پہلے قلعہ میں پسپا ہوگئی اور ہمارے ذخیرے اور توپیں ساتھ لے گئی۔بھیر بنگاہ کے بھاگ جانے کی وجہ سے میں اپنے کیمپ کا سازو سامان اور دوسرا سفری سامان نہیں لے جاسکا۔اگر میرے جاری شدہ حکم کے پہنچانے میں ایک غلطی نہیں ہوئی ہوتی تو میرے خیال میں ہمارے قدم جمے رہتے، ہر صورت میں اندھیرے تک"۔

جنرل ونڈھم، جوریڈان میں یہ جبلت دکھا چکے ہیں، محفوظ فوج (ہمیں یہ نتیجہ اخذ کرنا چاہیے کہ 88 رجمنٹ جس کا شہر پر قبضہ تھا) کے پاس گئے اور دیکھا کہ دشمن نہ زندہ ہے اور نہ لڑ رہا ہے بلکہ دشمن کی بڑی تعداد کو 88ویں رجمنٹ نے سنگینوں سے ہلاک کردیا ہے۔اس حقیقت سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ دشمن (وہ یہ نہیں کہتے

کہ مردہ یا زندہ) شہر میں پوری طرح داخل ہوگیا؛ نتیجہ جو قاری اور خود ان کے لئے پریشان کن ہوسکتا ہے لیکن ہمارا سورما یہیں تک محدود نہیں رہتا۔ انہیں مطلع کیا گیا کہ قلعہ پر حملہ کیا گیا تھا۔ ایک عام جنرل اس افسانے کی صداقت کی تحقیق کر سکتا تھا جو بلاشبہ غلط ثابت ہوا۔ لیکن ونڈھم نہیں۔ وہ پسپائی کا حکم دیتے ہیں اگرچہ ان کے دستے کم از کم اندھیرے تک اپنے مورچے کو قائم رکھ سکتے تھے، اگر ونڈھم کے ایک حکم کی ترسیل میں غلطی نہ ہوئی ہوتی، چنانچہ پہلے آپ کو ونڈھم کا یہ "بہادرانہ نتیجہ" ملتا ہے کہ جہاں کئی مردہ مقامی سپاہی ہیں وہاں بہت سے زندہ ہوں گے۔ دوسرے، قلعے پر حملہ کے متعلق غلط انتباہ اور تیسرے حکم کی ترسیل میں غلطی۔ ان تمام مجموعہ حادثوں کی وجہ سے یہ ممکن ہوا کہ مقامی باشندوں کے ایک بڑے انبوہ نے ریڈان کے سورما کو شکست دے دی اور ان کے غیر مغلوب چیدہ سپاہیوں کو پیٹ دیا۔ دوسرا رپورٹر جو ایک افسر ہے، کہتا ہے:

"میں نہیں سمجھتا کہ کوئی بھی اس سہ پہر کی لڑائی اور پسپائی کو صحیح طور پر بیان کر سکتا ہے۔ پسپائی کا حکم دیا گیا تھا۔ ملکہ کی 34 ویں پیدل رجمنٹ کو اینٹوں کی بھٹی کے پیچھے پسپا ہونے کی ہدایت کی گئی لیکن نہ تو افسر اور نہ سپاہی جانتے تھے کہ وہ ہے کہاں؛ یہ خبر چھاؤنیوں میں تیزی سے پھیل گئی کہ ہماری فوج کو بری طرح شکست ہوئی اور پسپائی پر اندرونی موچوں میں زبردست بھگدڑ مچ گئی جس طرح آبشار نیاگرہ میں پانی کا ریلا بلا مزاحمت گرتا ہے، سپاہی اور ملاح، یورپی اور مقامی، مرد، عورتیں اور بچے، گھوڑے، اونٹ اور بیل 2 بجے دن سے بے شمار تعداد میں آنے لگے۔ رات شروع ہونے تک مورچہبند چھاؤنی جو آدمیوں، جانوروں، سفری سامان، کھاٹ کھٹولوں اور لاکھوں ناقابل بیان سر پر لدے ہوئے سامانوں کا معجون

مرکب تھی، اُس انتشار کا مقابلہ کرسکتی تھی جو تخلیق کے حکمِ ربانی سے پہلے وجود رکھتا تھا‘‘۔

آخر میں ’’ٹائمز‘‘ کا کلکتہ کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ بظاہر برطانیہ نے 27 تاریخ کو مصیبت جھیلی ’’جو تقریباً پسپائی کے مترادف ہے‘‘ لیکن حب الوطنی کے جذبے کی وجہ سے اینگلو انڈین پریس اس بے عزتی پر فیاضی کا تاریک پردہ ڈال رہا ہے۔ مگر اتنا تسلیم بھی کیا جاتا ہے کہ ملکہ معظمہ کی ایک رجمنٹ جو زیادہ تر رنگروٹوں پر مشتمل تھی تتر بتر ہو گئی مگر ہار نہیں مانی۔ قلعے میں انتہائی ابتری پھیلی ہوئی تھی اور ونڈھم اپنے آدمیوں پر کنٹرول بالکل کھو چکے تھے۔ یہاں تک کہ 28 تاریخ کی شام کو کیمبل پہنچے اور ’’چند سخت الفاظ سے‘‘ پورا انتظام کر دیا۔

تو اب ان تمام الجھے ہوئے اور حیلہ ساز بیانات سے کیا نتائج نکالے جا سکتے ہیں؟ صرف یہ کہ ونڈھم کی نالائق ہدایت کے تحت برطانوی فوج کو مکمل طور پر شکست کا منہ دیکھنا پڑا اگر چہ اس سے بچنا ممکن تھا، یعنی کہ جب پسپائی کا حکم دیا گیا تو 34 ویں رجمنٹ کے افسر جنہوں نے اس زمین سے واقف ہونے کی کسی طرح کی بھی تکلیف گوارا نہیں کی تھی، یہاں وہ لڑتے رہے اور وہ جگہ معلوم نہیں کر سکے جہاں انہیں پسپا ہونے کا حکم دیا گیا تھا حتیٰکہ رجمنٹ افراتفری میں مبتلا ہو گئی اور آخر کار پسپا ہو گئی کہ اس سے کیمپ میں دہشت پھیل گئی جس نے ضبط اور ڈسپلن کی تمام حدود توڑ ڈالیں اور جس کی وجہ سے کیمپ کا ساز و سامان اور سفری سامان کا ایک حصہ ضائع ہوا کہ آخر میں ونڈھم کے ذخیروں کے متعلق دعویٰ کے باوجود 1500 چھوٹے کارتوس، خزانچی کے لوہے کے صندوق، کئی رجمنٹوں کے لئے جوتے اور لباس اور نئی وردیاں دشمن کے قبضے میں آ گئیں۔

انگریز پیدل فوج جب قطار یا کالم میں ہوتی ہے تو شاذونادر ہی بھاگتی ہے۔ روسیوں کی طرح اس میں ایک قدرتی پیوستگی ہوتی ہے جو عام طور پر صرف پرانے سپاہیوں میں ملتی ہے اور جس کی تشریح جزوی طور پر یوں کی جا سکتی ہے کہ دونوں افواج میں پرانے سپاہیوں کی خاصی تعداد ہوتی ہے، لیکن جزوی طور پر اس کا قومی کردار سے بھی تعلق ہے۔ یہ وصف، جس کا بہادری سے بالکل تعلق نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی جبلت کا انوکھا اظہار ہے، اب بھی بہت قیمتی ہے۔ خاص طور پر دفاعی پوزیشن میں۔ یہ وصف جو انگریزوں کی بلغمی مزاج کے بھی مطابق ہے، دہشت کو روکتا ہے۔ لیکن یہ بھی کہنا چاہیے کہ جب آئر لینڈ کی فوجیں منتشر ہو جاتی ہیں اور ان پر دہشت چھا جاتی ہے تو انہیں منظم کرنا آسان نہیں ہوتا۔ یہ 27 نومبر کو ونڈھم کے ساتھ پیش آیا۔ اب سے ان کا شمار ان انگریز جنرلوں کی مختصر لیکن ممتاز فہرست میں کیا جائے گا جو اپنی فوج کو دہشت کی وجہ سے بھگانے میں کامیاب رہے ہیں۔

28 تاریخ کو گوالیار کی فوج کو بٹھور سے کافی کمک مل گئی اور وہ برطانوی خندقی چوکیوں سے چار سو گز تک آ گئی۔ ایک اور جھڑپ ہوئی جو حملہ آوروں نے بغیر کسی توانائی کے شروع کی۔ اس کے دوران 64 ویں رجمنٹ کے سپاہیوں اور افسروں نے حقیقی جرات کی مثال پیش کی جسے سن کر ہمیں خوشی ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ معرکہ اتنا ہی احمقانہ تھا جتنا کہ مشہور بالا کلاوا کا حملہ۔ اس کی ذمے داری بھی ایک مردہ آدمی ــــ رجمنٹ کے کرنل ولسن پر رکھی جاتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ولسن دشمن کی چار توپوں کے خلاف ایک سو اسی جوان لے کر آگے بڑھا جن کی مدافعت برتر تعداد کر رہی تھی۔ ہمیں یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ تھے کون لیکن انجام سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ

وہ گوالیار کے دستے تھے۔انگریزوں نے تیزی سے توپوں پر قبضہ کرلیا۔میخ سے تین کونا کارہ بنادیا اور کچھ دیر تک ڈٹے رہے۔اور جب کمک نہیں آئی تو انہیں پسپا ہونا پڑا اور اپنے ساٹھ جوانوں اور زیادہ تر افسروں کو میدان ہی میں چھوڑ دیا۔نقصان سے شدید لڑائی کا ثبوت ملتا ہے۔یہاں ہمارے سامنے ایک چھوٹی سی قوت ہے جس کا مقابلہ اچھی طرح کیا گیا جو اس کے نقصانات سے ظاہر ہوتا ہے اور یہ قوت توپوں پر اس وقت قابض رہی جب تک کہ اس کی ایک تہائی تعداد کام نہیں آگئی ۔یہ شدید لڑائی تھی اور دہلی پر دھاوا بولنے کے بعد اپنی قسم کی پہلی مثال ۔لیکن جس آدمی نے اس پیش رفت کا منصوبہ بنایا وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کا کورٹ مارشل کیا جائے اور اسے گولی سے اڑایا جائے۔ونڈھم کا کہنا ہے کہ وہ ولسن تھا۔وہ اس پیش قدمی میں کام آگیا تھا اور جواب نہیں دے سکتا۔

شام کو ساری برطانوی فوج قلعے میں محبوس رہی جہاں افراتفری چھائی ہوئی تھی۔اور پل کے قریب پوزیشن عیاں طور پر خطرے میں تھی لیکن اس وقت کیمبل آ گئے۔انہوں نے نظام بحال کیا۔صبح نئے دستے حاصل کیے اور دشمن کو اس حد تک دھکیل دیا کہ پل اور قلعہ محفوظ رہے۔پھر انہوں نے تمام زخمیوں،عورتوں،بچوں اور سامان کو دوسرے کنارے پار کرایا اور دفاعی پوزیشن اختیار کی۔ یہاں تک کہ وہ سب الہ آباد جانے والی سڑک پر چلنے لگے۔جونہی یہ کام انجام دے دیا گیا تو 6 تاریخ کو انہوں نے مقامی سپاہیوں پر حملہ کیا اور انہیں شکست دی اور اسی دن ان کی سوار فوج اور توپخانے نے چودہ میل تک مقامی سپاہیوں کا تعاقب کیا۔یہ کہ کوئی مزاحمت نہیں کی گئی،کیمبل کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے۔وہ صرف اپنے دستوں کی پیش قدمی بیان کرتے ہیں اور دشمن کی مزاحمت یا جوڑتوڑ کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔کوئی

مزاحمت نہیں تھی، وہ لڑائی نہیں بلکہ ایک قتل عام تھا۔ بریگیڈیئر ہوپ گرانٹ نے ایک ہلکی ڈویژن لے کر بھگوڑوں کا تعاقب کیا اور 8 تاریخ کو انہیں پکڑا جب وہ ایک دریا پار کر رہے تھے۔ اس صورت میں مجبوراً انہیں لڑنا اور شدید جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ اس واقعے پر کیمبل کی پہلی یعنی لکھنؤ اور کانپور کی مہم ختم ہوگئی اور اب کارروائیوں کے نئے سلسلے شروع ہونے والے ہیں جن کے پہلے نتائج ہمیں نصف ماہ یا تین ہفتے کے اندر پہنچنے کی توقع ہے۔

فریڈرک اینگلز نے 2 فروری 1858 کو تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبیون" کے شمارے 5253 میں 20 فروری 1858 کے اداریئے کی حیثیت سے شائع ہوا۔

فریڈرک اینگلز

لکھنؤ کی تسخیر (82)

ہندوستانی بغاوت کا دوسرا نازک دور ختم ہوگیا ہے۔ پہلے دور کا مرکز دہلی تھا۔ وہ اس شہر پر ہلا بول کر ختم کر دیا گیا۔ دوسرا لکھنؤ میں مرکوز تھا اور اب یہ جگہ بھی فتح کر لی گئی ہے۔ اگر ان مقامات میں نئی بغاوتیں نہیں ہوئیں جو ابھی تک خاموش تھے تو اب بغاوت بتدریج ختم اور با آخر کار فرو ہو جائے گی جس کے دوران باغی آخر کار "ڈاکوؤں یا رہزنوں کا کردار" اختیار کر لیں گے اور ملک کے باشندوں کو اپنا ہی دشمن پائیں گے جتنا خود انگریزوں کو۔

لکھنؤ پر دھاوا بولنے کی تفصیلات ہنوز موصول نہیں ہوئیں مگر ہمیں ابتدائی کارروائیوں اور آخری لڑائیوں کے خاکوں کا علم ہے۔ ہمارے قارئین یاد کریں کہ

لکھنؤ کی ریزیڈنسی کی نجات کے بعد جنرل کیمبل نے اس مورچے کو اُڑا دیا تھا اور جنرل اوٹرم کو 5000 جوانوں کی معیت میں عالم باغ میں چھوڑ دیا تھا جو شہر سے چند میل پر ایک مضبوط مورچہ ہے۔ وہ خود اپنی باقی فوج کے ساتھ کانپور لوٹ آئے جہاں باغیوں کی ایک جماعت نے جنرل ونڈھم کو شکست دی تھی ان کو کیمبل نے مکمل طور پر شکست دے دی اور دریائے جمنا کے پار کالپی تک بھگا دیا۔ پھر انہوں نے کانپور میں کمک اور بھاری توپوں کی آمد کا انتظار کیا، حملے کے اپنے منصوبے مرتب کیے، مختلف کالموں کے ارتکاز کے لئے احکامات جاری کئے جو اودھ میں پیشقدمی کرنے والے تھے اور خاص طور پر کانپور کو بڑے اچھے قلعہ بند کیمپ میں تبدیل کر دیا تا کہ وہ لکھنؤ کے خلاف کارروائیوں کے قریب ترین اور خاص بنیاد بن سکے۔ جب یہ سب پایہ تکمیل کو پہنچا دیا گیا تو قبل اِس کے کہ وہ پیش قدمی کرنے کو محفوظ سمجھیں انہیں ایک اور فریضہ پورا کرنا تھا۔ ایک ایسا فریضہ جس کو پورا کرنے کی کوشش انہیں تمام گزشتہ ہندوستانی کمانڈروں سے ممتاز کرتی ہے۔ انہوں نے عورتوں کے کیمپ کے آس پاس کوچہ گردی کی اجازت نہیں دی۔ لکھنؤ میں اور کانپور کے مارچ کے وقت وہ ان ''پریوں'' کو خوب بھگت چکے تھے۔ وہ یہ بالکل قدرتی سمجھتی تھیں کہ فوج کی نقل و حرکت کو، جیسا کہ ہندوستان میں ہمیشہ ہوتا رہتا ہے، ان کی ترنگ اور ان کی آراء کے تابع ہونا چاہیے۔ جیسے ہی کیمبل کانپور پہنچے انہوں نے اس سارے دلچسپ اور پریشان کن قبیلے کو الٰہ آباد روانہ کر دیا جو اس سے کافی دور تھا۔ پھر انہوں نے خواتین کا دوسرا گروپ بلوایا جو آگرے میں تھا۔ جب تک وہ کانپور نہیں آئیں اور جب تک انہیں حفاظت سے الٰہ آباد روانہ نہیں کیا گیا تب تک کیمبل لکھنؤ کی جانب پیش قدمی کرنے والے اپنے دستوں کے ساتھ شامل نہیں

ہوئے۔

اودھ کی اس مہم کے لئے جو انتظامات کئے گئے وہ پیمانے کے لحاظ سے ہندوستان میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ انگریزوں نے اپنی سب سے بڑی مہم میں افغانستان پر حملے میں (83) جو فوج استعمال کی تھی اس کی تعداد کبھی 20,000 سے زیادہ نہیں ہوئی اور ان میں بھاری اکثریت مقامی فوجیوں کی تھی۔ اودھ کی اس مہم میں صرف یورپیوں کی تعداد اس ساری فوج سے زیادہ تھی جو افغانستان بھیجی گئی تھی۔ بنیادی فوج جس کی رہنمائی کالن کیمبل نے ذاتی طور پر کی پیدل فوج کی تین ڈویژنوں، سوار فوج کے ایک اور توپخانے اور انجینئروں کے ایک ڈویژن پر مشتمل تھی۔ اوٹرم کے تحت پیدل فوج کے پہلے ڈویژن نے عالم باغ کو اپنے قبضے میں رکھا۔ وہ مشتمل تھا پانچ یورپی اور ایک مقامی رجمنٹ پر۔ دوسرا ڈویژن (چار یورپی اور ایک مقامی رجمنٹ) اور تیسرا (پانچ یورپی اور ایک مقامی رجمنٹ)، سرہوپ گرانٹ کے تحت سوار فوج کا ڈویژن (تین یورپی اور چار یا پانچ مقامی رجمنٹیں) اور زبردست توپخانہ (اڑتالیس میدانی توپیں، محاصرے کا سامان اور انجینئر) کیمبل کی فعال قوت تھی جسے لے کر انہوں نے کانپور سے سڑک پر پیش رفت کی۔ گومتی اور گنگا کے درمیان جونپور اور اعظم گڑھ میں بریگیڈیئر فرلنکس کے تحت جو بریگیڈ مرکوز تھا اسے دریائے گومتی کے ساتھ ساتھ لکھنو کی طرف بڑھنا تھا۔ اس بریگیڈ میں مقامی فوج کے علاوہ تین یورپی رجمنٹیں اور دو توپخانے تھے اور یہ کیمبل کے دائیں بازو کی تشکیل کرتا تھا۔ اسے شامل کرنے کے بعد کیمبل کی کل قوت اس پر مشتمل تھی:

پیدل

گھڑ سوار

توپ خانہ اور انجینئر

کل

یورپی

15000

2000

3000

20000

دیسی

5000

3000

2000

10000

یا کُل 30,000۔ اس میں 10,000 نیپالی گورکھوں کو شامل کر دیا جائے جو جنگ بہادر کی رہنمائی میں گورکھپور سے سلطان پور کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے تو حملہ آور فوج میں 40,000 آدمی تھے جو تقریباً سب باقاعدہ فوج کے تھے لیکن صرف اتنا ہی نہیں ہے، کانپور کے جنوب میں ایک طاقتور کالم کے ساتھ سر روز ساگر سے کالمی اور جمنا کے بہاؤ کی جانب پیش قدمی کر رہے تھے تاکہ فرنکس اور کیمبل کے دو کالموں کے درمیان سے اگر مفرور بچ کر بھاگنے کی کوشش کریں تو انہیں پکڑ لیا جائے۔ شمال مغرب میں بریگیڈیئر چمبرلین نے فروری کے آخر میں بالائی گنگا کو پار کیا اور روہیل کھنڈ میں داخل ہو گئے جو اودھ کے شمال مغرب میں واقع ہے اور جیسا

کہ بجا طور پر توقع کی جاتی تھی باغی فوج کی پسپائی کی خاص منزل تھا۔ اودھ کے اردگرد شہروں کی محافظ فوجوں کو بھی اس قوت میں شامل کرنا چاہیے جو اس مملکت کے خلاف براہ راست یا بالواسطہ استعمال کی گئی۔ تو یہ قوت یقینی طور پر 70,000 سے 80,000 تک تھی جس میں سرکاری بیانات کے مطابق کم از کم 28000 انگریز تھے۔ اس میں سر جان لارنس کی وہ بڑی قوت شامل نہیں کی گئی ہے جو دہلی پر پہلو کی پوزیشن کی حیثیت سے قبضہ کیے ہوئے تھی اور جو میرٹھ اور دہلی میں 5500 یورپیوں اور پنجاب کے 20,000 یا 30,000 مقامی باشندوں پر مشتمل تھی۔

اس زبردست قوت کا ارتکاز نتیجہ تھا جزوی طور پر جنرل کیمبل کی سرگرمیوں کا اور جزوی طور پر ہندوستان کے مختلف حصوں میں بغاوت کو کچل دیئے جانے کا جس کے سبب فوجیں قدرتی طور پر عمل کے منظر کی جانب مرکوز کی گئیں۔ بلاشبہ کیمبل چھوٹی قوت کو ساتھ لے کر بھی اقدام کرنے کی جرات کرتے لیکن وہ اس کا انتظار کر رہے تھے کہ حالات کی بدولت ان کے ہاتھ میں نئے ذرائع آ گئے۔ وہ ایسے انسان نہیں ہیں کہ انہیں استعمال کرنے سے انکار کر دیتے، اس قلیل دشمن کے خلاف بھی جس سے وہ جانتے تھے کہ لکھنؤ میں دوچار ہوں گے۔ اور یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ تعداد خواہ کتنی ہی مرعوب کن نظر آئے وہ ہنوز اتنے بڑے رقبے پر پھیلی ہوئی تھی جتنا فرانس اور یہ کہ لکھنؤ میں فیصلہ کن نقطے پر وہ صرف 20,000 یورپیوں، 10,000 ہندوستانیوں اور 10,000 گورکھوں کو استعمال کریں گے۔ مقامی کمان کے تحت آخر الذکر کی اہمیت کم از کم مشتبہ ہے۔ یہ قوت اگرچہ صرف یورپی اجزاء کو پیش نظر رکھتے ہوئے جلد فتح کی ضمانت کے لئے یقینی ضرورت سے زیادہ تھی لیکن اس کے

باوجود اس کی تعداد اپنے فریضے سے غیر متناسب نہیں تھی اور غالباً کیمبل اودھ والوں کو سفید چمڑی والی ایسی مرعوب کن فوج دکھانا چاہتے تھے جیسی ہندوستان میں ـــ ایک ایسی بغاوت کے جواب میں جو یورپیوں کی چھوٹی تعداد اور ملک میں ان کے بکھرے ہونے کی وجہ سے ممکن ہوئی تھی ـــ پہلے کسی نے نہ دیکھی تھی۔

اودھ میں فوج بنگال کی رجمنٹوں کی باقیات اور خود ملک سے جمع کی ہوئی فوج پر مشتمل تھی۔ اول الذکر میں 35000 یا 40,000 سے زیادہ جوان نہیں ہوں گے۔ لڑائیوں، فوج سے فرار اور پست ہمتی نے اس قوت کو جو ابتداء میں 80,000 تھی گھٹا کر کم از کم نصف کر دیا ہوگا اور جو کچھ باقی رہ گئے تھے غیر منظم، مایوس، ناقص طریقے سیلیس اور کارزار میں اترنے کے بالکل اہل نہیں تھے۔ نئی جمع کی ہوئی فوج ایک لاکھ سے ڈیڑھ لاکھ تک بیان کی جاتی ہے لیکن اس کی تعداد خواہ کچھ بھی ہو غیر اہم ہے۔ ان کے ہتھیار صرف جزوی طور پر بندوقیں تھیں، وہ بھی گھٹیا قسم کی۔ بہت سے لوگوں کے پاس ایسے ہتھیار تھے جو صرف مڈبھیڑ کے لئے مقصود تھے ـــ لیکن اس قسم کی لڑائی کا ان کے لئے کم سے کم امکان تھا۔ اس قوت کا زیادہ تر حصہ لکھنؤ میں تھا جو سر اوٹرم کی فوج سے دوچار تھا لیکن دو کالم الہ آباد اور جونپور کی جانب مصروف جنگ تھے۔

لکھنؤ پر ارتکازی نقل و حرکت تقریباً فروری کے وسط میں شروع ہوئی۔ 15 سے 26 تاریخ تک خاص فوج اور اس کے بے شمار ہمراہیوں نے (صرف بھیر و بنگاہ 60000 تھے) کانپور سے اودھ کی راجدھانی کی طرف بغیر کسی مزاحمت کے کوچ کیا۔ اسی دوران میں دشمن نے اوٹرم کے مورچے پر 21 اور 24 فروری کو حملہ کیا جس کی کامیابی کا کوئی امکان نہ تھا۔ 19 تاریخ کو فریلنکس نے سلطان پور پر

یورش کی اور ایک ہی دن میں باغیوں کے دو کالموں کو شکست دے دی اور ان کا اس حد تک تعاقب بھی کیا جس حد تک سوار فوج کی غیر موجودگی اجازت دیتی تھی۔ دو شکست خوردہ کالم متحد ہو گئے اور فریلنکس نے 23 تاریخ کو انہیں پھر شکست دے دی۔ اس میں ان کا 20 توپوں، سارے کیمپ اور سامان سفر کا نقصان ہوا۔ جنرل ہوپ گرانٹ نے بھی، جو خاص فوج کے اگلے محافظ دستوں کی کمان کر رہے تھے، اس کے تیز کوچ کے وقت اپنے آپ کو اس سے علیحدہ کر لیا اور 23 اور 24 تاریخ کو لکھنؤ سے روہیل کھنڈ جانے والی سڑک پر دو قلعے تباہ کر دیئے۔

2 مارچ کو خاص فوج لکھنؤ کے جنوبی پہلو میں مرکوز کر دی گئی۔ اس پہلو کو ایک نہر محفوظ کرتی تھی جسے کیمبل کو شہر پر اپنے گزشتہ حملے کے وقت بھی پار کرنا پڑا تھا۔ اب اس نہر کے پیچھے مضبوط قلعہ بندیاں کھڑی کر دی گئی تھیں۔ 3 تاریخ کو انگریزوں نے دلکشا باغ پر قبضہ کر لیا جس پر پہلی بار بھی حملہ کیا گیا تھا۔ 4 تاریخ کو بریگیڈیئر فریلنکس خاص فوج سے آن ملے اور اس کے داہنے پہلو کی تشکیل کی جس حفاظت دریائے گومتی کرتا تھا۔ اسی دوران میں دشمن کی مورچہ بندیوں کی سیدھ باندھ کر توپخانے نصب کر دیئے گئے اور شہر کے نیچے گومتی کے آر پار دو تیرتے ہوئے پل تعمیر کر لئے گئے۔ اور جونہی تعمیر مکمل ہوگئی سر اوٹرم نے پیدل فوج کی ایک ڈویژن، 1400 سوار اور 30 توپیں لے کر دریا کو پار کیا تاکہ بائیں یا شمال مشرقی کنارے مورچہ جمائیں۔ یہاں سے وہ نہر کے ساتھ ساتھ دشمن کی لائن کے بڑے حصے کا صفایا کر سکتے تھے اور اس کے عقب میں کئی قلعہ بند محلات کا بھی۔ انہوں نے اودھ کے سارے شمال مشرقی حصے کے ساتھ دشمن کی نقل و حمل کو بھی منقطع کر دیا تھا۔ 6 اور 7 تاریخ کو انہیں خاصی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا لیکن انہوں نے دشمن کو پسپا

کر دیا۔ 8 تاریخ کو ان پر پھر حملہ کیا گیا لیکن بغیر کامیابی کے۔ اس دوران میں داہنے کنارے پر واقع توپخانوں نے بمباری شروع کر دی۔ اوٹرم کے توپ خانوں نے دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ بازو اور عقب میں باغیوں پر بمباری کی اور 9 تاریخ کو دوسرے ڈویژن نے سر لوکارڈ کے زیر کمان لامارٹینیئر پر دھاوا بولا جو ہمارے قارئین کو یاد ہو گا کہ ایک کالج اور پارک ہے جو نہر کے جنوب میں واقع ہے جہاں نہر گومتی سے ملتی ہے اور وہ دلکشا کے سامنے ہے۔ 10 تاریخ کو بینک ہاؤس پر دھاوا بولا گیا اور حملہ آور اس پر قابض ہو گئے۔ اوٹرم دریا کے بالائی حصے پر پیش قدمی کرنے لگا اور اوٹرم نے کنکر والے پل پر حملہ کر کے اسے سر کیا جو دریا کے بائیں کنارے سے شہر کو ملاتا ہے۔ پھر وہ اپنی فوج کو پار لے گیا اور سامنے کی اگلی عمارت پر حملہ کرنے میں شریک ہو گیا۔ 13 مارچ کو دوسری قلعہ بند عمارت، امام باڑے پر حملہ کیا گیا۔ پھر حفاظتی مورچہ بنایا تاکہ بچاؤ کی جگہ میں توپ خانے نصب کئے جا سکیں اور اگلے دن جب رخنہ مکمل ہو گیا تو اس عمارت پر دھاوا بول دیا گیا۔ دشمن قیصر باغ کی طرف بھاگنے لگا اور انگریز اس کا تعاقب اتنی تیزی سے کرنے لگے کہ مفروروں کے سایوں کی طرح محل میں داخل ہوئے۔ شدید لڑائی شروع ہوئی لیکن 3 بجے سہ پہر کو محل انگریزوں کے قبضے میں تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معاملات کو انجام تک پہنچا دیا گیا۔ کم از کم مزاحمت کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور کیمبل نے مفروروں کے تعاقب اور گرفتاری کے لئے فوراً تدابیر اختیار کر لیں۔ بریگیڈیر کیمبل کو سوار فوج کا ایک ڈویژن اور کچھ اپسی توپ خانہ دے کر ان کا تعاقب کرنے کے لئے بھیجا گیا اور گرانٹ دوسرے بریگیڈ کو لکھنؤ سے روہیل کھنڈ جانے والی سڑک پر سیتاپور لے گیا تاکہ انہیں پکڑا جائے۔ ایک طرف شہر کی حفاظتی فوج کے اس حصے

کے لئے انتظام کیا گیا جو فرار ہو گیا تھا تو دوسری طرف پیدل اور سوار فوجیں شہر کے اندر مزید آگے بڑھیں تا کہ ان لوگوں کا صفایا کر دیا جائے جو ہنوز مزاحمت کر رہے تھے۔ 15 سے 19 تاریخ تک لڑائی خاص طور پر شہر کی تنگ گلیوں میں جاری رہی ہو گی کیونکہ دریا کے ساتھ ساتھ محلات کے سلسلے اور باغات پہلے ہی تسخیر کر لئے گئے تھے لیکن 19 تاریخ کو سارا شہر کیمبل کے ہاتھ میں تھا۔ تقریباً 50,000 باغیوں کے متعلق کہا گیا کہ وہ فرار ہو گئے، ایک حصہ روہیل کھنڈ کو اور دوسرا حصہ دوآبہ اور بندیل کھنڈ کی طرف۔ اس آخر الذکر سمت میں ان کے لئے فرار ہونے کا موقع تھا کیونکہ جنرل روز اپنے کالم کے ساتھ جمنا سے ہنوز کم سے کم ساٹھ میل دور تھے اور کہا جاتا ہے کہ ان کے دوبدو 30,000 باغی تھے۔ روہیل کھنڈ کی سمت میں یہ بھی امکان تھا کہ وہ دوبارہ مرتکز ہو سکیں۔ کیمبل ایسی حالت میں نہیں تھے کہ ان کا بڑی تیزی سے تعاقب کرتے اور چیمبرلین کا پتا ہمارے علم میں نہیں ہے اور صوبہ اتنا وسیع ہے کہ مختصر مدت کے لئے باغیوں کو پناہ فراہم کر سکتا ہے۔ لہٰذا بغاوت کی اگلی خصوصیت غالباً بندیل کھنڈ اور روہیل کھنڈ میں دو باغی فوجوں کی تشکیل ہو گی، لیکن آخر الذکر کو لکھنؤ اور دہلی کی فوجوں کے ارتکاز مارچوں کے ذریعے جلد ہی تباہ کیا جا سکتا ہے۔

اس مہم میں سر کیمبل کی کارروائیوں کی امتیازی خصوصیت ان کی حسب معمول دانائی اور توانائی ہے۔ لکھنؤ پر ارتکازی مارچ میں فوج کی ترتیب بڑھیا تھی اور حملے کے لئے ہر صورت حال سے فائدہ اٹھانے کے انتظامات کر لئے گئے تھے۔ دوسری طرف باغیوں کا رویہ اگر پہلے سے زیادہ نہیں تو اتنا ہی قابل نفرین تھا۔ لال کرتیوں کو دیکھ کر ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ فرینکس کے کالم نے تعداد کے لحاظ سے

اپنے سے بیس گنا کو شکست دی اور مشکل ہی سے اس کا کوئی آدمی کام آیا۔ اگرچہ حسب معمول تاروں میں ''سخت مزاحمت'' اور ''شدید لڑائی'' کی بات کی گئی ہے لیکن انگریزوں کے نقصانات، جہاں ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ اتنی مضحکہ خیز حد تک قلیل ہیں تو اندیشہ ہے کہ کسی شجاعت کی ضرورت ہی نہیں پڑی اور اس بار لکھنؤ میں کسی کو ہار نہیں پہنائے گئے، اس وقت کے مقابلے میں جب انگریز وہاں پہلے داخل ہوئے تھے۔

فریڈرک اینگلز نے 15 اپریل 1858 کو تحریر کیا۔ ''نیویارک ڈیلی ٹریبیون'' کے شمارے 5312 میں 30 اپریل 1858 کو اداریئے کی حیثیت سے شائع ہوا

فریڈرک اینگلز

لکھنؤ پر حملے کی تفصیلات

آخر کار لکھنؤ پر حملے اور اس کی شکست کی تفصیلی اطلاعات ہمارے پاس ہیں۔ اطلاعات کے خاص ذرائع، فوجی نقطہ نظر سے، سر کالن کیمبل کے مراسلات ابھی تک شائع نہیں ہوئے ہیں لیکن برطانوی پریس کے نامہ نگاروں کی رپورٹیں اور خاص طور سے ''لندن ٹائمز'' میں مسٹر رسل کے خطوط، جن کے خاص حصے ہمارے قارئین کی خدمت میں پیش کئے جا چکے ہیں، حملہ آور فریق کی کارروائیوں کی عام بصیرت حاصل کرنے کے لئے کافی ہیں۔

دفاع میں دکھائی گئی جہالت اور بزدلی کا جہاں تک تعلق ہے تو ہم نے تار برقی کی خبروں سے جو نتائج اخذ کئے تھے ان کی ضرورت سے زیادہ تصدیق تفصیلی بیانات سے ہوگئی ہے۔ جو تنصیبات ہندوستانیوں نے کھڑی کی تھیں، دیکھنے میں ناقابلِ

شکست لیکن حقیقت میں ان ڈراؤنے اژدھوں اور بناوٹی چہروں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھیں جن کی چینی ''جانباز'' اپنی ڈھالوں یا اپنی شہر پناہوں پر نقاشی کرتے ہیں۔ ہر واحد تنصیب نا قابلِ شکست مورچہ معلوم ہوتی تھی، ہر جگہ موکھے دار اور سوراخوں والی دیواریں اور دمدمے، ہر طرح کی رسائی کی مشکلات، توپیں اور بندوقیں اٹی ہوئی لیکن ہر مورچے کے پہلوؤں اور عقب کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا گیا۔ مختلف تنصیبات کی باہمی امداد پر کوئی غور نہیں کیا گیا، یہاں تک کہ تنصیبات کے درمیان اور ان کے سامنے بھی زمین صاف نہیں کی گئی اس لئے سامنے سے اور پہلو سے حملوں کی تیاری دفاع کے علم کے بغیر کی جاسکتی تھی اور دمدموں سے چند گز تک مکمل اوٹ میں رہ کر پہنچا جاسکتا تھا۔ یہ مورچہ بندوں کا ایک ایسا گڈمڈ تھا جس کی توقع صرف ان عام سرنگ کھودنے والے فوجیوں سے کی جاسکتی ہے جو اپنے افسروں سے محروم ہوگئے ہوں اور ایک ایسی فوج میں کام کر رہے ہوں جس پر جہالت اور بے ضبطی چھائی ہوئی ہو۔ لکھنؤ کی مورچہ بندیاں اینٹوں کی دیواروں اور دمدموں میں مقامی سپاہیوں کی جنگ کے سارے طریقے کا چربہ تھیں۔ یورپی طریقہ کار کا میکانکی حصہ ان کے دماغوں پر جزوی طور سے نقش تھا۔ وہ بندوقوں کی مشقیں اور پلٹن کے فوجی قواعد کافی جانتے تھے۔ وہ توپ خانہ نصب کر سکتے تھے اور دیواروں میں موکھے بنا سکتے تھے لیکن دفاع کی صورت حال میں کمپنیوں اور بٹالینوں کی نقل و حرکت کو کیسے مربوط کریں یا توپخانے اور موکھے دار دیواروں اور مکانات میں ربط کیسے پیدا کریں تاکہ مزاحمت کے قابل ایک قلعہ بندی بن جائے ــــ اس سے وہ بالکل ناواقف تھے چنانچہ انہوں نے اپنے محلات کی مضبوط پکی دیواروں میں ضرورت سے زیادہ موکھے بنا کر انہیں کمزور کر دیا، موکھوں اور سوراخوں کی قطار

پر قطار لگائی، محلات کی چھتوں پر توپ خانے نصب کئے، لیکن یہ سب بے سود تھا کیونکہ انہیں آسان ترین طریقے سے گھیرا جا سکتا تھا۔ اسی طرح طریقہ کار میں اپنی کمتری کو جانتے ہوئے اس کی کسر نکالنے کے لئے انہوں نے ہر چوکی میں زیادہ سے زیادہ آدمی ٹھونس دیئے جس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا کہ برطانوی توپخانے انتہائی موثر بن جائیں اور جونہی غیر متوقع سمت سے حملہ آور کالم اس گڈمڈ اژدہام پر ٹوٹ پڑیں تو باترتیب اور باقاعدہ دفاع ناممکن ہو جائے اور جب انگریز اتفاقی حالات کی وجہ سے تنصیبات کے مضبوط مورچوں پر حملہ کرنے کے لئے مجبور ہوئے تو ان کی ترتیب اتنی ناقص تھی کہ وہ خطرہ مول لئے بغیر ان تک پہنچ گئے، ان میں رخنہ ڈال دیا اور ان پر دھاوا بول دیا۔ امام باڑے میں صورت حال یہی تھی۔ اس عمارت سے چند گز آگے ایک کچا پشتہ تھا۔ اس کے قریب خندق کھود کر اس پشتے کو انگریزوں نے چھوٹے مورچے کی طرح (جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عمارت کے بلند حصے میں موکھوں اور سوراخوں سے بالکل سامنے کی زمین پر موثر باڑھیں نہیں لگائی گئیں) اور اسی دیوار کو رخنہ ڈالنے کے توپخانے کی جگہ کی طرح استعمال کیا جسے ہندوستانیوں نے ان کے لئے تیار کیا تھا، اس دیوار کے پیچھے وہ 68 پونڈ والی (بحری) توپیں لائے۔ برطانوی فوج میں 68 پونڈ والی توپ مسند کے بغیر 87 ہنڈرڈ ویٹ وزن رکھتی ہے، لیکن فرض کیجئے کہ اگر سوراخ کرنے کے لئے 8 انچ کی توپ کا ذکر کیا جائے تو اس زمرے کی سب سے ہلکی توپ کا وزن 50 ہنڈرڈ ویٹ ہوگا اور مسند کے ساتھ کم سے کم تین ٹن۔ یہ حقیقتاً ایسی توپیں کئی منزلہ بلند محل کے اتنا قریب لائی گئیں جس کی چھت پر توپ خانہ تھا یہ ثابت کرتا ہے کہ انہیں موزوں اور برتر کی کوئی سمجھ نہ تھی۔ یہ فوجی انجینئر نگ کی ایسی ناسمجھی ہے جس کا مظاہرہ

کسی بھی مہذب فوج کا ادنیٰ انجینئر بھی نہیں کرسکتا۔

سائنس کے متعلق بس اتنا، جس کا مقابلہ انگریزوں کو کرنا پڑا اور جہاں تک جرات اور پامردی کا تعلق ہے تو وہ دونوں مدافعت کرنے والوں میں غائب تھیں۔ جوں ہی حملے کے لئے کالم آگے بڑھا لا مارٹینئر سے موتی باغ تک مقامی لوگوں کی طرف سے صرف ایک متحدہ اقدام کیا گیا یعنی وہ سرپٹ بھاگ گئے۔ جھڑپوں کے سارے سلسلوں میں کوئی بھی ایسی بات نہیں ہوئی جس کا مقابلہ کیمبل کے ہاتھوں ریذیڈنسی کی نجات کے دوران سکندر باغ میں قتل عام تک (اسے مشکل سے لڑائی کہا جاسکتا ہے) سے کیا جاسکے۔ جیسے ہی حملہ کرنے والے دستے آگے بڑھے ویسے ہی باغیوں کے عقب میں عام بھگدڑ مچ گئی۔ چونکہ باہر جانے کے راستے کم اور تنگ تھے اس لئے انبوہ رک جاتا تھا اور لوگ آگے بڑھتے ہوئے انگریزوں کی باڑھوں اور سنگینوں کے سامنے بلا مزاحمت بدنظمی سے گرنے لگتے تھے۔ ''برطانوی سنگین'' نے دہشت زدہ مقامی لوگوں پر ان دھاووں میں سے ایک میں جتنی گردنیں ماری ہیں وہ یورپ اور امریکہ میں انگریزوں کی تمام جنگوں سے زیادہ ہیں۔ مشرق میں سنگینوں کی ایسی لڑائیاں جن میں صرف ایک فریق سرگرم ہوتا ہے اور دوسرا مجہول فنِ جنگ میں ایک عام واقعہ ہے۔ برما میں حصاروں پر حملے ایسی صورت حال کی جیتی جاگتی مثال کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں۔ (84) مسٹر رسل کے بیان کے مطابق انگریزوں کو خاص نقصان اُن ہندوستانیوں کے ہاتھوں ہوا جو پسپا نہیں ہوسکے تھے اور جنہوں نے محلات کے کمروں میں مورچے بنا لئے تھے جہاں سے وہ احاطوں اور باغات سے افسروں پر کھڑکیوں سے گولیاں چلاتے تھے۔

امام باڑے اور قیصر باغ پر دھاوے کے وقت ہندوستانی اتنی تیزی سے رفو

چکر ہو گئے کہ ان مقامات پر قبضہ نہیں ہوا بلکہ ان کے اندر مارچ کیا گیا۔ بہر حال دلچسپ منظر ابھی بس شروع ہونے والا تھا۔ جیسا کہ مسٹر رسل دوٹوک لکھتے ہیں کہ اس دن قیصر باغ کی تسخیر اتنی غیر متوقع تھی کہ بے لگام لوٹ مار کو روکنے کے لئے وقت ہی نہ تھا۔ سچے، آزادی پسند جان بل کے لئے یہ دیکھنا دلچسپ منظر ہو گا کہ برطانوی گرانڈیل سپاہی ہیرے جواہرات، قیمتی ہتھیار، کپڑے اور شاہ اودھ کی پوشاکیں بلا روک ٹوک ہتھیا رہے ہیں۔ سکھ، گورکھے اور بھیرہ بنگاہ مثال کی تقلید کرنے کے لئے پوری طرح تیار تھے۔ چنانچہ لوٹ مار اور تباہی کا وہ سماں بندھا جس نے مسٹر رسل کی فصاحت و بلاغت تک کو مات کر دیا۔ پیش قدمی کے ہر قدم کے جلو میں لوٹ مار اور تباہی آئی۔ قیصر باغ 14 تاریخ کو فتح کیا گیا اور آدھے گھنٹے بعد ڈسپلن غائب تھا۔ افسر اپنے جوانوں کی کمان نہیں کر سکے۔ 17 تاریخ کو جنرل کیمبل لوٹ مار کی نگرانی کرنے لئے طالیہ قائم کرنے اور ''موجودہ بے لگامی کے ختم ہونے تک'' تمام جنگی کاروائیاں بند کرنے پر مجبور ہو گئے۔ دستے کھلم کھلا قابو سے باہر تھے۔ 18 تاریخ کو، جیسا کہ ہم نے سُنا، لوٹ مار کا صریح طریقہ ختم ہو گیا مگر تباہی اب بھی آزادی سے کی جا رہی تھی۔ چنانچہ شہر میں جب ہراول دستے مقامی باشندوں کے مکانات سے گولہ باری کے خلاف لڑ رہے تھے تو عقب میں انگریز فوجیوں نے دل بھر کر لوٹ مار مچا رکھی تھی اور تباہ کاریوں میں مصروف تھے۔ شام کو لوٹ مار کے خلاف ایک نیا حکم جاری کیا گیا۔ ہر رجمنٹ کی مضبوط ٹولیاں باہر جائیں اور اپنے آدمیوں کو واپس لائیں، بھیرہ بنگاہ کو کیمپ میں رکھا جائے، ڈیوٹی کے سوا کوئی شخص کیمپ سے باہر نہ جائے۔ 20 تاریخ کو انہی احکامات کو دہرایا گیا۔ اسی دن دو برطانوی ''افسر اور ذی مرتبہ لوگ'' لیفٹیننٹ کیپ اور ٹیک ویل ''لوٹ مار

کرنے شہر گئے اور ایک مکان میں قتل کر دیئے گئے۔" 26 تاریخ کو معاملات ہنوز اتنے بگڑے ہوئے تھے کہ لوٹ مار اور اندھیر کو کچلنے کے لئے سخت ترین احکامات جاری کئے گئے۔ ہر گھنٹے کی حاضری نافذ کر دی گئی۔ تمام سپاہیوں پر شہر میں داخل ہونے پر سخت پابندی لگا دی گئی۔ بھیرہ بنگاہ اگر شہر میں مسلح پائے جائیں تو انہیں پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ سپاہی ڈیوٹی کےسوا ہتھیار بند نہ ہوں اور تمام غیر حربی لوگوں کو نہتا کر دیا جائے۔ ان احکامات کو وقعت دینے کے لئے "مناسب جگہوں" پر کوڑے مارنے کے کئی تکونے کھڑے کئے گئے۔

انیسویں صدی میں اور ایک مہذب فوج میں یہ صورت حال واقعی خوب ہے۔ اور اگر دنیا میں کسی اور فوج نے اس طرح کی بدعنوانیوں کا دسواں حصہ بھی کیا ہوتا تو برہم برطانوی پریس اُسے کتنا ذلیل وخوار کرتا: لیکن یہ برطانوی فوج کے اعمال ہیں اور اس لئے ہم سے کہا جاتا ہے کہ ایسی باتیں تو جنگ کے حسب معمول نتائج ہوتے ہیں۔ برطانوی افسران اور شرفاء کو چاندی کے چمچے، جڑاؤ کڑے اور دوسری یادگار چیزیں ہتھیا لینا بالکل مبارک ہو جنہیں وہ اپنی عظمت کے میدان میں حاصل کرتے ہیں اور اگر جنگ کے دوران کیمبل اپنی فوج کو نہتا کرنے پر مجبور ہوا تا کہ عام پیمانے پر لوٹ اور تباہی کو روکا جا سکے تو اس اقدام کے فوجی اسباب ہو سکتے ہیں۔ لیکن بلاشبہ اگر اتنی مشقتوں اور مصیبتوں کے بعد ان بیچاروں کو ایک ہفتے کی چھٹی اور تھوڑی بہت رنگ رلیوں کا موقع ملے تو کوئی بھی بخل سے کام نہیں لے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ یورپ یا امریکہ میں ایسی کوئی فوج اتنی ظالم نہیں ہے جتنی برطانوی فوج۔ لوٹ مار، تشدد، قتل عام ۔ یہ چیزیں جو ہر جگہ سختی سے اور مکمل طور پر ممنوع ہیں ۔ برطانوی سپاہی کی مقدس مراعات اور مستقل حق ہیں۔ جزیرہ نما آئی

بیریا کی جنگ میں باداخوز اور سان سیباستین پر (85) دھاوا بولنے کے بعد جو ذلالتیں وہاں دنوں تک دیکھی گئیں ان کی نظیر فرانسیسی انقلاب کی ابتداء سے کسی قوم کی تاریخ میں نہیں ملتی اور قرون وسطیٰ کی یہ روایت، جواب ہر جگہ ممنوع ہے کہ شہر پر حملہ کرنے کے بعد اس کی لوٹ مار کی جائے، اب بھی برطانوی فوج کا قاعدہ ہے۔ دہلی میں اٹل فوجی ملحوظات نے اسے استثنائے لازم بنادیا لیکن فوج، جسے فاضل تنخواہ دے کر خریدا گیا تھا، بڑبڑائی۔ اور اب لکھنؤ میں انہوں نے اس کی کسر نکال لی جسے دہلی میں کھویا تھا۔ بارہ دن اور رات لکھنؤ میں کوئی برطانوی فوج نہیں تھی ___ بس لاقانون، شراب میں دھت، وحشی انبوہ تھا جو لٹیروں کی ٹولیوں میں بٹ گیا تھا، ان مقامی سپاہیوں سے بھی زیادہ لاقانون، دہشت انگیز اور لالچی جنہیں شہر سے بھگا دیا گیا تھا۔ 1858 میں لکھنؤ کی غارت گری برطانوی فوج کے لئے ہمیشہ ہمیشہ شرم ناک رہے گی۔

اگر بے پرواہ سپاہیوں نے ہندوستان میں ''تہذیب اور انسانیت پھیلانے کے لئے'' مقامی باشندوں کی صرف نجی جائیداد منقولہ لوٹی تو برطانوی حکومت فوراً بعد میں قدم بقدم چلی اور ان کی غیر منقولہ جائیداد سے بھی انہیں محروم کر دیا۔ پہلے فرانسیسی انقلاب کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ اس نے اشرافیہ اور گرجے کی زمینیں ضبط کرلیں: لوئی بوناپارٹ کی بابت کہتے ہیں کہ اس نے 'اورلینس خاندان' کی جائیداد ضبط کر لی: اب لارڈ کیننگ کو لیجئے ایک برطانوی نجیب اور زبان، طور طریقوں اور احساسات میں نرم اور اپنے دست بالا وائی کاؤنٹ پامرسٹن کے حکم پر پوری ایک قوم کا ایک ایک ایکڑ ضبط کر لیتا ہے جو سب ملا کر دس ہزار مربع میل ہوتے ہیں۔ (86) جان بل کی یہ لوٹ واقعی بڑی اچھی تھی: اور جونہی لارڈ ایلن برو

نے نئی حکومت کے نام پر اس بے مثال اقدام کو ناپسند کیا تو فوراً ''ٹائمز'' اور کئی چھوٹے موٹے برطانوی اخبار اس بڑے پیانے کی لوٹ مار کی مدافعت کرنے لگے اور جسے جان بل چاہتا ہے زمینیں ضبط کرنے کے حق میں قلم توڑنے لگے۔لیکن کیا کیا جائے کہ جان ایک غیر معمولی ہستی ہے اور ''ٹائمز'' کے مطابق اس میں جو چیز نیکی ہے وہ دوسروں کے لئے روسیاہی ہوگی۔

اسی دوران میں_لوٹ مار کی غرض سے برطانوی فوج کے مکمل طور پر ٹوٹ جانے کی بدولت_باغی بلا تعاقب کے شہر سے بھاگ گئے۔وہ روہیل کھنڈ میں مرتکز ہوگئے ہیں اور ان کا ایک حصہ اودھ میں جھڑپیں کر رہا ہے اور برسات تیزی سے قریب آرہی ہے اور یہ توقع نہیں کی جاتی کہ گزشتہ سال کی طرح موسم یورپی جسمانی ساخت کے لئے غیر معمولی طور پر موزوں رہے گا۔اس وقت یورپی فوجی کم و بیش آب و ہوا کے عادی ہوگئے تھے۔اس سال ان میں سے زیادہ تر نووارد ہیں۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جون، جولائی اور اگست کی مہم میں برطانیہ کو زبردست تعداد میں جانوں کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔اور جب ہر مفتوح شہر میں محافظ فوج چھوڑ دی جائے گی تو سرگرم فوج بڑی تیزی سے گھل جائے گی۔ہمیں اس کی اطلاع مل چکی ہے کہ ہر ماہ 1000 آدمیوں تک کمک فوج کی مؤثر طاقت کو مشکل سے برقرار رکھ سکتی ہے۔اور جہاں تک محافظ فوج کا تعلق ہے تو صرف لکھنؤ کی محافظ فوج کے مقابلے میں مشکل ہی سے مضبوط تر ہوگی۔ہمیں یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ برطانوی افسروں میں یہ رائے غالب ہو رہی ہے کہ باغیوں کی بڑی جماعتوں کے منتشر ہونے کے بعد جو چھاپہ مار جنگ چھڑے گی وہ موجودہ جنگ کے مقابلے میں جس میں لڑائیاں اور محاصرے ہوتے ہیں، برطانوی فوج کے لئے یقینی زیادہ پریشان کن

اور تباہ کن ہوگی ۔اور آخر میں، سکھ اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں جو انگریز کے لئے اچھا شگون نہیں ہیں ۔وہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کی امداد کے بغیر برطانیہ مشکل ہی سے ہندوستان پر تسلط قائم کر سکتا تھا اور اگر وہ بغاوت میں شامل ہو جاتے تو ہندوستان انگریزوں کے ہاتھ سے نکل جاتا، کم ازکم وقتی طور پر ۔ یہ وہ بہ آواز بلند کہتے ہیں اور مشرقی انداز میں مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں ۔اب انگریز وہ برتر نسل نظر نہیں آتی جس نے مڑکی، فیروز شاہ اور علی وال میں (87) انہیں شکست دی تھی ۔ ایسے اعتقاد سے کھلی دشمنی تک پہنچنے کے لئے مشرقی قوموں کے لئے بس ایک قدم رہ جاتا ہے، ایک چنگاری شعلے بھڑ کا سکتی ہے ۔مجموعی طور پر لکھنؤ کی تسخیر نے دہلی پر قبضے کی طرح ہندوستان کی بغاوت کو نہیں کچلا ہے ۔گرمیوں کی مہم شاید ایسے واقعات پیدا کرے کہ اگلی سردیوں میں برطانیہ کو پھر بنیادی طور پر یہی راستہ طے کرنا پڑے اور پنجاب بھی دوبارہ فتح کرنا پڑے ۔لیکن سب سے قرین قیاس اس کیس سامنے ایک طویل اور اکتا دینے والی چھاپہ مار لڑائی ہے __ جو ہندوستانی گرمی اور دھوپ میں یورپیوں کے لئے کوئی قابل رشک بات نہیں ہو سکتی ۔

8 مئی 1858 کو تحریر کیا۔ ''نیویارک ڈیلی ٹریبون'' کے شمارے 5333 میں 25 مئی 1858 کو اداریئے کی حیثیت سے شائع ہوا

اودھ کا الحاق (88)

تقریباً ڈیڑھ سال گزرے کینٹن میں برطانوی حکومت نے بین الاقوامی قانون کے سلسلے میں ایک انوکھے اصول کا اعلان کیا کہ کوئی ریاست کسی دوسری ریاست کے علاقے کے خلاف اعلان جنگ یا جنگی حالت کا اظہار کئے بغیر بڑے پیانے پر جنگی اقدامات کرسکتی ہے۔اب اسی برطانوی حکومت نے ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ کیننگ کے ذریعے موجودہ بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کے لئے ایک اور اقدام اٹھایا ہے۔اس نے اعلان کیا ہے کہ:

''صوبہ اودھ میں زمین کی ملکیت کا حق برطانوی حکومت کے لئے ضبط کرلیا گیا ہے جو اس حق کا استعمال اس طرح کرے گی جسے وہ مناسب سمجھے۔'' (89)

جب 1831 میں وارسا کی شکست (90) کے بعد روسی شہنشاہ نے ''زمین کی ملکیت کا حق'' ضبط کرلیا، جو اس وقت تک کثیر التعداد پولستانی امراء کے پاس تھا، تو برطانوی پریس اور پارلیمنٹ میں متفقہ طور پر ناراضگی کی لہر دوڑ گئی۔جب نووارا کی جنگ (91) کے بعد آسٹریائی حکومت نے لمبارڈیا کے ایسے امراء کی جاگیریں ضبط نہیں کیں بلکہ محض قرق کرلیں جنہوں نے جنگ آزادی میں سرگرمی سے حصہ لیا تھا تو پھر متفقہ برطانوی ناراضگی پھوٹ پڑی اور جب 2 دسمبر 1851 کے بعد لوئی نپولین نے اورلینس کے شاہی خاندان کی جاگیریں ضبط کرلیں جن کو فرانس کے عام قانون کے مطابق لوئی فلپ کے تخت نشین ہونے پر ریاستی علاقے میں شامل ہونا چاہیے تھا لیکن قانونی جعلسازی کی وجہ سے بچ گئی تھیں تو اس وقت بھی برطانوی ناراضگی کی کوئی حد نہیں رہی تھی اور ''لندن ٹائمز'' نے اعلان کیا تھا کہ اس اقدام نے سماجی نظام کی بنیادیں ہلا دی ہیں اور شہری سوسائٹی کے آئندہ وجود کو ناممکن بنا دیا ہے۔عمل

دکھاتا ہے کہ اس ''شریفانہ برہمی'' کی حقیقت کیا ہے۔ انگلستان نے قلم کی ایک جنبش سے نہ صرف چند امراء کی یا کسی شاہی خاندان کی جاگیریں ضبط کی ہیں بلکہ ایک لمبی چوڑی سلطنت ہی (92) ضبط کر لی ہے جو تقریباً اتنی بڑی ہے کہ آئرلینڈ اور خود لارڈ ایلن برو کے قول کے مطابق ''پوری قوم کی وراثت'' ہے۔

بہر حال، آیئے دیکھیں لارڈ کیننگ نے کن بہانوں سے (ہم ان کو بنیاد نہیں کہہ سکتے) برطانوی حکومت کے نام پر یہ بے نظیر کاروائی کی ہے۔ اول: ''فوج نے لکھنؤ پر قبضہ کر لیا ہے'' دوسرے: ''باغی سپاہیوں نے جو مزاحمت شروع کی تھی اس کی حمایت شہر اور تمام صوبے کے باشندوں نے کی ہے۔'' تیسرے: ''انہوں نے ایک زبردست جرم کیا ہے اور خود کو منصفانہ سزا کا نشانہ بنایا ہے۔'' سیدھی سادی زبان میں یہ ہے: چونکہ برطانوی فوج نے لکھنؤ پر قبضہ کر لیا ہے اس لئے برطانوی حکومت کو یہ حق ہے کہ وہ اودھ کی ساری زمین کو ضبط کر لے جس پر اس کا قبضہ ابھی تک نہیں تھا۔ چونکہ برطانیہ کے دیسی سپاہیوں نے بغاوت کر دی اس لئے اودھ کے دیسی لوگوں کو جو برطانوی حکومت کے زبردستی ماتحت بنائے گئے تھے اپنی قومی خودمختاری کے لئے بغاوت کرنے کا حق نہیں رہا۔ مختصر یہ کہ اودھ کے لوگوں نے برطانوی حکومت کے جائز اقتدار کے خلاف بغاوت کی ہے اور برطانوی حکومت اب صاف طور سے اعلان کرتی ہے کہ یہ بغاوت ضبطی کی کافی معقول بنیاد ہے۔ اس طرح، لارڈ کیننگ کی ساری یاوہ گوئی کو نظر انداز کرتے ہوئے سارا سوال اس نکتے پر آ جاتا ہے کہ وہ اودھ میں برطانوی حکومت کا قیام قانونی طور پر جائز سمجھتے ہیں۔

درحقیقت اودھ میں برطانوی حکومت کا قیام ذیل کے طریقے سے ہوا: جب 1856 میں لارڈ ڈلہوزی نے خیال کیا کہ اب اقدام کا لمحہ آن پہنچا ہے، تو انہوں

نے فوج کانپور میں مرکوز کردی اور شاہ اودھ (واجد علی شاہ) سے کہا گیا کہ یہ فوج نیپال کے خلاف نگران کا کام کرے گی۔ اس فوج نے اچانک اودھ پر حملہ کر کے لکھنؤ پر قبضہ کرلیا اور بادشاہ کو قید کردیا۔ بادشاہ پر زور ڈالا گیا کہ وہ ملک سے برطانیہ کے حق میں دستبردار ہوجائے لیکن یہ بے سود رہا۔ تب بادشاہ کو کلکتہ بھیج دیا گیا اور ان کے ملک کا الحاق ایسٹ انڈیا کمپنی کے علاقوں سے کرلیا گیا۔ اس غدارانہ حملے کی بنیاد 1801 کے معاہدے کی دفعہ 6 تھی جو لارڈ ویلزلی نے کیا تھا۔ (93) یہ معاہدہ سر جانشور کے کئے ہوئے 1798 کے معاہدے کا قدرتی نتیجہ تھا۔ دیسی رجواڑوں کے ساتھ اپنے تعلقات میں اینگلو انڈین حکومت عام طور سے جس پالیسی پر گامزن تھی اس کے مطابق 1798 کا پہلا معاہدہ فریقین کے لئے جارحانہ اور مدافعانہ اتحاد کا معاہدہ تھا۔ اس سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو 76 لاکھ روپے (38 لاکھ ڈالر) کی ضمانت ہوتی تھی لیکن دفعہ 12 اور 13 کے تحت بادشاہ ملک میں محصولات کم کرنے پر مجبور تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں شرطیں جو صاف طور پر ایک دوسرے کے متضاد تھیں بادشاہ بیک وقت نہیں پوری کرسکتا تھا۔ اس نتیجے نے، جس کی توقع ایسٹ انڈیا کمپنی کو تھی، نئی پیچیدگیاں پیدا کردیں اور آخرکار 1801 کا معاہدہ ہوا جس کے مطابق بادشاہ کو پہلے معاہدے کی مبینہ خلاف ورزیوں کی تلافی کچھ علاقے کی دستبرداری کے ذریعے کرنی پڑتی، علاقے کی ایسی دست برداری جس کی مذمت اس وقت پارلیمنٹ نے 'کھلی لوٹ' کی حیثیت سے کی اور جو لارڈ ویلزلی کو تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے لاسکتی تھی اگر ان کے خاندان کا سیاسی اثر نہ ہوتا۔

اس علاقائی دست برداری کے عوض ایسٹ انڈیا کمپنی نے معاہدے کی دفعہ 3 کے مطابق تمام بیرونی اور اندرونی دشمنوں کے خلاف بادشاہ کے بقیہ علاقے کی

حفاظت کی ذمے داری اپنے سر لے لی اور دفعہ 6 کے تحت ان علاقوں کی ملکیت کی ضمانت ہمیشہ کیلئے بادشاہ، اس کے وارثوں اور جانشینوں کے لئے کردی۔لیکن اسی دفعہ 6 میں بادشاہ کے لئے ایک چھپا خطرہ بھی تھا یعنی بادشاہ نے یہ عہد کیا کہ وہ ایسا انتظامی نظام رائج کرے گا جسے اس کے اپنے افسران عمل میں لائیں گے، جو اس کی رعایا کی خوشحالی کے لئے سازگار اور لوگوں کی جان و مال کا محافظ ہوگا۔مان لیجئے کہ اگر اودھ کا بادشاہ معاہدہ شکنی کرتا، وہ اور اس کی حکومت باشندوں کی جان و مال کی حفاظت نہ کرتی (مثلاً ان کو توپ سے اڑا کر اور ان کی ساری زمینیں ضبط کر کے)تو ایسٹ انڈیا کمپنی کے پاس اس کا کیا علاج ہوتا؟ معاہدے کے مطابق بادشاہ کو خودمختار حکمراں، آزاد کار پرداز اور معاہدہ کرنے والا ایک فریق تسلیم کیا گیا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے معاہدہ شکنی اور اس طرح اس کے کالعدم ہونے کا اعلان کر کے اقدام کے صرف دو طریقے رہ جاتے ...... یا تو دباؤ ال کر مفاہمتی گفتگو کے ذریعے وہ کسی نئے سمجھوتے تک پہنچتی یا پھر بادشاہ کے خلاف اعلان جنگ کردیتی۔ لیکن اعلان جنگ کئے بغیر اس کے علاقے پر حملہ کر دینا، اس کو اچانک قید کر لینا، تخت سے اتار دینا اور اس کے علاقے کا الحاق کر لینا نہ صرف معاہدہ شکنی تھا بلکہ بین الاقوامی قانون کے اصول کی بھی خلاف ورزی تھا۔

اودھ کا الحاق برطانوی حکومت کے کسی اچانک فیصلے کے تحت نہیں ہوا۔اس کا ثبوت ایک عجیب واقعہ سے ملتا ہے۔لارڈ پامرسٹن نے 1831 میں برطانیہ کے وزیر خارجہ بنتے ہی گورنر جنرل (ولیم بنٹنگ) کو یہ حکم بھیج دیا کہ اودھ کا الحاق کر لیا جائے ۔لیکن ان کے اس ماتحت نے اس وقت یہ حکم ماننے سے انکار کردیا۔بہر حال، اس بات کا پتہ بادشاہ اودھ (شاہ نصیر الدین حیدر) کو چل گیا اور وہ کسی بہانے سے

اپنا سفیر لندن بھیجنے میں کامیاب ہوگیا۔تمام رکاوٹوں کے باوجود اس سفیر نے ولیم چہارم کو جو پوری کارروائی سے لاعلم تھا اپنے ملک پر منڈلاتے خطرے سے مطلع کیا۔ اس کے نتیجہ میں ولیم چہارم اور پامرسٹن کے درمیان ایک ہنگامہ ہوا جس کا خاتمہ اس طرح ہوا کہ موخر الذکر کو سخت انتباہ کیا گیا کہ اگر آئندہ انہوں نے اس طرح کی اچانک الٹ پلٹ کرنے کی کوشش کی تو ان کو فوراً برطرف کردیا جائے گا۔یہ یاد کرنا اہم ہے کہ اودھ کا واقعتاً الحاق اور ملک کی ملکیت تمام اراضی کی ضبطی اس وقت ہوئی جب پامرسٹن پھر برسر اقتدار ہوئے۔ 1831 میں اودھ کے الحاق کی اس پہلی کوشش کے بارے میں کاغذات جب حال ہی میں برطانوی دارالعوام میں طلب کئے گئے تو بورڈ آف کنٹرول کے سیکرٹری مسٹر بیلی نے بتایا کہ یہ کاغذات غائب ہوگئے ہیں۔

1837 میں جب لارڈ پامرسٹن دوسری بار برطانیہ کے وزیر خارجہ اور لارڈ آکلینڈ ہندوستان کے گورنر جنرل ہوئے تو شاہ اودھ (محمد علی شاہ) کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ نیا معاہدہ کرنے پر مجبور کیا گیا۔اس معاہدے میں 1801 کے معاہدہ کی دفعہ 6 کو بدل دیا گیا کیونکہ ''اس میں وعدوں کی (ملک پر اچھی طرح حکومت کرنے کے) خلاف ورزی کرنے پر کوئی اقدام شامل نہیں تھا'' اور اسی لئے دفعہ 7 میں خاص طور سے یہ کہا گیا کہ:

''شاہ اودھ کو برطانوی ریذیڈنٹ کے مشورے سے اپنے زیر حکومت علاقے کی پولیس، عدالت اور مالیاتی انتظام کی خامیوں کو دور کرنے کے لئے بہترین ذرائع اختیار کرنا چاہیے اور اگر ہزمیجسٹی نے حکومت برطانیہ کے مشورے کو نظر انداز کیا اور اگر اودھ کے علاقے میں ایسا شدید اور متواتر جبر و تشدد، نراج اور بدعملی جاری رہی کہ

وہ امن عامہ کو سنگین خطرے میں ڈال دے تو حکومت برطانیہ یہ حق محفوظ رکھتی ہے کہ وہ اودھ کے کسی بھی حصے میں، جہاں بدعملی ہو، انتظام کے لئے اپنے افسران، کسی بھی حد تک اور اتنی مدت کے لئے مقرر کردے جتنی وہ مناسب خیال کرے۔ ایسی صورت میں، تمام فاضل آمدنی، اخراجات کو منہا کرنے کے بعد بادشاہ کے خزانے میں جمع کردی جائے گی اور ہز میجسٹی کے آمدنی اور کا ٹھیک ٹھیک حساب پیش کیا جائے گا"

آگے چل کر دفعہ 8 میں کہا گیا ہے:

"اس صورت میں کہ گورنر جنرل ہندوستان مع اپنی کونسل کے اس اختیار کو استعمال کرنے پر مجبور ہو جو اس کو دفعہ 7 کے تحت حاصل ہے تو وہ اس بات کی کوشش کرے گا کہ حاصل شدہ علاقے میں دیسی اداروں اور انتظامی صورتوں کو امکانی طور پر بہتر بنا کر قائم رکھے تا کہ یہ علاقہ اودھ کے تاجدار کو مناسب وقت آنے پر واپس کرنے میں آسانی ہو۔"

یہ معاہدہ برطانوی ہندوستان کے گورنر جنرل مع کونسل اور شاہ اودھ کے درمیان ہوا اور اسی لئے حسبِ قاعدہ اس کی تصدیق کی گئی اور کاغذات تصدیق کا باقاعدہ تبادلہ ہوا۔ لیکن جب اس کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے معاہدے کو کمپنی اور شاہ اودھ کے درمیان دوستانہ تعلقات کی خلاف ورزی اور گورنر جنرل کی طرف سے شاہ اودھ کے حق پر حملے کی حیثیت سے کالعدم قرار دیا۔ (10 اپریل 1838) پامرسٹن نے کمپنی سے یہ معاہدہ کرنے کی اجازت نہیں لی تھی اور انہوں نے اس کی کالعدم کرنے والی قرارداد کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور نہ تو شاہ اودھ کو اس کی اطلاع دی گئی کہ معاہدہ منسوخ

ہوا ہے۔اس کا ثبوت خود لارڈ ڈلہوزی نے پیش کیا ہے (روئیداد، 5 جنوری 1856):

''یہ بات بہت ممکن ہے کہ بادشاہ اس تبادلہ خیال کے دوران جو ریذیڈنٹ ہو گا اس معاہدے کا حوالہ دیں جو ان کے پیش رو نے 1837 میں کیا تھا۔ریذیڈنٹ کو معلوم ہے کہ اس معاہدے کا نفاذ نہیں کیا گیا تھا کیونکہ اس کے انگلستان آتے ہی بورڈ آف ڈائریکٹرز نے اس کو کالعدم قرار دے دیا۔ریزیڈنٹ کو یہ بھی معلوم ہے کہ اگرچہ شاہ اودھ کو یہ اطلاع دے دی گئی تھی کہ 1837 کے معاہدے کی بعض سنگین شرطوں کو، جو فوجی طاقت میں اضافے کے متعلق ہیں، عمل میں نہیں لایا جائے گا لیکن پورے معاہدے کی منسوخی کے بارے میں ہز میجسٹی کو کبھی مطلع نہیں کیا گیا تھا۔اس خاموشی اور پوری اطلاع نہ دینے کا نتیجہ آج پریشان کن ہے۔یہ بات اور بھی زیادہ پریشان کن ہے کہ منسوخ شدہ دستاویز کو پھر بھی معاہدوں کے اس مجموعے میں شامل کرلیا گیا جو 1845 میں حکومت کی ہدایت پر شائع کیا گیا تھا۔''

اسی روئیداد کی شق 17 میں کہا گیا ہے:

''اگر بادشاہ 1837 کے معاہدے کا حوالہ دیں اور پوچھیں کہ اگر اودھ کے انتظام کے سلسلے میں مزید اقدامات ضروری ہیں تو بڑے اختیارات، جو حکومت برطانیہ کو متذکرہ معاہدے کے تحت ملے ہیں، بروئے کار کیوں نہیں لائے جاتے ہیں، تو ہز میجسٹی کو مطلع کرنا چاہیے کہ معاہدے کا کوئی وجود نہیں ہے کیونکہ جب بورڈ آف ڈائریکٹرز کو بھیجا گیا تو اس کو کالعدم قرار دے دیا گیا۔ہز میجسٹی کو یہ یاد دلانا ہوگا کہ لکھنؤ کے دربار کو اس وقت یہ اطلاع دی گئی تھی کہ 1837 کی بعض دفعات جن کی بناء پر بادشاہ پر مزید فوجی طاقت کے اخراجات عائد کئے گئے تھے منسوخ کی

جانے والی تھیں ۔ یہ فرض کر لینا چاہیے کہ اس وقت ہز میجسٹی کو معاہدے کی ان دفعات کے بارے میں مطلع کرنے کی ضرورت نہ تھی جن کا فوری نفاذ نہیں کیا گیا تھا اور بعد کو اس اطلاع کو بے توجہی کی بناء پر نظر انداز کر دیا گیا۔''

لیکن اس معاہدے کو نہ صرف 1845 کے سرکاری مجموعے میں شامل کیا گیا بلکہ شاہ اودھ کو لارڈ آک لینڈ کی 8 جولائی 1839 کی اطلاع میں، اسی بادشاہ کو لارڈ ہارڈنگ (جو اس وقت گورنر جنرل تھے) کے 23 نومبر 1847 کے افہام و تفہیم میں اور خود لارڈ ڈلہوزی کو کرنل سلیمن (ریزیڈنٹ لکھنؤ) کے 10 دسمبر 1851 کے مکتوب میں اس کا حوالہ ایسے معاہدے کی حیثیت سے دیا گیا تھا جس کا وجود ہو۔اب لارڈ ڈلہوزی اس معاہدے کے جواز سے انکار کرنے کے لئے اتنے بے قرار کیوں تھے جس کو ان کے سارے پیش روؤں اور حتیٰ کہ ان کے ایجنٹوں نے شاہ اودھ کے ساتھ اپنی خط و کتابت میں نافذ معاہدہ تسلیم کیا تھا؟ صرف اس وجہ سے کہ اس معاہدے کے مطابق بادشاہ اپنے معاملات میں مداخلت کا کوئی بھی بہانہ فراہم کریں، اس مداخلت کو اسی حد تک محدود رہنا تھا کہ برطانوی افسر انتظام حکومت شاہ اودھ کے نام پر اپنے ہاتھ میں لے لیں جس کو فاضل محاصل ملنے چاہیئں ۔لیکن یہ اس کے بالکل برعکس تھا جو انگریز چاہتے تھے ۔وہ صرف الحاق ہی سے مطمئن ہو سکتے تھے ۔ان معاہدوں کے جواز سے انکار جو بیس سال سے باہمی تعلقات کی تسلیم شدہ بنیاد تھے، تسلیم شدہ معاہدوں تک کی کھلی خلاف ورزی کر کے خود مختار علاقوں پر زبردستی قبضہ کرنا، مختتم طور پر پورے ملک کی ہر ایکڑ زمین ضبط کر لینا _ ہندوستان کے دیسی لوگوں کے ساتھ یہ غدارانہ اور ظالمانہ طور طریقے اب اپنا انتقام نہ صرف ہندوستان میں بلکہ انگلستان میں بھی لینا شروع کر رہے ہیں۔

14 مئی 1858 کو تحریر کیا۔ ''نیویارک ڈیلی ٹریبون'' کے

شمارے 5336 میں 28 مئی 1858 کو اداریے کی حیثیت سے شائع ہوا

لارڈ کیننگ کا اعلان اور ہندوستان میں زمین کی ملکیت

اودھ کے متعلق لارڈ کیننگ کے اعلان نے، جس کے حوالے سے چند اہم دستاویز (94) ہم نے ستمبر کو شائع کی تھیں، ہندوستان میں زمین کی ملکیت کے متعلق بحث زیادہ چھیڑ دی ہے جو ایسا موضوع ہے جس پر گزشتہ زمانے میں بڑے تنازعے اور اختلافاتِ رائے رہے ہیں اور جیسا کہ الزام لگایا گیا ہے کہ اس کے بارے میں غلط فہمیوں کی وجہ سے ہندوستان کے ان علاقوں کے نظم ونسق میں براہ راست برطانوی راج کے تحت ہیں (95) بڑی سنجیدہ عملی غلطیاں سرزد ہوئیں ہیں۔ اس نزاع میں اہم نکتہ یہ ہے کہ ہندوستان کے معاشی نظام میں نام نہاد زمینداروں، تعلقہ داروں یا سرداروں کی حیثیت کیا ہے؟ کیا انہیں اراضی کے مالک سمجھا جائے یا محض محصول اکٹھا کرنے والا؟

اس پر اتفاق ہے کہ اکثر ایشیائی ملکوں کی طرح ہندوستان میں زمین کی اصلی ملکیت حکومت کی ہوتی ہے۔ اس نزاع میں ایک فریق اصرار کرتا ہے کہ حکومت کو زمین کا مالک سمجھا جائے جو کاشت کاروں کو بٹائی کی بنیاد پر زمین دیتی ہے، دوسرا فریق دعویٰ کرتا ہے کہ بنیادی طور پر ہندوستان میں زمین اتنی ہی نجی جائیداد ہے جتنی دوسرے ملکوں میں۔ یہ حکومت کے ہاتھ میں نام نہاد جائیداد اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے کہ فرمانروا سے حق ملکیت حاصل کرنا جسے نظری طور پر تمام ملکوں میں تسلیم کیا جاتا ہے، جن کا ضابطہ قوانین جاگیردارانہ قانون پر مبنی ہے اور درحقیقت تمام ملکوں میں قبول کیا جاتا ہے، کہ حکومت کو اپنی ضروریات کی حد تک، محض پالیسی کے معاملے کے علاوہ مالکوں کی سہولت کے سارے ملحوظات سے بالکل آزاد، زمین پر محصول عائد کرنے کا حق ہے۔

لیکن یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ ہندوستان میں زمینیں نجی جائیدادیں ہیں جو دوسرے مقامات کی طرح اتنا ہی صحیح اور پکا نجی حق ملکیت رکھتی ہیں تو سوال یہ ہے کہ اصلی مالک کسے خیال کیا جائے؟ ایسے دو فریق ہیں جن سے یہ دعویٰ منسلک کیا گیا ہے۔ ان فریقوں میں سے ایک وہ طبقہ ہے جو زمینداروں اور تعلقہ داروں کی نام سے مشہور ہے جن کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ ان کی حیثیت ویسی ہی ہے جیسی یورپ میں اراضی کے طبقہ امراء اور شرفاء کی۔ اور وہی حکومت کو واجب الاد مالگذاری کی شرط پر زمین کے حقیقی مالک ہیں اور مالکوں کی طرح اپنی مرضی سے اصل کاشتکاروں کو بے دخل کر دینے کا حق رکھتے ہیں جو اس نقطہ نظر کے لحاظ سے محض مزارع حسب مرضی کی حیثیت رکھتے ہیں اور بطور رلگان کے کسی بھی ادائیگی کے ذمے دار ہیں جسے زمین دار عائد کرنا مناسب خیال کرتا ہے۔ یہ نقطۂ نظر جو قدرتی طور پر انگریز خیالات سے مطابقت رکھتا ہے تا کہ سماجی عمارت کے ستونوں کی طرح اراضی کے طبقہ امراء کی اہمیت اور ضرورت تسلیم کی جائے، گورنر جنرل لارڈ کارنوالس کے تحت ستر سال ہوئے بنگال کے مشہور بندوبست استمراری (96) کی بنیاد بنایا گیا تھا، بندوبست جو ہنوز نافذ ہے لیکن جو حکومت اور اصل کاشتکار دونوں کے لئے بڑی نا انصافی لایا۔ ہندوستان کے اداروں کے ساتھ ساتھ بندوبست بنگال کی پیدا کی ہوئی سماجی وسیاسی دونوں تکالیف کے گہرے مطالعے سے یہ رائے عام ہوگئی ہے کہ اصلی ہندو اداروں کے مطابق زمین کی جائیداد 'گرام سبھا' کی ملکیت تھی جسے یہ اختیار تھا کہ کاشت کے لئے افراد کو زمین الاٹ کرے اور زمیندار اور تعلقہ دار اصل سرکاری افسروں کے علاوہ اور کچھ نہ تھے جو اس لئے مقرر کئے جاتے تھے کہ گاؤں کے ذمے جو لگان ہے اسے جمع کریں اور راجہ کو ادا کر دیں۔

یہ نکتہ بڑی حد تک اراضی کے حق لگانداری اور مالگداری بندوبست پر اثر انداز ہوا ہے جو ان ہندوستانی صوبوں میں حالیہ برسوں میں عمل پذیر ہے جن کا براہ راست نظم و نسق انگریزوں نے سنبھال لیا ہے۔ بلا شرکت غیرے ملکیت کے حقوق کی، جن کا تعلقہ داروں اور زمینداروں نے دعویٰ کیا، ابتدا حکومت اور کاشت کاروں کی زمینوں کے غصب کو خیال کیا جاتا ہے اور ہر کوشش کی گئی ہے کہ اس سے زمین کے حقیقی کاشت کار اور ملک کی عام ترقی کے لئے بھیانک خواب کی طرح نجات حاصل کی جائے۔ لیکن چونکہ یہ درمیانی لوگ، خواہ ان کے حقوق کی ابتدا کچھ بھی ہو، اپنی حمایت میں تحریری ضابطے کا دعویٰ کرتے ہیں اس لئے یہ ناممکن تھا کہ ان کے دعووؤں کو کسی حد تک قانونی تسلیم نہ کیا جاتا خواہ یہ عوام کے لئے تکلیف دہ، من مانے اور جابرانہ کیوں نہ ہوں۔ اودھ میں مقامی رجواڑوں کی کمزور عملداری میں ان جاگیردارانہ زمینداروں نے حکومت کے مطالبوں اور کاشتکاروں کے حقوق دونوں کو بہت کم کر دیا تھا اور جب اس مملکت کے حالیہ الحاق کے بعد یہ معاملہ نظر ثانی کے تحت آیا تو کمشنر جو فیصلہ کرنے کے ذمہ دار تھے زمینداروں کے حقوق کی اصلیت کے سلسلے میں ان کے ساتھ بے حد سخت قضیے میں پھنس گئے چنانچہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان میں بے چینی پھیلی جس کی وجہ سے انہوں نے باغی سپاہیوں کا ساتھ دیا۔

ان لوگوں کی طرف سے جو اوپر بیان کی ہوئی پالیسی کی حمایت کرتے ہیں زمینداری کے بندوبست کا نظام یعنی اصلی کاشتکاروں کو اس طرح سمجھنا کہ انہیں زمین کی ملکیت کا حق حاصل ہے اور جو درمیانی آدمیوں کے حق سے برتر ہے جن کے ذریعے حکومت زمین کی پیداوار سے اپنا حصہ حاصل کرتی ہے لارڈ کیننگ کے اعلان کی مدافعت اس لئے جاری رہی کہ اودھ کے زمینداروں اور تعلقہ داروں کی

بھاری تعداد کی موجودہ حالت سے فائدہ اٹھایا گیا تا کہ زیادہ وسیع اصلاحات کے لئے دروازہ کھولا جا سکے بمقابلہ ان کے جو عملی ہوتیں ۔اعلان میں جو حق ملکیت ضبط کیا گیا ہے وہ صرف زمینداری یا تعلقہ داری کا حق ہے اور اس سے آبادی کا بہت ہی قلیل حصہ متاثر ہوتا ہے، جو کسی طرح بھی اصلی کاشتکار نہیں ۔

انصاف اور انسانیت کے کسی بھی سوال سے آزاد ہو کر لارڈ کیننگ کے اعلان کے متعلق ڈربی کابینہ نے دوسری طرف جو نکتہ ٔنظر پیش کیا ہے وہ ان عام اصولوں کے بالکل مطابق ہے جن کی اہمیت کا دعویٰ ٹوری یا قدامت پرست پارٹی مستقل حقوق کے تقدس اور اراضی میں اشرافی منافع کی تائید وحمایت کے سلسلے میں کرتی ہے اپنے ملک میں اراضی کے فائدے کے متعلق جب وہ بات کرتے ہیں تو وہ لگان ادا کرنے والوں اور اصلی کاشت کاروں کے مقابلے میں ہمیشہ زمینداروں اور لگان حاصل کرنے والوں سے اپنا مطلب منسوب کرتے ہیں ۔لہٰذا یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ وہ زمینداروں اور تعلقہ داروں کے مفادات کے خواہ ان کی اصلی تعداد کتنی ہی کم ہو عوام کی اکثریت کے مفادات کے مساوی سمجھتے ہیں ۔

یہاں انگلستان کے مقابلے میں حکومتِ ہند کے سامنے جو شدید دقتیں اور مشکلات ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ہندوستانی مسائل پر خیالات کو خالص انگریز تعصّبات یا جذبات متاثر کر سکتے ہیں جن کا اطلاق معاشرے کی ایسی صورت حال اور چیزوں کی حالت پر کیا جاتا ہے جن کے ساتھ درحقیقت ان کا کوئی تعلق نہیں ہے ۔اودھ کے کمشنر سر جیمس اوٹرم کے اعتراضات کے خلاف اپنے اعلان کی پالیسی کی جو صفائی لارڈ کیننگ نے اپنے مراسلے میں پیش کی ہے، جسے آج شائع کیا گیا ہے، وہ بہت قائل کن ہے، اگرچہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کمشنر کی گزارشات پر اس

حد تک رضامند ہو گئے ہیں کہ اعلان میں معتدل جملہ شامل کر دیں جو اصل مسودے میں موجود نہیں ہے جسے انگلستان ارسال کیا گیا ہے اور جس پر لارڈ ایلن برو کا مراسلہ (97) مبنی ہے۔

لارڈ کیننگ کی یہ رائے کہ بغاوت میں اودھ کے زمینداروں کی شرکت کے رویے کا جائزہ کس طرح لیا جائے سر جیمس اوٹرم اور لارڈ ایلن برو کی رائے سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ان کی پوزیشن بالکل مختلف ہے نہ صرف باغی سپاہیوں سے بلکہ باغی اضلاع کے باشندوں سے بھی جہاں عرصہ ہوا برطانوی راج قائم ہو چکا تھا۔ وہ تسلیم کرتا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی طرح سلوک کے مستحق ہیں نہیں اس راہ کے لئے اشتعال دلایا گیا جس پر وہ چلے۔ لیکن ساتھ ہی وہ اصرار کرتا ہے کہ یہ ان کے ذہن نشین کرایا جائے کہ بغاوت اپنے لئے سنگین نتائج کے بغیر اختیار نہیں کی جا سکتی۔ ہمیں بہت جلد علم ہو جائے گا کہ اعلان جاری کرنے کا کیا اثر ہوا ہے اور آیا لارڈ کیننگ یا سر جیمس اوٹرم اس کے نتائج کی پیش بینی میں سچائی کے قریب تھے۔

25 مئی 1858 کو تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبیون" کے شمارے 5344 میں 7 جون 1858 کو اداریے کی حیثیت سے شائع ہوا

ہندوستان میں بغاوت

پہلے دہلی اور پھر لکھنؤ میں یکے بعد دیگرے مقامی سپاہیوں کے غدر کے ہیڈکوارٹر کی تسخیر میں زبردست فوجی کارروائیوں کے باوجود ہندوستان کو ٹھنڈا کرنا ابھی دور کی بات ہے۔واقعی یہ کہا جاسکتا ہے کہ معاملے کی حقیقی مشکل نے اپنے آپ کو عیاں کرنا شروع ہی کیا ہے۔ جب تک باغی سپاہی بڑی تعداد میں اکھٹے تھے، جب تک سوال محاصروں اور بڑے پیانے پر شدید لڑائیوں کا تھا تو ایسی کارروائیوں کے لئے انگریز فوجوں کی زبردست برتری نے انہیں بہتر صورت حال فراہم کی۔ لیکن اس نئے کردار کی بدولت جسے جنگ اب اختیار کررہی ہے یہ برتری غالباً بڑی حد تک ختم ہوجائے گی۔لکھنؤ کی تسخیر سے اودھ نے اطاعت قبول نہیں کی اور اودھ کی اطاعت سے بھی ہندوستان ٹھنڈا نہیں ہوگا۔اودھ کی ساری بادشاہت میں چھوٹی بڑی قلعہ بندیوں کی بھرمار ہےاوراگرچہ غالباً کوئی بھی ایک باقاعدہ حملے کی مزاحمت نہیں کرے گا لیکن اس کے باوجود ان قلعوں کی بار بار تسخیر نہ صرف اجیرن عمل ہوگا بلکہ دہلی اور لکھنؤ کے بڑے شہروں کے خلاف کارروائیوں کی نسبت کہیں زیادہ نقصان پہنچائے گا۔

لیکن صرف اودھ کی بادشاہت ہی کو زیر اور ٹھنڈا کرنا ضروری نہیں ہے۔ شکست خوردہ سپاہی لکھنؤ سے باہر تمام سمتوں میں بھاگے ہیں اور منتشر ہیں۔ان کی بڑی جماعت نے شمال میں روہیل کھنڈ کے پہاڑی اضلاع میں پناہ لے رکھی ہے جن پر ابھی تک باغیوں کا پورا قبضہ ہے۔دوسرے مشرق کی طرف گورکھپور بھاگے ہیں۔اس ضلع کو اگرچہ لکھنؤ تک کوچ کرتے وقت برطانوی فوج نے پار کیا تھا لیکن اب دوسری بار اسے پھر حاصل کرنا ضروری ہے۔بہت سے باغی سپاہی جنوب کی

طرف بندھیل کھنڈ میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔

واقعی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کاروائی کے مذکورہ طریقے کے متعلق بحثیں شروع ہوگئی ہیں، کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ قبل اس کے کہ ان کی لکھنؤ میں مرکوز ہونے والی جمعیت کے خلاف کارروائیوں کا رخ کیا جاتا آس پاس کے تمام اضلاع کو پہلے مطیع کرلیا جاتا جو باغیوں کو پناہ دے سکتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ کارروائیوں کی اس حکمتِ عملی کو فوج نے ترجیح دی تھی۔ لیکن یہ سمجھنا مشکل ہے کہ جب انگریزوں کے پاس فوجوں کی تعداد محدود تھی تو آس پاس کے اضلاع پر ایسا قبضہ کیسے کرتے کہ انہیں لکھنؤ سے باہر نکال دیا جاتا اور ساتھ ہی گورکھپور پر ان کی فتح کو غیر ضروری بنا دیا جاتا۔

لکھنؤ کی تسخیر کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باغیوں کا خاص حصہ بریلی میں پسپا ہوگیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نانا صاحب وہاں تھے۔ اس شہر اور ضلع کے خلاف جو لکھنؤ کے شمال مغرب میں سو میل سے کچھ زیادہ دور ہے، یہ ضروری سمجھا گیا ہے کہ گرمیوں میں مہم شروع کی جائے اور آخری اطلاعات کے مطابق خود سر کالن کیمبل اس کی جانب کوچ کرر ہے ہیں۔

لیکن اسی دوران میں مختلف سمتوں میں چھاپہ مار جنگ پھیل رہی ہے۔ اس وقت جب فوجی دستے شمال کی طرف بڑھ رہے ہیں باغی سپاہیوں کے بکھرے ہوئے جتھے گنگا پار کرکے وہاں پہنچ رہے ہیں، کلکتہ کے ساتھ رسل و رسائل میں گڑبڑ پیدا کرر ہے ہیں اور اپنی غارت گری کی وجہ سے کاشت کاروں کو لگان ادا کرنے سے معذور بنا رہے ہیں یا کم از کم ان کو ایسا نہ کرنے کا بہانہ فراہم کرر ہے ہیں۔

بریلی کی تسخیر بھی ان برائیوں کا علاج کرنے کی بجائے ممکن ہے کہ انہیں بڑھا دے۔ اسی بے ترتیب جنگ وجدل میں مقامی سپاہیوں کا فائدہ ہے۔ وہ انگریز

فوجوں کو کوچ کے دوران میں ایسی ہی شکست دے سکتے ہیں جیسی لڑائی میں انہیں انگریز دے سکتے ہیں۔ایک انگریز کالم بیس میل یومیہ سے زیادہ مارچ نہیں کرسکتا۔ مقامی سپاہیوں کا دستہ چالیس میل طے کرسکتا ہے اور اگر دھکیلا جائے تو ساٹھ تک بھی۔نقل وحرکت کی یہی صلاحیت مقامی سپاہیوں کی دستوں کو خاص وصف عطا کرتی ہے اور یہ اور آب و ہوا کو برداشت کرنے کی ان کی قوت اور کھانے پینے کی نسبتاً آسانیاں انہیں ہندوستان کی جنگ میں اٹل بناتی ہیں۔انگریز فوج کا نقصان جنگی سرگرمیوں میں اور خاص طور سے گرمیوں کی مہم میں زبردست ہوتا ہے۔ابھی سے جوانوں کی کمی بری طرح محسوس کی جارہی ہے۔یہ ضروری ہوسکتا ہے کہ بھاگتے ہوئے باغیوں کا تعاقب ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کیا جائے۔اس مقصد کو یورپی فوج مشکل ہی سے پورا کرسکتی ہے جبکہ مارے مارے پھرنے والے باغیوں کا بمبئی اور مدراس کی مقامی رجمنٹوں سے رابطہ، جو ابھی تک وفادار رہی ہیں، نئی بغاوتیں پیدا کرسکتا ہے۔باغیوں میں کسی نئے اضافے کے بغیر اب بھی وہ میدان جنگ میں ڈیڑھ لاکھ مسلح آدمیوں سے کم نہیں ہیں اور غیر مسلح آبادیاں انگریزوں کو کوئی امداد یا اطلاع نہیں دیتیں۔اور ساتھ ہی بنگال میں بارش کی کمی سے قحط کا خطرہ پیدا ہورہا ہے___ ایک ایسی آفت جو صدی میں انجانی ہے، اگرچہ پرانے زمانے میں اور انگریزوں کے قبضے کے بعد بھی شدید مصائب کا سر چشمہ رہی ہے۔

فریڈرک اینگلز نے 1858 میں مئی کے آخر میں تحریر کیا۔''نیویارک ڈیلی ٹربیون'' کے شمارے 5351 میں 15 جون 1858 کو اداریئے کی حیثیت سے شائع ہوا۔

فریڈرک اینگلز

ہندوستان میں برطانوی فوج

حال ہی میں ہمارے غیر محتاط دوست ''لندن ٹائمز'' کے مسٹر ولیم رسل تصویر کشی سے اپنی محبت کی بدولت مائل ہوئے کہ لکھنؤ کے تاخت و تاراج کیے جانے کا نقشہ دوسری مرتبہ اس طرح کھینچیں جسے دوسرے لوگ برطانوی کردار کے لئے قابل تعریف نہیں سمجھیں گے۔ اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دہلی کو بھی کافی حد تک لوٹا گیا تھا اور قیصر باغ کے علاوہ شہر لکھنؤ نے بھی برطانوی سپاہی کو اس کی گزشتہ محرومیوں اور بہادرانہ کوششوں کا انعام دینے کے لئے دَین دی۔ ہم مسٹر رسل کو نقل کرتے ہیں:

''ایسی کمپنیاں بھی ہیں جو فخر کر سکتی ہیں کہ ان کی صفوں میں ایسے سپاہی ہیں جن کے پاس ہزاروں پونڈ کی مالیت ہے۔ ایک جوان کے متعلق میں نے سنا کہ اس نے ایک افسر کو بڑے اطمینان سے قرض پیش کیا اتنی ہی رقم جو اس کپتان کا عہدہ خریدنے کے لئے درکار ہے، دوسرے نے اپنے دوست کو بڑی بڑی رقمیں بھیجی ہیں۔ قبل اس کے کہ یہ خط انگلستان پہنچے بہت سے ہیرے، زمرد اور نازک موتی قیصر باغ پر دھاوے اور تاخت و تاراج کی کہانی نہایت پرسکون اور دلچسپ طریقے سے سنائیں گے۔ یہ اچھا ہی ہے کہ ان کو پہننے والی حسیناؤں نے یہ نہیں دیکھا کہ جگمگاتے ہوئے زیورات کیسے حاصل کئے گئے، اور نہ وہ مناظر دیکھے جن میں یہ زر و جواہر چھینے گئے تھے۔ ان میں سے بعض افسروں نے حقیقی معنوں میں دولت بٹور لی ہے۔ یونیفارم کے کٹے پھٹے تھیلوں میں زیورات کے بعض ایسے ڈبے ہیں جن میں اسکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ کی جاگیریں موجود ہیں اور دنیا کی ہر شکارگاہ یا مچھلی پکڑنے

کے مقام میں آرام سے ماہی گیری اور شکار کھیلنے کے لئے بنگلے۔''

تو لکھنؤ کی تسخیر کے بعد برطانوی فوج کی بے عملی کا یہ سبب ہے۔لوٹ مار کے لئے وقف نصف ماہ اچھی طرح صاف ہوا۔افسر اور سپاہی جب شہر میں داخل ہوئے تھے تو کنگال تھے اور جب باہر نکلے تو یکا یک امیر بن گئے۔وہ پہلے جیسے آدمی نہیں رہے۔اس کے باوجود اُن سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ اپنی سابق فوجی ڈیوٹی پر حاضر ہوں، اطاعت، بے زبان فرمانبرداری، قواعد، عُسرت اور لڑائی پھر اختیار کریں۔ لیکن اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔جو فوج لوٹ مار کی غرض سے توڑ دی جاتی ہے ہمیشہ کے لئے بدل جاتی ہے۔کمان کا کوئی حکم، جنرل کی کوئی نیک نامی اسے پھر پہلے کی طرح نہیں بنا سکتی۔مسٹر رسل سے پھر سنیئے:

'' دولت سے جس طرح بیماریاں پیدا ہوتی ہیں ان کا مشاہدہ کرنا دلچسپ ہے۔لوٹ مار سے آدمی کے جگر پر کیسا اثر ہوتا ہے، اور چند ہیروں سے اپنے خاندان میں، اپنے عزیز و اقارب میں کیسی زبردست تباہی آسکتی ہے_ سپاہی کی کمر کے گرد پیٹی کا وزن جو روپیوں اور سونے کی مہروں سے بھری ہوئی ہے اسے یہ یقین دلاتا ہے کہ (گھر میں آرام دہ زندگی کے) خواب کو شرمندۂ تعبیر کیا جا سکتا ہے تو پھر کوئی حیرت کی بات نہیں کہ وہ '' قطار باندھو، قطار باندھو'' کا برا مانتا ہے۔ دو لڑائیاں، مال غنیمت کے دو حصے، دو شہروں کی لوٹ مار اور راستے میں چھوٹی موٹی چوریاں_ انہوں نے ہمارے بعض جوانوں کو اتنا زیادہ مالدار بنا دیا ہے کہ وہ سپہ گری نہیں کر سکتے''۔

چنانچہ ہم نے سنا ہے کہ تقریباً 150 افسروں نے سرکان کیمبل کو اپنے استعفے پیش کر دیئے ہیں_ ایک ایسی فوج میں عجیب و غریب کارروائی جس کے دُو بدو دشمن

ہے جس کے بعد کسی دوسری فوج میں چوبیس گھنٹے کے اندر جرمانہ اور سخت ترین سز اہوتی لیکن برطانوی فوج میں ''ایک افسر اور شریف آدمی'' کے لئے جو یکا یک مالدار ہو گیا ہو بہت موزوں عمل خیال کیا جاتا ہے۔ جہاں تک عام سپاہیوں کا تعلق ہے تو ان کا حال مختلف ہے۔ لوٹ مار سے اور زیادہ لوٹ مار کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اور اگر اس مقصد کے لئے ہندوستانی زرو جواہر باقی نہیں رہے تو برطانوی حکومت کے زرو جواہر کو کیوں نہ لوٹا جائے چنانچہ مسٹر رسل کہتے ہیں:

''خزانے کی دو گاڑیوں میں مشتبہ گڑ بڑ پائی گئی جن کے نگران یورپی محافظ تھے۔ ان میں کچھ روپے غائب تھے۔ طلائے کے نازک فرائض انجام دینے کے لئے خزانچی اب مقامی سپاہیوں کو ترجیح دے رہے ہیں''۔

واقعی بہت اچھا ہے۔ اس ''جنگجو کے بے مثال نمونے'' یعنی برطانوی سپاہی کے مقابلے میں ہندو یا سکھ زیادہ ضبط پسند، کم چرانے والا اور کم لٹیرا ہوتا ہے۔ لیکن ابھی تک ہم نے ملازمت میں صرف ایک واحد برطانوی کو دیکھا ہے۔ اب ہم پوری برطانوی فوج پر نظر ڈالیں جو اپنی اجتماعی حیثیت سے ''لوٹ مار'' کرتی ہے:

''ہر روز مال غنیمت میں اضافہ ہو رہا ہے اور تخمینہ لگایا گیا ہے کہ اس کی فروخت سے 6 لاکھ پونڈ حاصل ہوں گے۔ کانپور کا شہر لکھنؤ کے مال غنیمت سے بھر اپڑا ہے۔ اور اگر پبلک عمارتوں کو پہنچائے ہوئے نقصان، نجی جائیداد کی تباہی، مکانات اور زمین کی قیمت میں کمی اور آبادی میں گھاٹے کا تخمینہ لگایا جائے تو معلوم ہوگا کہ اودھ کے دارالسلطنت کو 50 یا 60 لاکھ پونڈ اسٹرلنگ کا نقصان پہنچا ہے۔''

چنگیز خان اور تیمور کے قلماق جم غفیر، جو شہر پر ٹڈی دلوں کی طرح چھا جاتے تھے اور راستے میں ہر چیز ہڑپ کر لیتے تھے اس ملک کے لئے ان عیسائی، مہذب،

عالی حوصلہ اور شریف برطانوی سپاہیوں کے دھاوے کے مقابلے میں باعث برکت رہے ہوں گے۔ اول الذکر کم از کم اپنے من موجی راستے پر جلد نکل جاتے تھے لیکن یہ باقاعدہ انگریز اپنے ساتھ مال غنیمت کے ایجنٹ لاتے ہیں، لوٹ مار کو ایک نظام میں تبدیل کر دیتے ہیں، لوٹ کھسوٹ کا باقاعدہ حساب رکھتے ہیں، نیلام میں اسے فروخت کرتے ہیں اور اس پر عقابی نظر رکھتے ہیں کہ برطانوی شجاعت کے اپنے مال غنیمت میں حق تلفی نہ ہو جائے، ہم اس فوج کی صلاحیتوں کو اشتیاق سے دیکھیں گے جس کا ڈسپلن بڑے پیمانے پر لوٹ مار کے اثرات سے ڈھیلا پڑ گیا ہے، ایک ایسے وقت جب گرم موسم کی مہم میں کوچ ڈسپلن میں سخت ترین ضابطے کا مطالبہ کرتی ہے۔

مگر ہندوستانی اس وقت تک باقاعدہ لڑائی کے لئے اور بھی کم چاق و چوبند ہوں گے جتنے وہ لکھنؤ میں تھے۔ لیکن یہ بنیادی سوال نہیں ہے۔ یہ جاننا کہیں اہم ہے کہ اگر باغی فرضی مزاحمت کرنے کے بعد جنگ کا مرکز پھر تبدیل کر دیں، مثلاً راجپوتانہ میں جس پر ابھی تک قابو نہیں پایا گیا ہے تو کیا ہو جائے گا۔ سر کالن کیمبل کو ہر جگہ محافظ فوجیں چھوڑنی پڑتی ہیں۔ ان کی باقاعدہ فوج گھٹ کر اس قوت کی نصف رہ گئی ہے جو ان کے پاس لکھنؤ سے پہلے تھی۔ اگر انہوں نے روہیل کھنڈ پر قبضہ کر لیا تو میدان جنگ کے لئے قابل استعمال کتنی قوت باقی رہے گی؟ گرم موسم ان کے سر پر منڈلا رہا ہے۔ جون میں بارش سرگرم مہم کو روک دے گی اور باغیوں کو سانس لینے کا موقع مل جائے گا۔ وسط اپریل کے بعد، جب موسم سخت ہو جاتا ہے، بیماریوں سے یورپی سپاہیوں کا نقصان روز بروز بڑھے گا اور نوجوان، جو ہندوستان میں گزشتہ سردیوں میں درآمد کئے گئے تھے، آزمودہ کار ہندوستانی مہم کاروں کے مقابلے میں جو گزشتہ گرمیوں میں ہیولاک اور ولسن کے تحت لڑے تھے کہیں زیادہ تعداد میں موسم

کا شکار ہوں گے۔ لکھنؤ یا دہلی کے مقابلے میں روہیل کھنڈ زیادہ فیصلہ کن مقام نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ باغیوں نے گھمسان کی لڑائیوں کے لئے اپنی صلاحیت کافی کھو دی ہے لیکن اپنی موجودہ بکھری ہوئی شکل میں وہ کہیں زیادہ مضبوط ہیں اور انگریزوں کو اپنی فوج مارچوں اور گرمیوں میں تباہ کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ مزاحمت کے کئی نئے مرکزوں پر نظر ڈالئے۔ روہیل کھنڈ کو لیجئے جہاں پرانے مقامی سپاہی بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ گھاگرا کے اس پار شمال مشرقی اودھ ہے جہاں اودھ والوں نے مورچے قائم کر لئے ہیں۔ کالپی ہے جو بندھیل کھنڈ کے باغیوں کے لئے اس وقت ارتکاز کے نقطے کی طرح کام آرہا ہے۔ چند ہفتوں میں، اگر جلد نہیں تو، اغلب ہے کہ ہم یہ سنیں کہ بریلی اور کالپی دونوں پر قبضہ ہوگیا۔ اول الذکر کی اہمیت نہیں کے برابر ہوگی اس لئے کہ اس میں کیمبل کی اگر ساری نہیں تو تقریباً ساری قابل استعمال قوت کھپ جائے گی۔ کالپی کی فتح زیادہ اہم ہوجائے گی جسے اب جنرل وہٹلاک سے خطرہ ہے جس نے ناگپور سے بندھیل کھنڈ میں باندے تک اپنے کالم کی رہنمائی کی ہے اور جنرل روز سے جو جھانسی کی طرف سے قریب آرہا ہے اور جس نے کالپی کی فوج کے طلایہ کو شکست دی ہے۔ اس فتح سے کیمبل کی کارروائیوں کا گڑھ کانپور اس واحد خطرے سے آزاد ہوجائے گا جو اس کے سامنے ہے اور اس طرح شاید وہ اس قابل ہوجائیں گے کہ وہاں سے جو فوجی آزاد ہوں ان میں سے اپنی باقاعدہ فوجوں کے لئے بڑی حد تک بھرتی کرسکیں۔ لیکن اس میں بہت شبہ ہے کہ اودھ کو صاف کرنے کے علاوہ اور کچھ کرنے کے لئے یہ کافی ہو۔

چنانچہ ہندوستان میں ایک نقطے پر انگلستان کی مرکوز کی ہوئی مضبوط ترین فوج تمام سمتوں میں پھر بکھری ہوئی ہے اور اسے اس سے زیادہ کام کرنا ہے جو وہ اطمینان

سے کرسکتی ہے۔گرمیوں کی دھوپ اور بارش میں موسم کی تباہ کاریاں ہولناک ہوں گی۔ ہندوستانیوں پر یورپیوں کی اخلاقی برتری خواہ کتنی ہی ہولیکن اس میں مطلق شبہ نہیں کہ ہندوستانی گرمیوں میں گرمی اور بارش کا مقابلہ کرنے کی ہندوستانیوں کی جسمانی برتری انگریز فوجوں کی تباہی کا ذریعہ بن جائے گی۔اس وقت بہت کم برطانوی فوجیں ہندوستان آنے والی ہیں اور جولائی اور اگست سے پہلے بڑی کمک بھیجنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔لہٰذا اکتوبر اور نومبر تک کیمبل کے لئے صرف اس فوج کو جو تیزی سے گھٹتی جارہی ہے اپنے ہاتھ میں رکھنا ہے۔اگراس دوران میں باغی ہندوستانی راجپوتانہ اور مراٹھواڑہ میں بغاوت کرانے میں کامیاب ہوگئے تو؟ اگر سکھ،جن کی تعداد برطانوی فوج میں 80 ہزار ہے اور جوفتوحات کے اعزاز کے دعویدار ہیں اور جن کو انگریز بالکل پسند نہیں ہیں، اُٹھ کھڑے ہوئے تو؟

غالباً کم سے کم ایک اور مہم ہندوستان میں برطانیہ کو کرنی ہوگی، اور یہ انگلستان سے دوسری فوج کے بھیجے بغیر انجام نہیں دی جاسکتی۔

لگ بھگ 4 جون 1858 کوتحریر کیا۔"نیویارک ڈیلی ٹریبیون" کے شمارے 5361 میں 26 جون 1858 کو اداریئے کی حیثیت سے شائع ہوا۔

ہندوستان میں محصولات

لندن کے جریدوں کے مطابق ہندوستانی مشترکہ سرمایہ کے حصص اور ریلوے تمسکات کا امتیاز یہ رہا ہے کہ وہ حال میں لندن کی منڈی میں پستی کی جانب حرکت کرتے رہے ہیں، جو اس پُر جوش یقین کی صداقت کی تصدیق کرنے سے بہت دور ہے جو جان بل ہندوستانی مالی ذرائع کے لوچ پن میں سخت عدم اعتماد ظاہر کرتا ہے۔ جہاں تک ہندوستانی مالی ذرائع کا تعلق ہے تو دو متضاد خیالات پیش کئے جا رہے ہیں۔ ایک طرف یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں محصولات دنیا کے کسی بھی ملک کے مقابلے میں گراں اور جابرانہ ہیں، کہ زیادہ تر پریذیڈنسیوں میں اور خاص کر ان پریذیڈنسیوں میں جہاں برطانوی راج طویل ترین ہے کاشتکار، یعنی ہندوستانی عوام کی اکثریت، عام طور پر بڑھتے ہوئے افلاس اور پسماندگی کی حالت میں ہیں، کہ نتیجے میں ہندوستانی مالگزاری کو اس کی انتہائی حد تک بڑھا دیا گیا ہے اور چنانچہ اس کی مالیت بحال کرنا ناممکن ہے۔ اب یہ ذرا بے کلی پیدا کرنے والی رائے ہے کیونکہ مسٹر گلیڈ سٹن کے مطابق آنے والے چند برسوں تک غیر معمولی ہندوستانی مصارف سالانہ تقریباً 2 کروڑ پونڈ اسٹرلنگ ہوں گے۔ دوسری طرف یہ دعوٰی کیا جاتا ہے (اور شماریاتی نقشوں کی سلسلے کے ذریعے بیان کو صحیح ثابت کیا جاتا ہے!) کہ ہندوستان میں سب سے کم محصولات لگائے جاتے ہیں کہ اگر مصارف بڑھتے جا رہے ہیں تو آمدنی بھی بڑھائی جا سکتی ہے۔ یہ تصور کرنا صریحاً فریب ہے کہ ہندوستانی عوام نئے محصول برداشت نہیں کر سکیں گے۔ مسٹر برائٹ نے جنہیں "بے کلی پیدا کرنے والے" نظریے کا انتہائی پُر جوش اور با اثر نمائندہ سمجھا جا سکتا ہے نئے گورنمنٹ آف انڈیا بل (98) کو دوسری بار پیش کرتے وقت مندرجہ ذیل بیان

دیا:

''ہندوستان پر حکمرانی کرنے کے لئے ہندوستانی حکومت کو زیادہ خرچ کرنا پڑا بہ نسبت اس کے جو ہندوستان کی آبادی سے بالجبر حاصل کیا گیا اگرچہ محصولات عائد کرنے میں اور ان کے وصول کرنے میں حکومت کسی بھی لحاظ سے محتاط نہیں رہی ہے۔ ہندوستان پر حکمرانی کرنے کے لئے اسے 3 کروڑ پونڈ سے زیادہ خرچ کرنا پڑا کیونکہ مجموعی آمدنی اتنی ہی تھی اور خسارہ تو ہمیشہ ہی ہوتا ہے جو سُود کی بلند شرح پر قرضے حاصل کرکے پورا کیا گیا۔ اب ہندوستانی قرض کی رقم 6 کروڑ پونڈ ہے اور وہ بڑھتا جا رہا ہے اور حکومت کی ساکھ کم ہوتی جا رہی ہے۔ جزوی طور پر اس وجہ سے کہ ایک یا دو موقعوں پر اس نے قرضہ دینے والوں کے ساتھ دیانت داری کا سلوک نہیں کیا، اور اب آفتوں کے سبب سے بھی جنہوں نے حال ہی میں ہندوستان کو گھیر لیا ہے۔ میں نے مجموعی آمدنی کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن اس میں افیون کی آمدنی بھی شامل ہے تو اسے مشکل ہی سے عوام پر محصول کہا جا سکتا ہے۔ جو محاصل واقعی ان پر عائد کئے گئے انہیں مَیں 205 کروڑ پونڈ خیال کروں گا۔ تو اس 205 کروڑ پونڈ کا مقابلہ 6 کروڑ پونڈ سے نہ کیا جائے جو ہمارے ملک میں جمع کیا گیا تھا۔ ایوان یہ یاد رکھے کہ ہندوستان میں بارہ دن کی محنت سونے یا چاندی کی اسی مقدار سے خریدی جا سکتی ہے جو انگلستان میں ایک دن کی ادائیگی سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ 205 کروڑ پونڈ ہندوستان میں جتنی محنت خریدنے پر صرف کئے جائیں گے انگلستان میں اتنی ہی محنت حاصل کرنے کیلئے 30 کروڑ پونڈ کی رقم درکار ہو گی۔ مجھ سے سوال کیا جا سکتا ہے کہ ایک ہندوستانی کی محنت کی کتنی قیمت ہے؟ تو اگر ایک ہندوستانی کی محنت کی قیمت صرف 2 پینی یومیہ ہے تو یہ واضح ہے کہ ہم اس سے اتنے

محاصل ادا کرنے کی توقع نہیں کرتے گویا اس کی اجرت 2 شلنگ ہو ۔ برطانیہ عظمیٰ اور آئرلینڈ کی آبادی 3 کروڑ ہے ۔ ہندوستان میں 15 کروڑ باشندے ہیں ۔ یہاں ہم نے محصولات میں 6 کروڑ پونڈ اسٹرلنگ جمع کیے ۔ ہندوستان میں ہندوستانی عوام کی دن کی محنت کو شمار کرتے ہوئے ہم نے 30 کروڑ پونڈ کی آمدنی جمع کی، یا وطن میں جتنا جمع کیا گیا اس سے پانچ گنا زیادہ ۔ اس حقیقت کو دیکھتے ہوئے کہ ہندوستان کی آبادی برطانوی سلطنت کی آبادی سے پانچ گنا زیادہ ہے تو لوگ کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان اور برطانیہ میں فی کس محاصل تقریباً یکساں ہیں ۔ لہٰذا زیادہ مصیبت نہیں لادی گئی ۔ لیکن انگلستان میں مشینوں اور رہباپ کی، نقل و حمل کے ذرائع کی اور ہر اس چیز کی، جو سرمائے اور انسانی اختراع سے ایک قوم کی صنعت کی مدد کرسکتی ہے، بے حساب طاقت ہے ۔ ہندوستان میں اس قسم کی کوئی بات نہیں ہے، وہاں سارے ہندوستان میں مشکل سے ایک اچھی سڑک ہے ۔"

یہ تسلیم کرلینا چاہیے کہ ہندوستانی محصولات کا برطانوی محصولات سے مقابلہ کرنے کے اس طریقے میں کچھ گڑبڑ ہے ۔ ایک طرف ہندوستانی آبادی ہے جو برطانیہ سے پانچ گنا زیادہ ہے، دوسری طرف ہندوستانی محاصل ہیں جو برطانیہ کے نصف کے برابر ہیں ۔ لیکن مسٹر برائٹ نے کہا ہے کہ ہندوستانی محنت برطانوی محنت کے تقریباً ایک بارہویں کے برابر ہے ۔ چنانچہ ہندستان میں 3 کروڑ پونڈ کے محصولات برطانیہ عظمیٰ میں 30 کروڑ پونڈ محصولات کے مطابق ہوں گے، 6 کروڑ پونڈ کی بجائے جو واقعی وہاں جمع کیے گئے ۔ تو اس سے کیا نتیجہ اخذ کرنا چاہیے تھا؟ کہ ہندوستان کے لوگ اپنی عددی قوت کے تعلق سے اتنے ہی محاصل ادا کرتے ہیں جتنے برطانیہ عظمیٰ کے لوگ ۔ اگر یہ پیش نظر رکھا جائے کہ ہندوستان میں لوگ

مقابلتاً مفلس ہیں اور 3 کروڑ پونڈ 15 کروڑ ہندوستانیوں پر اتنا ہی بھاری بوجھ ہیں جتنا 6 کروڑ پونڈ 3 کروڑ انگریزوں پر۔ چونکہ ان کا یہ مفروضہ ہے اس لئے جواب میں یہ کہنا واقعی گمراہ کن ہے کہ غریب لوگ اتنا ادا نہیں کر سکتے جتنا امیر کیونکہ یہ بیان دیتے وقت کہ ہندوستانی اتنا ہی ادا کرتے ہیں جتنا انگریز، ہندوستانی عوام کی متناسب مفلسی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ایک اور سوال کیا جا سکتا ہے۔ یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ آیا ایک آدمی سے جو یومیہ 12 سینٹ کماتا ہے اُس سے منصفانہ طور پر اتنی ہی آسانی سے ایک سینٹ ادا کرنے کی توقع کی جا سکتی ہے جتنی آسانی سے دوسرا آدمی جو یومیہ 12 ڈالر کماتا ہے اور ایک ڈالر ادا کرتا ہے؟ تناسب کے اعتبار سے دونوں اپنی آمدنی کا ایک ہی مقسوم علیہ حصہ ادا کرتے ہیں لیکن محصول ان کی اپنی اپنی ضروریات پر بالکل مختلف تناسب سے اثر انداز ہوگا۔ اس کے باوجود مسٹر برائٹ نے ان معنوں میں سوال کو پیش نہیں کیا ہے اور اگر وہ ایسا کرتے تو ہندوستانی اور برطانوی محاصل کے درمیان مقابلے کی بہ نسبت ایک طرف برطانوی اجرتی مزدور اور دوسری طرف برطانوی سرمایہ دار کے درمیان محاصل کے بوجھ کا مقابلہ غالباً زیادہ واضح ہو جاتا۔ علاوہ ازیں وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ ہندوستانی محصولات کے 3 کروڑ پونڈ میں سے 50 لاکھ پونڈ کی افیون کی آمدنی منہا کر دینا چاہیے کیونکہ اگر سچ کہا جائے تو یہ وہ ٹیکس نہیں تھا جو ہندوستانی عوام پر عائد کیا گیا بلکہ برآمدی چنگی تھی جو چین کے صرفے سے حاصل ہوئی تھی۔ پھر ہمیں اینگلو انڈین انتظامیہ کے عذر خواہ یہ یاد دلاتے ہیں کہ 106 کروڑ پونڈ کی آمدنی زمین کی مالگزاری یا لگان سے حاصل ہوئی جو قدیم زمانے سے اعلیٰ زمیندار کی حیثیت سے ریاست کی ملکیت رہی ہے اور کبھی بھی کاشتکار کی نجی دولت کا حصہ نہیں تھی اور درحقیقت اصلی محاصل میں شامل

نہیں کی جاتی تھی، اسی طرح وہ لگان جسے برطانوی کسان برطانوی اشرافیہ کو ادا کرتے ہیں وہ برطانوی محاصل میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ اس نقطہ نظر سے ہندوستانی محاصل کی صورت حال یہ ہے:

مجموعی رقم جو حاصل کی گئی

300,00,000 پونڈ

افیون کی آمدنی کا منہا

50,00,000 پونڈ

زمین کے لگان کا منہا

160,00,000 پونڈ

اصلی محاصل

90,00,000 پونڈ

پھر اسی 90 لاکھ پونڈ میں سے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ بعض اہم مدوں نے، جیسے ڈاک خانہ، اسٹامپ ڈیوٹی اور برآمدی چنگی، عوام الناس سے بہت کم تناسب وصول کیا۔ مسٹر ہینڈرکس اپنے مقالے میں، جو حال ہی میں برطانوی شماریاتی انجمن کے سامنے پیش کیا گیا، پارلیمانی اور دوسری سرکاری دستاویزوں کی بناء پر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کل آمدنی میں سے، جسے ہندوستانی عوام نے ادا کیا، اس وقت محاصل سے یعنی عوام کی اصل آمدنی سے 20 فیصدی سے زیادہ حاصل نہیں کئے جاتے۔ کل آمدنی میں سے بنگال میں صرف 27 فیصدی، پنجاب میں صرف 23 فیصدی، مدراس میں صرف 21 فیصدی، شمال مغربی صوبوں میں صرف 17 فیصد بمبئی میں صرف 16 فیصدی اصلی محاصل سے حاصل کئے جاتے ہیں۔

محاصل کی اوسط رقم کا ذیل میں تقابلی مطالعہ جو 56-1855 میں ہندوستان اور برطانیہ کے ہر باشندے سے حاصل کی گئی، مسٹر ہینڈرکس کے بیان سے اخذ کیا گیا ہے:

علاقہ

فی کس آمدنی

اصلی محاصل

بنگال

5 شلنگ

ایک شلنگ 4 پینس

شمال مغربی صوبے

3 شلنگ 5 پینس

7 پینس

مدراس

4 شلنگ 7 پینس

ایک شلنگ

بمبئی

8 شلنگ 3 پینس

ایک شلنگ 4 پینس

پنجاب

3 شلنگ 3 پینس

9 پینس

برطانیہ

ایک پونڈ 10 شلنگ

دوسرے برسوں کے متعلق مختلف ممالک کے لئے جنرل بریگز نے قومی آمدنی میں ہر فرد کی اوسط ادائیگی کا ذیل میں تخمینہ کیا ہے:

انگلستان میں 1852 ایک پونڈ 19 شلنگ 4 پینس

فرانس میں ایک پونڈ 12 شلنگ

پروشیا میں -----19 شلنگ 3 پینس

ہندوستان میں 1854 -----3 شلنگ ساڑھے آٹھ پینس

ان بیانات سے برطانوی انتظامیہ کے عذر خواہوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یورپ میں ایک ملک بھی ایسا نہیں ہے جہاں، اگر ہندوستان کی نسبتاً غریب کو پیش نظر رکھا جائے تو عوام سے اتنا کم محصول لیا جاتا ہو۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستانی محاصل کے تعلق سے نہ صرف آراء متضاد ہیں بلکہ وہ حقائق بھی متضاد ہیں جن سے یہ آراء اخذ کی گئی ہیں۔ ایک طرف ہمیں تسلیم کرنا چاہیے کہ برائے نام ہندوستانی محاصل کی رقم نسبتاً چھوٹی ہے لیکن دوسری طرف ہم پارلیمانی دستاویزوں اور ہندوستانی امور کے عظیم ترین مستند لوگوں کی تحریروں سے شہادتوں کی ڈھیر لگا دیں گے جو بلاشبہ یہ ثابت کرتی ہیں کہ بظاہر یہ ہلکے محاصل ہندوستانی عوام الناس کی کمر توڑ رہے ہیں، اور ان کے حصول کے لئے ایسی مکروہ حرکتیں اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جیسے مثال کے طور پر جسمانی اذیت۔ لیکن کیا ہندوستانی قرض

کے مسلسل اور تیز اضافے اور ہندوستانی خساروں کے اجتماع کے علاوہ کسی دوسرے ثبوت کی ضرورت ہے؟ یقیناً اس پر بحث نہیں کی جائے گی کہ ہندوستانی حکومت قرضوں اور خساروں میں اضافہ کرنے کو ترجیح دیتی ہے کیونکہ وہ عوام کے وسائل کو بہت زیادہ اکھڑپن سے ہاتھ لگانے سے گریز کرتی ہے۔ وہ قرض کی راہ اختیار کرتی ہے کیونکہ اسے اپنی ضرورت پوری کرنے کا دوسرا راستہ نظر نہیں آتا۔ 1805 میں ہندوستانی قرض کی رقم 256,26,631 پونڈ تھی، 1829 میں وہ تقریباً 340,00,000 پونڈ ہو گئی 1850 میں 471,51,018 پونڈ اور اس وقت لگ بھگ 600,00,000 پونڈ ہے۔ برسبیل تذکرہ ہم اس حساب میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے اس قرض کو شامل نہیں کرتے جو انگلستان میں لیا گیا ہے جس کی ادائیگی اس کمپنی کی آمدنی سے ہوتا ہے۔ سالانہ خسارہ، جو 1805 میں تقریباً 25 لاکھ پونڈ تھا، لارڈ ڈلہوزی کی انتظامیہ کے تحت اوسطاً 50 لاکھ پونڈ ہو گیا۔ مسٹر جارج کیمبل، جن کا تعلق بنگال سِول سروس سے ہے اور جو اینگلو انڈین انتظامیہ کے کٹر حامی ہیں، 1852 میں یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے:

”اگر چہ کسی مشرقی فاتح نے ہندوستان پر اپنا مکمل غلبہ، اتنی خاموشی سے، کُلی طور پر اور بلا مخالفت قبضہ حاصل نہیں کیا جتنا ہم نے، اس کے باوجود ہر ایک نے اپنے آپ کو ملک کی آمدنی سے مالدار کیا اور کئی فاتحوں نے اپنی وافر دولت میں سے خاصی رقمیں عوامی بہبود کے کاموں میں لگائیں ـ ہم ایسا کرنے سے قاصر ہیں ـ سارے مصارف کا بوجھ کسی طرح بھی کم نہیں ہوا ہے (انگریز راج میں) اس کے باوجود ہمارے پاس زائد (دولت) نہیں ہے“۔

محاصل کے بوجھ کا تخمینہ لگاتے وقت اس برائے نام رقم کو میزان میں بہت

زیادہ شامل نہیں کرنا چاہیے، بہ نسبت اسے حاصل کرنے کے طریقے اور اسے استعمال کرنے کے رویے کے ۔اول الذکر ہندوستان میں قابل نفرین ہے اور مثال کے طور پر زمین کے محصول کی مد میں آمد کا زیادہ حصہ ضائع ہوتا ہے بہ نسبت اس کے جو حاصل ہوتا ہے ۔جہاں تک محصولات کے اطلاق کا تعلق ہے تو یہ کہنا کافی ہے کہ ان کا کوئی بھی حصہ افادہ عامہ کی شکل میں عوام تک نہیں لوٹتا جو اور تمام ملکوں سے زیادہ ایشیائی ملکوں کے لئے ناگریز ہے، اور یہ کہ جیسا مسٹر برائٹ نے بجا طور پر ارشاد فرمایا، کہیں بھی خود حکمراں طبقے کے لئے اتنے بے جا خرچ کی بہم رسانی نہیں ہے ۔

29 جون 1858 کو تحریر کیا۔ ''نیو یارک ڈیلی ٹریبیون'' کے شمارے 5383 میں 23 جولائی 1858 کو اداریے کی حیثیت سے شائع ہوا

ہندوستانی فوج (99)

ہندوستان میں جنگ بتدریج بے ربط چھاپہ مار لڑائی کی منزل میں داخل ہو رہی ہے جس کے متعلق ہم ایک بار سے زیادہ اس کے فروغ کے آئندہ ناگریز اور انتہائی خطرناک دور کے حوالہ سے بتا چکے ہیں۔ باغی فوجیں گھمسان کی لڑائیوں، شہروں کی مدافعت اور مورچہ بند کیمپوں میں اپنی مسلسل شکستوں کے بعد بتدریج چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں منتشر ہو گئیں جو دو ہزار سے لے کر چھ یا آٹھ ہزار تک جوانوں پر مشتمل ہیں۔ وہ بڑی حد تک ایک دوسرے سے آزاد رہ کر سرگرم رہتی ہیں لیکن ہمیشہ مختصر فوجی مہم کے لئے کسی بھی برطانوی دستے کے خلاف، جو انہیں تنہا ملتا ہے، متحد ہونے کے لئے تیار رہتی ہیں۔ لکھنؤ سے کوئی 80 میل دُور سر کالن کیمبل کی سرگرم باقاعدہ فوج کے آنے کے بعد ایک بھی ضرب بریلی سے دست کشی مقامی سپاہیوں کی دوسری بڑی فوج کے لئے اتنی ہی اہم تھی۔ ہر معاملے میں کارروائیوں کے قابل دفاع مرکزی اڈے کو چھوڑ دیا گیا اور اس طرح فوج کے لئے لڑائی لڑنا ناممکن ہو گیا، باغیوں نے چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں بٹ کر بے قاعدگی سے پسپائی شروع کر دی۔ ان متحرک کالموں کو کارروائیوں کے مرکزی اڈے کے لئے بڑے شہروں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جن اضلاع میں وہ حرکت کرتے ہیں وہاں زندہ رہنے، ساز و سامان حاصل کرنے اور بھرتی کرنے کے ذرائع تلاش کر سکتے ہیں۔ جس طرح دہلی، لکھنؤ یا کالپی بڑی فوجوں کے لئے قیمتی تھا اسی طرح قصبہ یا بڑا گاؤں تنظیم نو کے مرکز کی طرح ہر ایک کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔ اس تبدیلی کی وجہ سے جنگ سے دلچسپی کم ہو گئی۔ باغیوں کے مختلف کالموں کی نقل و حرکت کا تفصیل سے مطالعہ نہیں کیا جا سکتا اور تذکروں میں وہ الجھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ برطانوی

کمانڈروں کی کارروائیاں بڑی حد تک نا قابل تنقید بن گئیں کیونکہ اس حالت میں وہ حالات نامعلوم ہیں جن پر ان کی کارروائیاں مبنی تھیں۔کامیابی یا ناکامی اب بھی واحد کسوٹی ہے اور وہ یقیناً سب سے زیادہ دھوکے باز ہیں۔

مقامی سپاہیوں کی نقل و حرکت کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہو گیا ہے۔لکھنؤ کی تسخیر کے بعد انہوں نے بے قاعدگی سے پسپائی کی__ کچھ جنوب مشرق میں، کچھ شمال مشرق میں، کچھ شمال مغرب میں۔آخر الذکر سب سے مضبوط جماعت تھی، جس کا تعاقب کیمبل نے روہیل کھنڈ میں کیا۔ باغی بریلی میں مرکوز ہو گئے تھے اور انہوں نے اپنی تشکیل نو کر لی تھی۔لیکن انگریز آئے تو انہوں نے یہ جگہ بلا مزاحمت چھوڑ دی اور پھر مختلف سمتوں میں پسپائی کی۔ پسپائی کے ان مختلف راستوں کی تفصیلات علم میں نہیں ہیں۔ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ ایک حصہ نیپال کی سرحد پر پہاڑیوں کی طرف گیا اور ایک یا زیادہ کالموں نے غالباً مخالف سمت میں گنگا اور دو آبے (گنگا اور جمنا کے درمیانی علاقہ) کی جانب مارچ کیا۔لیکن جوں ہی کیمبل نے بریلی پر قبضہ کیا باغی، جو مشرق کی طرف پسپا ہو گئے تھے، اودھ کی سرحد پر چند جماعتوں کے ساتھ متحد ہو گئے اور انہوں نے شاہجہاں پور پر حملہ کر دیا جہاں ایک چھوٹی سی محافظ فوج رہ گئی تھی۔اس دوران میں باغیوں کے مزید کالم تیزی سے اس سمت میں بڑھتے رہے۔محافظ فوج کی خوش قسمتی سے بریگیڈیئر جنرل جونس کمک لے کر 11 مئی کو پہنچ گئے اور مقامی سپاہیوں کو شکست دے دی۔لیکن انہیں بھی ان کالموں سے کمک مل گئی جو شاہجہاں پور میں مرکوز ہو رہے تھے اور انہوں نے 15 تاریخ کو شہر کو پھر گھیر لیا۔اسی دن کیمبل نے بریلی میں ایک محافظ فوج چھوڑی اور شاہجہاں پور مدد کرنے کے لئے روانہ ہو گئے۔لیکن صرف 24 مئی کو انہوں نے

باغیوں پر حملہ کیا اور انہیں پیچھے دھکیل دیا۔ باغیوں کے مختلف کالم جنھوں نے اس داؤ میں تعاون کیا تھا پھر مختلف سمتوں میں منتشر ہو گئے۔

جس وقت کیمبل روہیل کھنڈ کی سرحد پر مصروف تھے اس وقت جنرل ہوپ گرانٹ جنوبی اودھ میں اپنی فوج کو آگے اور پیچھے مارچ کراتے رہے لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا، سوائے اس کے کہ گرمیوں کی ہندوستانی دھوپ سے ان کی فوجوں کا جانی نقصان ہوا۔ باغی ان کے لئے بہت پھرتیلے ثابت ہوئے۔ وہ ہر جگہ موجود رہتے تھے سوائے اس جگہ کے جہاں وہ انہیں تلاش کرتے تھے۔ اور جب جنرل ہوپ گرانٹ کو توقع ہوتی تھی کہ انہیں سامنے پائیں گے تو وہ پہلے سے اس کے عقب میں آجاتے تھے۔ گنگا کے بہاؤ پر جنرل لوگارڈ دیناپور، جگدیش پور اور بکسر کے درمیانی علاقے میں اسی قسم کے سائے کے تعاقب میں مصروف رہے۔ مقامی سپاہی انہیں مسلسل دوڑاتے رہے اور انہیں جگدیش پور سے علیحدہ کرنے کے بعد اس شہر کی محافظ فوج پر فوراً حملہ کر دیا۔ لوگارڈ واپس آگئے اور تار کی ایک اطلاع کے مطابق 26 مئی کو فتح حاصل کر لی۔ اودھ اور روہیل کھنڈ کے کالموں اور ان باغیوں کے طریقہ کار میں یکسانیت واضح ہے۔ لیکن لوگارڈ کی فتح مشکل ہی سے اہمیت کی حامل ہے۔ پست ہمت اور کمزور ہونے سے پہلے ایسے جتھوں کو متعدد بار دہرانا پڑتا ہے۔

چنانچہ مئی کے وسط سے شمالی ہند کی ساری باغی فوج نے بڑے پیمانے پر لڑنا بند کر دیا ہے، استثنا صرف کالپی کی فوج ہے۔ اس فوج نے نسبتاً تھوڑے وقت میں اس شہر میں کارروائیوں کا ایک مکمل مرکز منظم کر لیا۔ ان کے پاس کھانے پینے کی اشیاء، بارود کے ذخیرے فراوانی سے تھے، کافی توپیں، یہاں تک کہ ڈھلائی خانے اور بندوقیں بنانے کی ورکشاپیں بھی تھیں۔ حالانکہ وہ کانپور سے 25 میل بھی دور نہیں

تھے لیکن کیمبل نے انہیں ہاتھ نہیں لگایا انہوں نے دوآبے میں یا جمنا کے مشرقی پہلو میں ایک فوج سمیت ان کا محض مشاہدہ کیا۔ جنرل روز اور جنرل وہٹلاک ایک عرصے سے کالپی کی جانب کوچ کر رہے تھے۔ آخر کار جنرل روز پہنچ گئے اور کالپی کے سامنے کئی جھڑپوں کے بعد باغیوں کو شکست دے دی۔ اسی دوران میں جمنا کی دوسری طرف سے مشاہدہ کرنے والی قوت نے شہر اور قلعے پر بمباری شروع کر دی اور باغیوں نے یکا یک دونوں خالی کر دیئے۔ انہوں نے اپنی آخری فوج کو آزاد کالموں میں تقسیم کر لیا۔ جو اطلاعات موصول ہوئی ہیں ان سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ وہ کن راستوں سے گزرے۔ ہمیں صرف اتنا علم ہے کہ کچھ دوآبے میں گئے اور باقی گوالیار کی جانب۔

چنانچہ ہمالیہ سے لے کر بہار اور بندھیا چل تک اور گوالیار اور دہلی سے لے کر گورکھپور اور دیناپور تک کے علاقے میں سرگرم باغیوں کے گروہ بھرے پڑے ہیں، بارہ ماہ کی جنگ کے تجربے کی بدولت وہ کسی حد تک منظم ہیں اور کئی شکستوں کے باوجود، جن کا کردار غیر فیصلہ کن ہے اور اس حقیقت سے کہ انگریزوں نے ان (اپنی کامیابیوں) سے کم فائدہ اٹھایا، ہمت باندھ رہے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ان کے تمام گڑھ اور کارروائیوں کا مرکز ان سے چھین لئے گئے ہیں۔ ان کے ذخیروں اور توپخانے کا بڑا حصہ ضائع ہو گیا ہے۔ تمام اہم شہر ان کے دشمنوں کے ہاتھ میں ہیں لیکن دوسری طرف اس وسیع و عریض علاقے میں انگریزوں کا شہروں کے علاوہ اور کسی جگہ پر قبضہ نہیں ہے اور کھلے رقبے میں صرف ان مقامات پر جہاں ان کے متحرک کالم موجود ہیں۔ وہ اپنے سبک رفتار دشمنوں کا پیچھا کرنے پر مجبور ہوتے ہیں لیکن انہیں پکڑنے کی کوئی امید نہیں ہوتی اور سال کے مہلک ترین موسم میں انہیں

جنگ کے اس ناک میں دم کرنے والے طریقے میں حصہ لینا پڑ رہا ہے۔ دیسی ہندوستانی اپنی سرگرمیوں میں دوپہر کی تمازت نسبتاً اطمینان سے برداشت کرسکتا ہے مگر سورج کی دھوپ میں تھوڑی دیر کے لئے رہنا یورپی کے لئے تقریباً یقینی موت ہے۔ ہندوستانی ایسے موسم میں چالیس میل مارچ کرسکتا ہے جبکہ دس میل کے بعد اس کا شمالی مخالف ہار کر بیٹھ جاتا ہے۔ اُس کے لئے گرم بارش اور دلدلی جنگل نسبتاً بے ضرر ہیں لیکن جب یورپی بارش کے موسم یا دلدلی مقامات پر جانفشانی کرتے ہیں تو پیچش، ہیضہ اور ملیریا میں لازمی مبتلا ہوجاتے ہیں۔ ہمیں برطانوی فوج میں حفظان صحت کی حالت کا تفصیلی حال معلوم نہیں ہے لیکن جنرل روز کی فوج میں لوگوں کی اس تقابلی تعداد سے جو لُو لگنے سے مرے اور جنہیں دشمن نے ہلاک کیا، اس رپورٹ سے کہ لکھنؤ کی حفاظتی فوج بیمار ہے، کہ 38 ویں رجمنٹ جو گزشتہ خزاں میں آئی تھی 1000 فوجیوں پر مشتمل تھی اور اب اس کی تعداد مشکل سے 550 ہے اور دوسری مظاہر سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ گرمیوں کی تمازت نے اپریل اور مئی میں ان نووارد آدمیوں اور جوانوں کو اپنا شکار بنایا جنھوں نے گزشتہ سال کی مہم میں دھوپ سے سنولائے ہوئے پرانے سپاہیوں کی جگہ لی تھی۔ کیمبل کے پاس جس طرح کے لوگ ہیں وہ نہ ہیولاک کے لوگوں کی طرح تیز رفتار مارچ کرسکتے ہیں اور نہ دہلی کی طرح برسات میں محاصرے کرسکتے ہیں۔ اگرچہ برطانوی حکومت پھر بڑی کمک بھیجنے والی ہے لیکن یہ مشتبہ ہے کہ کمک اتنی کافی ہوگی کہ گرمیوں کی اس مہم میں مرنے کھپنے والوں کی جگہ لے سکے، ایسے دشمن کے خلاف جو انگریزوں سے اس وقت تک لڑنا نہیں چاہتا جب تک اس کے لئے شرائط انتہائی سازگار نہ ہوں۔

باغیوں کی جنگ نے فرانسیسیوں کے خلاف الجزائر کے بدوؤں کی لڑائی

(100) جیسا کردار اختیار کرنا شروع کر دیا ہے ۔فرق یہ ہے کہ ہندوستانی اتنے کٹر نہیں ہیں اور ان کی قوم گھڑسوار نہیں ہے ۔زبردست وسعت والے ہموار ملک میں آخر الذکر اہم ہے ۔ان میں کافی مسلمان ہیں جو ایک اچھی سوار فوج کی تشکیل کر سکتے ہیں لیکن خاص گھڑسوار قومیں ابھی تک بغاوت میں شامل نہیں ہوئی ہیں ۔ان کی فوج کی قوت پیدل فوج ہے، اور یہ بازو چونکہ میدان جنگ میں انگریز کا مقابلہ کرنے کے لئے موزوں نہیں ہے اس لئے میدان میں چھاپہ مار لڑائی کے وقت وہ رکاوٹ بن جاتی ہے ۔ایسے ملک میں چھاپہ مار جنگ کا زور سوار فوج ہے ۔جب انگریز بارش کے موسم میں زبردستی چھٹی لیں گے تو یہ ضرورت کس حد تک پوری کی جائے گی اسے دیکھنا باقی ہے ۔یہ چھٹی مقامی لوگوں کو از سرِ نو منظم ہونے اور اپنی فوجوں کی بھرتی کے لئے موقع فراہم کرتی ہے ۔سوار فوج کی تنظیم کے علاوہ دو اور اہم نکتے ہیں: جوں ہی سردیاں شروع ہوں گی صرف چھاپہ مار لڑائی سے کام نہیں چلے گا ۔سردی کا موسم ختم ہونے تک انگریزوں کو مصروف رکھنے کے لئے کارروائیوں کے مرکز، ذخیرے، توپخانے، مورچے بند کیمپوں یا شہروں کی ضرورت ہے ورنہ، قبل اس کے کہ اگلی گرمیاں اسے نئی زندگی بخشیں، چھاپہ مار جنگ کا قلع قمع کیا جا سکتا ہے ۔غالباً دیگر اہم مقامات کی طرح گوالیار مناسب نقطہ ہے اگر وہ باغیوں کے واقعی قابو میں ہیں تو ۔دوسرے، بغاوت کے مقدر کا دارومدار اسے وسعت دینے کی قابلیت پر ہے ۔اگر منتشر کالم روہیل کھنڈ کو پار کر کے راجپوتانہ اور مرہٹہ علاقوں تک نہیں آ سکتے، اگر تحریک شمال مرکزی علاقے ہی تک محدود رہتی ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگلی سردیاں گروہوں کو منتشر کر دیں گی اور انہیں ڈکیتوں میں تبدیل کر دیں گی ۔اور وہ باشندوں کے لئے جلد ہی گورے حملہ آوروں کے مقابلے میں زیادہ

قابل نفرت ہو جائیں گے۔

6 جولائی 1858 کو تحریر کیا۔ ''نیویارک ڈیلی ٹریبیون'' کے شمارے 5381 میں 21 جولائی 1858 کو اداریئے کی حیثیت سے شائع ہوا۔

انڈین بل (101)

دارالعوام میں تازہ ترین انڈین بل کی تیسری خواندگی منظور ہوگئی ہے، اور چونکہ دارالامراء ڈربی کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے اس کے خلاف نہیں لڑے گا اس لئے لگتا ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ سورماؤں کی طرح نہیں مرتی۔ لیکن اس نے اپنے اقتدار کا مبادلہ اسی طرح کرلیا ہے جس طرح اسے حاصل کیا تھا یعنی کاروباری طریقے سے، حصوں میں۔ در حقیقت اس کی ساری تاریخ خرید و فروخت کی رہی ہے۔ اس نے ابتداء حاکمیت اعلیٰ کو خریدنے سے کی اور آخر میں اسے فروخت کردیا۔ وہ گھمسان کی لڑائی میں نہیں بلکہ نیلام کرنے والے ہتھوڑے سے سب سے بڑی بولی لگانے والے کے ہاتھوں میں آن گری ہے۔ 1693 میں اس نے ڈیوک آف لیڈس اور دوسرے پبلک افسروں کو بھاری رقمیں دے کر تاج شاہی سے اکیس سال کے لئے چارٹر حاصل کیا۔ 1767 میں اس نے شاہی خزانے کو 4 لاکھ پونڈ سالانہ ادا کرنے کا وعدہ کر کے اپنے اقتدار کی میعاد دو سال کے لئے بڑھوالی۔ 1769 میں اس نے ایسا ہی سودا پانچ سال کے لئے کیا لیکن جلد ہی شاہی خزانہ طے شدہ ادائیگی لینے سے دستبردار ہوگیا اور کمپنی کو 4 فیصدی سود پر 1400,000 پونڈ کا قرضہ دے دیا۔ اس کے عوض کمپنی اقتدار کے بعض اجزاء سے محروم ہوگئی۔ مثلاً پارلیمنٹ کو گورنر جنرل اور چار کونسلر نامزد کرنے کا حق مل گیا، تاج شاہی کو لارڈ چیف جسٹس اور اس کے تین ججوں کے تقرر کا حق حوالے کردیا گیا۔ ساتھ ہی اس بات پر رضامند ہوگئی کہ کمپنی 'مالکان کے کورٹ' کو ایک جمہوری ادارے سے اولیگارکی کے ادارے میں تبدیل کردیا جائے (102)۔ 1858 میں مالکان کے کورٹ میں اس نے سنجیدگی سے عہد کیا

کہ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے حکمرانی کے اختیارات تاجِ شاہی کو منتقل کرنے کی تمام ''آئینی ذرائع'' سے مزاحمت کرے گی مگر اب اس نے وہ اصول قبول کرلیا ہے، اس بل پر راضی ہوگئی ہے جو کمپنی کے لئے تعزیری ہے لیکن اپنے خاص ڈائریکٹروں کو منافع اور عہدوں کی ضمانت حاصل کر کے جیسا کہ شلر نے لکھا ہے: ہیرو کی موت سورج کے غروب ہونے سے ملتی جلتی ہے (شلر کا ڈرامہ ''ڈاکو'' ایکٹ 3، منظر 2) تو ایسٹ انڈیا کمپنی کا اخراج اس سمجھوتے سے زیادہ مشابہہ ہے جو ایک دیوالیہ اپنے قرض خواہوں کے ساتھ کرتا ہے۔

اس بل کے تحت انتظامیہ کے بنیادی کارہائے منصبی کونسل میں سیکرٹری آف اسٹیٹ کو سپرد کر دئے گئے ہیں جس طرح کلکتہ میں کونسل میں گورنر جنرل امور چلاتا ہے۔ یہ دونوں حکام ـ انگلستان میں سیکرٹری آف اسٹیٹ اور ہندوستان میں گورنر جنرل ـ یکساں طور پر اس کے مختار ہیں کہ اپنے مددگاروں کے مشورے کو نظر انداز کر دیں اور خود اپنے فیصلے پر عمل کریں۔ نیا بل سیکرٹری آف اسٹیٹ کو وہ تمام اختیارات بھی سپرد کرتا ہے جو آج کل بورڈ آف کنٹرول کا صدر خفیہ کمیٹی کی وساطت سے استعمال کرتا ہے یعنی وہ اختیار جس کے مطابق غیر معمولی حالات میں اپنی کونسل سے مشورہ کئے بغیر ہندوستان کو احکامات جاری کئے جاسکتے ہیں۔ اس کونسل کی تشکیل کرنے کے سلسلے میں یہ ضروری سمجھا گیا کہ آخر کار اس کی نامزدگیوں میں تاج شاہی کی نامزدگیوں کے علاوہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو ایک واحد عملی ذریعے کی طرح استعمال کیا جائے۔ کونسل کے منتخبہ ممبر ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹر خود اپنے میں سے انتخاب کریں گے۔

چنانچہ آخر کار ایسٹ انڈیا کمپنی کا نام اس کی روح سے زیادہ زندہ رہے گا۔

آخری لمحے ڈربی کی کابینہ نے تسلیم کیا کہ بل میں ایسی کوئی دفعہ نہیں ہے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کو منسوخ کرتی ہو جو کورٹ آف ڈائریکٹرز کی نمائندگی کرتی ہے بلکہ وہ گھٹ کر اسٹاک ہولڈروں کی کمپنی کا پرانا کردار اختیار کر لیتی ہے جو کمپنی کے ان منافعوں کو تقسیم کرتا ہے جن کی ضمانت مختلف منظور شدہ قوانین دیتے ہیں۔ پٹ کے 1784 کے بل نے بورڈ آف کنٹرول کے نام پر اپنی حکومت کو عملاً کابینہ کے زیر اثر کر دیا۔ 1813 کے قانون نے سوائے چین کے ساتھ تجارت کے، ان کی تجارتی اجارہ داری ختم کر دی۔ 1834 کے قانون نے ان کا تجارتی کردار بالکل ختم کر دیا اور 1854 کے قانون نے ان کے اقتدار کی آخری باقیات چھین لیں، پھر ہندوستانی انتظامیہ کو ان کے ہاتھ میں چھوڑ دیا۔ تاریخ کی گردش نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو جو 1612 میں جوائنٹ اسٹاک کمپنی میں تبدیل کی گئی تھی پھر اسے اس کی پرانی پوشاک پہنا دی، جو اب بغیر تجارت کے تجارتی شراکت داری کی نمائندگی کرتی ہے اور ایک ایسی جوائنٹ اسٹاک کمپنی کی جس کے پاس کاروبار کے لئے فنڈ نہیں ہے بلکہ حاصل کرنے کے لئے صرف کمپنی کا مقررہ منافع ہے۔

انڈین بل کی تاریخ کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جدید پارلیمانی قانون سازی کے کسی بھی دوسرے قانون کے مقابلے میں زیادہ ڈرامائی تبدیلیاں ہیں۔ جب سپاہیوں کی بغاوت پھوٹ پڑی تو برطانوی سماج کے تمام طبقوں نے ہندوستانی اصلاحات کے لئے آواز بلند کی۔ اذیتوں کی خبروں نے عوام کا غصہ بھڑکا دیا۔ مقامی مذہب میں حکومت کی مداخلت کی مذمت ہندوستان کے عام حکام اور بلند مرتبہ شہریوں نے بہ آواز بلند کی۔ ڈاؤننگ اسٹریٹ کے آلہ کار لارڈ ڈلہوزی کی غارت گر الحاق کی پالیسی، ایران اور چین میں قزاقانہ جنگیں جنہوں نے ایشیائی

ذہن میں ہیجان پیدا کر دیا۔ جنگیں جو پامرسٹن کے ذاتی حکم پر شروع کی گئیں اور جاری رکھی گئیں۔ ابتدا میں کمزور تدابیر جو انہوں نے اختیار کیں، نقل وحمل کے لئے دخانی جہازوں پر ترجیح دے کر بادبانی جہازوں کا انتخاب اور خاکنائے سوئز سے گزر کر نقل وحمل کرنے کی بجائے راس امید ہوتے ہوئے چکر دار جہاز رانی۔ یہ سب مجتمع شکایتیں ہندوستانی اصلاحات کی پکار کی شکل میں پھٹ پڑیں۔ کمپنی کی ہندوستانی انتظامیہ کی اصلاح، حکومت کی ہندوستانی پالیسی کی اصلاح۔ پامرسٹن نے عوامی پکار کو اپنی گرفت میں لے لیا لیکن انہوں نے اسے صرف اپنے مفاد میں حل کیا۔ کیونکہ حکومت اور کمپنی دیوالیہ ثابت ہوئی تھیں اس لئے کمپنی کو قربانی کا بکرا بنانا تھا یہ بہانہ کرکے وہ پارلیمنٹ کے مقابلے میں تاجِ شاہی کی نمائندگی کر رہا ہے اور تاج شاہی کے مقابلے میں پارلیمنٹ کی، اور اس طرح اپنی ذاتِ واحد میں دونوں کے اختیارات مرکوز کئے ہوئے تھا۔ اگر ہندوستانی فوج ان کی پشت پر ہو، ہندوستانی خزانہ ان کے تابع اور ہندوستانی سرپرستی ان کی جیب میں ہوتو پامرسٹن کی حیثیت ناقابل تسخیر ہو جاتی ہے۔ ان کا بل ایوان میں پہلی خواندگی میں بڑی شان سے منظور کر لیا گیا لیکن مشہور سازش کے بل سے (103) اور بعد میں ٹوریوں کے اقتدار حاصل کر لینے سے ان کا کیریئر ختم ہو گیا۔

سرکاری بنچوں پر بیٹھنے کے پہلے ہی دن ٹوریوں نے اعلان کیا کہ دارالعوام کی فیصلہ کن مرضی کی تعظیم کے پیش نظر ہندوستانی حکومت کمپنی سے تاجِ شاہی کو منتقل کرنے کی مخالفت کو وہ ترک کر دیں گے۔ لارڈ ایلن برو کا ''قانون ساز اسقاط'' (104) پامرسٹن کی بحالی جلد کرانے والا تھا جب لارڈ جان رسل نے ڈکٹیٹر کو سمجھوتے پر مجبور کرنے کے لئے پیش قدمی کی اور یہ تجویز کر کے حکومت کو بچا لیا کہ

انڈین بل کو سرکاری مسودۂ قانون کی بجائے پارلیمانی قرارداد تصور کیا جائے۔ پھر اودھ کے متعلق لارڈ ایلن برو کے پیغام، ان کے اچانک استعفے اور وزارتی کیمپ میں بعد میں بد نظمی سے پامرسٹن نے خوب فائدہ اٹھایا۔ ٹوری پھر مخالفت کے ٹھنڈے سائے میں پہنچ گئے جب انہوں نے اپنے اقتدار کے مختصر دور کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی ضبطی کے خلاف خود اپنی پارٹی کی مخالفت کو ختم کرنے کے لئے استعمال کیا۔ اس کے باوجود یہ بخوبی معلوم ہے کہ اس نازک حساب کتاب میں کس طرح گڑبڑ کی گئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے کھنڈر پر بلند ہونے کی بجائے پامرسٹن اس کے نیچے دفن ہو گئے۔ سارے ہندوستانی مباحثوں کے دوران ایوان نے اس civis romarnus (105) کی توہین کرنے سے بڑی تسکین حاصل کی۔ اس کی تمام چھوٹی بڑی ترمیمیں شرمناک طریقے سے مسترد کر دی گئیں۔ افغان جنگ، ایرانی جنگ اور چینی جنگ کے مکروہ حوالوں کی اس پر بارش کی گئی اور مسٹر گلیڈسٹن کی ترمیم، جو ہندوستانی سرحدوں کے باہر جنگ شروع کرنے کے وزیر امور ہند کے اختیار کو ختم کرتی ہے پامرسٹن کی گزشتہ خارجہ پالیسی پر ملامت کا عام ووٹ ثابت ہوئی، ان کی ہٹیلی مزاحمت کے باوجود زبردست اکثریت سے منظور کر لی گئی۔ اگرچہ اس آدمی کا تختہ الٹ دیا گیا ہے لیکن اس کا اصول مجموعی طور پر قبول کر لیا گیا ہے۔ اگرچہ بورڈ آف کونسل کے مزاحم لوازمات سے، جو دراصل پرانے کورٹ آف ڈائریکٹر کا باتنخواہ بھوت ہے، عاملہ کے اقتدار پر کچھ پابندی عائد ہوئی ہے لیکن ہندوستان کے باقاعدہ الحاق نے اقتدار کو اس سطح تک بلند کر دیا ہے کہ اس کا توڑ کرنے کے لئے پارلیمانی ترازو میں جمہوری وزن کو ڈالنے کی ضرورت ہے۔

9 جولائی 1858 کو تحریر کیا۔ ''نیویارک ڈیلی ٹریبون'' کے شمارے 5384 میں 24 جولائی 1858 کو اداریئے کی حیثیت سے شائع ہوا۔

ہندوستان میں بغاوت

گرم اور بارشی موسم گرما کے مہینوں میں ہندوستان میں مہم کو تقریباً مکمل طور پر ملتوی کر دیا گیا۔ سر کالن کیمبل نے گرمیوں کے شروع میں سخت کوششوں سے اودھ اور روہیل کھنڈ میں تمام اہم مورچے حاصل کرنے کے بعد بڑی عقلمندی سے اپنی فوجوں کو بارکوں میں رکھ دیا، کھلے علاقے باغیوں کے قبضے میں چھوڑ دیئے اور اپنی سرگرمیاں اپنے رسل و رسائل قائم رکھنے تک محدود رکھیں۔ اودھ میں اس مدت میں جو واحد دلچسپ واقعہ رونما ہوا وہ سر ہوپ گرانٹ کا مان سنگھ کی مدد کے لئے شاہ گنج پر حملہ تھا۔ وہ مقامی سردار ہے جس نے انحراف کا سودا کر کے حال ہی میں انگریزوں سے صلح کر لی ہے اور جسے اس کے سابق مقامی اتحادی گھیرے ہوئے تھے۔ یہ مہم محض ایک فوجی گلگشت ثابت ہوئی اگرچہ لو اور ہیضے سے انگریزوں کو بڑا نقصان ہوا ہوگا۔ مقامی فوجی لڑے بغیر منتشر ہو گئے اور مان سنگھ انگریزوں کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اس مہم کی آسان کامیابی_ اگرچہ اسے سارے اودھ کو اسی طرح آسانی سے زیر کرنے کا اشارہ نہیں سمجھا جا سکتا_ ثابت کرتی ہے کہ باغی مکمل طور پر نا امید ہو چکے ہیں۔ اگر انگریزوں کا مفاد اس میں تھا کہ موسم گرما میں آرام کریں تو باغیوں کا مفاد مطالبہ کرتا تھا کہ وہ انہیں زیادہ پریشان کریں۔ لیکن سرگرم چھاپہ مار لڑائی کو منظم کرنے، دشمن کے مقبوضہ شہروں کے درمیان رسل و رسائل میں حائل ہونے، دشمن کے چھوٹے دستوں پر گھات لگانے، تاخت و تاراج کرنے والوں کو پریشان کرنے، کھانے پینے کی اشیاء کی فراہمی کو کاٹ دینے کی بجائے، جس کے بغیر انگریزوں کا کوئی بھی بڑا شہر زندہ نہیں رہ سکتا، مقامی فوجی لگان وصول کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں اور اپنے مخالفوں کی دی ہوئی فرصت سے مزے اٹھا رہے ہیں۔ اور اس سے بھی بدتر یہ کہ وہ

آپس میں جھگڑ رہے ہیں۔اور انہوں نے اپنی قوتوں کو از سرنو منظم کرنے، گولہ بارود کے ذخیروں کو پھر سے بھرنے یا کھوئے ہوئے توپخانے کی جگہ نیا توپخانہ حاصل کرنے کے لئے ان چند خاموش دنوں سے فائدہ اٹھایا ہے۔شاہ گنج پر حملہ گزشتہ شکستوں کے مقابلے میں ان میں اپنی قوتوں اور اپنے رہنماؤں پر اعتماد کی زیادہ کمی دکھاتا ہے۔اسے دوران میں سرداروں کی اکثریت اور برطانوی حکومت کے درمیان خفیہ خط و کتابت ہو رہی ہے، جو اودھ کی ساری زمین کو ہڑپ کرنا ناقابل عمل سمجھتی ہے اور اس کیلئے بالکل تیار رہے کہ معقول شرائط پر سابق مالکان اسے پھر حاصل کرلیں۔چنانچہ اب جبکہ انگریزوں کی آخری کامیابی شُبہ سے بالا ہے، اودھ میں بغاوت سرگرم چھاپہ مارلڑائی کے دور سے گزرے بغیر اپنی موت آپ مرنا چاہتی ہے۔جونہی زمینداروں کی اکثریت انگریزوں کے ساتھ سمجھوتہ کرلے گی تو باغی جماعتیں ٹوٹ جائیں گی اور جنہیں حکومت سے بہت زیادہ خوف ہے وہ ڈاکو بن جائیں گے جن کی گرفتاری کے لئے کسان خوشی سے مدد کریں گے۔

اودھ کے جنوب مشرق میں جگدیش پور کے جنگل ایسے ڈاکوؤں کے لئے پناہ گاہ فراہم کرتے ہیں۔بانس اور جھاڑیوں کے ان ناقابلِ عبور جنگلوں پر باغیوں کے ایک دستے کا قبضہ ہے جس کا رہنما امر سنگھ ہے جو چھاپہ مارلڑائی میں زیادہ سرگرمی اور علم دکھا رہا ہے۔وہ خاموشی سے انتظار کرنے کی بجائے جہاں بھی موقع ملتا ہے انگریزوں پر حملہ کرتا ہے۔اگر، جیسا کہ ڈر ہے، اودھ کے باغیوں کا ایک حصہ، قبل اس کے کہ اسے اپنی پناہ گاہ سے باہر نکال دیا جائے، اس کے ساتھ ہو جاتا ہے تو پھر انگریزوں کو پہلے کے مقابلے میں زیادہ محنت کرنی پڑے گی۔یہ جنگل تقریباً آٹھ ماہ سے باغی دستوں کے لئے جائے پناہ کا کام دے رہے ہیں جو کلکتہ سے الہ آباد تک

گرینڈ ٹرنک روڈ کو بہت غیر محفوظ بنائے ہوئے ہیں جو انگریزوں کے رسل و رسائل کا بنیادی ذریعہ ہے۔

مغربی ہندوستان میں جنرل رابرٹس اور کرنل ہومز گوالیار کے باغیوں کا ہنوز تعاقب کر رہے ہیں۔ گوالیار پر قبضہ کرنے کے وقت یہ بہت اہم سوال تھا کہ پسپا ہونے والی فوج کونسی سمت اختیار کرے گی کیونکہ پورا مرہٹہ علاقہ اور راجپوتانہ کا ایک حصہ، جونہی باقاعدہ فوجی دستوں کی مضبوط جماعت وہاں پہنچ کر غدر کا مرکز بنالے، بغاوت کیلئے تیار ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جنوب مغربی سمت میں گوالیار فوج کی پسپائی انتہائی اغلب داؤ معلوم ہوتا تھا۔ لیکن باغیوں نے شمال مغربی سمت منتخب کی ہے جسے ہم پیش نظر رپورٹوں سے نہیں سمجھ سکتے۔ پہلے وہ جے پور پہنچے، پھر جنوب میں اودے پور کی جانب، مرہٹہ علاقہ جانے کو راستہ حاصل کرنے کے لئے۔ لیکن اس چکر دار مارچ نے رابرٹس کو موقع دیا کہ وہ انہیں آن پکڑے اور کسی خاص کوشش کے بغیر مکمل طور سے انہیں شکست دے دے۔ اس جماعت کی باقیات، جن کے پاس نہ توپیں ہیں نہ تنظیم اور گولہ بارود اور نہ ممتاز رہنما، ایسے لوگ نہیں ہیں جو نئی بغاوتوں کو ترغیب دیں۔ اس کے برعکس لوٹ مار کی زبردست مقدار، جسے وہ اپنے ساتھ لئے پھر رہے ہیں اور جو ان کی نقل و حرکت میں حائل ہوتی ہے، کسانوں میں حرص پیدا کر چکی ہے۔ ہر بچھڑا ہوا سپاہی مار ڈالا جاتا ہے اور اسے سونے کے سکوں کے وزن سے آزاد کر دیا جاتا ہے۔ اگر حالت اس حد تک پہنچ گئی ہے تو جنرل رابرٹس ان سپاہیوں کے آخری انتشار کا کام اطمینان سے ملک کی آبادی پر چھوڑ سکتا ہے۔ جب سندھیا کے خزانوں کو اس کے فوجیوں نے لوٹا تو انگریز ایک نئی بغاوت سے بچ گئے جو ہندوستان کے مقابلے میں زیادہ خطرناک

علاقہ ہے کیونکہ مرہٹہ علاقہ میں بغاوت بمبئی کی فوج کو سخت آزمائش میں مبتلا کر دیتی۔

ایک نئی بغاوت گوالیار کے پڑوس میں ہوئی ہے۔ سندھیا کا ایک چھوٹا با جگدار مان سنگھ (اودھ کا مان سنگھ نہیں) باغیوں میں شامل ہو گیا اور اس نے 'پوڑی کی گڑھی' پر قبضہ کر لیا لیکن اس جگہ پر انگریزوں کا محاصرہ ہے اور جلد ہی اس پر قبضہ کر لیا جائے گا۔

اسی دوران میں مفتوح علاقوں کو بتدریج نرم کیا جا رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دہلی کے آس پاس سر لارنس نے مکمل طور پر اتنا سکون پیدا کر دیا ہے کہ کوئی بھی یورپی غیر مسلح اور بغیر محافظ کے محفوظ سفر کر سکتا ہے۔ معاملے کا ''راز'' یہ ہے کہ ہر گاؤں کے لوگ ہر جرم اور زیادتی کے لئے، جس کا ارتکاب اس کی سرزمین پر ہو، مجموعی طور سے ذمہ دار قرار دیئے جائیں گے، کہ فوجی پولیس منظم کی گئی ہے اور سب سے اول یہ کہ کورٹ مارشل کا فوری فیصلہ ہر جگہ زوروں پر ہے جو مشرقی لوگوں کے لئے خاص طور پر مرعوب کن ہے۔ اس کے باوجود یہ کامیابی استثنا معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہمیں دوسرے علاقوں سے ایسی باتیں سننے میں نہیں آئی ہیں۔ روہیل کھنڈ اور اودھ میں، بندیل کھنڈ اور کئی دوسرے بڑے صوبوں میں مکمل امن و امان قائم کرنے کے لئے کافی وقت درکار ہوگا اور برطانوی فوج اور کورٹ مارشلوں کو کافی کام کرنا پڑے گا۔

لیکن اگر ایک طرف ہندوستان میں بغاوت کی وسعتیں سمٹی ہیں جس کی وجہ سے اس سے فوجی دلچسپی تقریباً جاتی رہی ہے تو ایک دور دراز جگہ پر افغانستان کی انتہائی سرحد پر ایک واقعہ رونما ہوا ہے جو مُستقبل میں مشکلات بڑھانے کا باعث بن سکتا ہے: ڈیرہ اسمٰعیل خان کی کئی سکھ رجمنٹوں میں اپنے افسروں کو قتل کرنے اور

برطانیہ کے خلاف بغاوت کرنے کی سازش کا پتہ چلا ہے۔ یہ سازش کتنی شاخ در شاخ ہے ہم نہیں بتا سکتے۔ شاید یہ محض مقامی معاملہ ہو جو سکھوں کے کسی معین گروہ میں اُٹھ رہا ہو۔ لیکن ہم اس کا دعویٰ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ بہر حال یہ انتہائی خطرناک علامت ہے۔ برطانوی فوج میں اس وقت تقریباً ایک لاکھ سکھ ہیں، اور ہم نے سنا ہے کہ وہ کتنے سرپھرے ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں آج وہ انگریزوں کی طرف سے لڑ رہے ہیں لیکن کل وہ ان کے خلاف بھی لڑ سکتے ہیں، جیسے خدا کی مرضی! ۔وہ بہادر، جذباتی، بے کل ہوتے ہیں۔ دوسرے مشرقی لوگوں کے مقابلے میں وہ اچانک اور غیر متوقع من کی موج کا شکار ہو سکتے ہیں۔ اگر ان میں صحیح معنوں میں بغاوت ہو گئی تو انگریزوں کو اپنے قدم جمائے رکھنے کے لئے سخت کوشش کرنی پڑے گی۔ ہندوستان کے مقامی باشندوں میں سکھ ہمیشہ انگریزوں کے لئے انتہائی خطرناک دشمن رہے ہیں۔ ماضی میں انہوں نے ایک نسبتاً مضبوط سلطنت قائم کر لی تھی۔ وہ ہندوتوا کا ایک خاص فرقہ ہیں اور ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں سے نفرت کرتے ہیں۔ انہوں نے برطانوی ''راج'' کو انتہائی خطرے کی حالت میں دیکھا ہے۔ اسے بحال کرنے کے لئے انہوں نے بڑی دین دی ہے اور انہیں یقین ہے کہ اس کام میں ان کا کردار فیصلہ کن تھا۔ تو اس سے زیادہ قدرتی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ اس خیال کو دل میں جگہ دیں: وقت آگیا ہے کہ برطانوی راج کی جگہ سکھ راج لے اور ایک سکھ شہنشاہ دہلی یا کلکتہ سے ہندوستان پر حکمرانی کرے؟ ہو سکتا ہے کہ سکھوں میں ابھی تک یہ خیال ہنوز پختہ نہ ہوا ہو، ہو سکتا ہے انہیں اتنی چالاکی سے تقسیم کیا گیا ہو کہ یورپی ان میں توازن قائم رکھتے ہوں تا کہ کسی بھی بغاوت کو آسانی سے دبا دیا جائے۔ لیکن یہ خیال ان میں موجود ہے ہم سمجھتے ہیں کہ ہر اس شخص کے

ذہن میں واضح ہو گا جس نے دہلی اور لکھنؤ کے بعد سکھوں کے روّیے کے تذکرے پڑھے ہیں۔

بہر حال وقتی طور پر برطانیہ نے ہندوستان کو پھر فتح کر لیا ہے۔ عظیم بغاوت کا شعلہ، جسے بنگال فوج کے غدر نے بھڑکایا تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واقعی بجھ رہا ہے۔ لیکن اس دوسری فتح نے ہندوستانی عوام کے ذہنوں پر انگلستان کی گرفت نہیں بڑھائی ہے۔ برطانوی فوج کی ظالمانہ انتقامی کارروائیاں، جنہیں مقامی لوگوں سے منسوب پاجی پن کی مبالغہ آمیز اور غلط اطلاعات مزید اکساتی ہیں اور سلطنت اودھ ضبط کرنے کی چھوٹے اور بڑے پیانے پر کوششیں، دونوں نے فاتحوں کے لئے کوئی خاص پسندیدگی پیدا نہیں کی ہے۔ اس کے برعکس وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں میں عیسائی دخل گیروں کے خلاف نفرت زیادہ شدید ہے۔ اس وقت یہ نفرت مجہول ہو سکتی ہے لیکن اس معنی خیزی اور اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا جب خطرے کا یہ بادل سکھ پنجاب پر منڈلا رہا ہے۔ اور یہی سب کچھ نہیں ہے، ایشیا میں دو عظیم طاقتیں انگلستان اور روس اس وقت سائبیریا اور ہندوستان کے درمیان ایک ایسے نقطے پر پہنچ گئی ہیں جہاں روسی اور انگریز مفادات براہ راست ٹکرا سکتے ہیں۔ یہ نقطہ پیکنگ ہے۔ تب مغرب کی جانب براعظم ایشیا کے عرض کے آر پار جلد ایک لکیر کھنچے گی جس پر حریف مفادات کا یہ تصادم مسلسل ہوتا رہے گا۔ تب وقت اس کے لئے واقعی زیادہ بعید نہ ہو گا جب ''سپاہی اور قزاق جیحون کے میدانوں میں ملیں'' اور اگر یہ ملاقات ہوئی تو پندرہ کروڑ دیسی ہندوستانیوں کے برطانیہ مخالف جذبات کے بارے میں سنجیدہ طور پر سوچنے کی ضرورت ہو گی۔

تقریباً 17 ستمبر کو تحریر کیا۔ ''نیویارک ڈیلی ٹریبیون'' کے شمارے 5443 میں یکم اکتوبر 1858 کو اداریئے کی حیثیت سے شائع ہوا۔

’’ہندوستانی تاریخ کا خاکہ‘‘ سے

1856 ، اوَدھ کا الحاق کیونکہ نواب کی حکومت بُری تھی_ پنجاب کے مہاراجہ دلیپ سنگھ نے عیسائیت قبول کر لی۔ ڈلہوزی فخریہ ’’رخصتی نوٹ‘‘ چھوڑتے ہوئے دستبردار ہوگیا، منجملہ دوسری چیزوں کے نہریں، ریلیں، بجلی تار گھر تعمیر کئے گئے، آمدنی میں 40 لاکھ پونڈ کا اضافہ ہوا۔ اودھ کے الحاق کو چھوڑ کر، کلکتہ سے تجارت کرنے والے جہازوں سے بار برداری تقریباً دو گنا ہوگئی، درحقیقت پبلک حساب کتاب میں خسارہ ہوا لیکن اس کی وجہ سماجی کاموں پر بھاری خرچ بتائی گئی۔ اس شیخی کے جواب میں سپاہیوں کی بغاوت (1857_59) ہوئی۔

1857 سپاہیوں کی بغاوت: چند سالوں سے سپاہیوں کی فوج بہت غیر منظم تھی۔ اس میں 40 ہزار سپاہی اوَدھ کے تھے جو ذات اور قومیت کے رشتے سے جڑے ہوئے تھے؛ فوج میں ایک مشترک جذبہ، افسروں نے ایک رجمنٹ کی توہین کی تو باقی سب نے شکایت کی؛ افسر بے بس؛ ڈسپلن کی کمی، اکثر غدر کے کھلے اقدام جو کم و بیش مشکل سے دبائے گئے؛ بنگال فوج کا رنگون پر حملہ (106) کرنے کے لئے سمندر پار جانے سے صاف انکار، اس کی جگہ سکھ رجمنٹ کو تبدیل کرنے کی ضرورت (1852) (یہ سب پنجاب کے الحاق کے بعد شروع ہوا 1849__ اودھ کے الحاق کے بعد بدتر ہوگیا (1856) لارڈ کیننگ نے اپنا نظم و نسق من مانے عمل سے چلایا؛ اُس وقت تک مدراس اور بمبئی کے سپاہی قاعدے کے مطابق تمام دنیا میں خدمات انجام دینے کیلئے بھرتی کئے جاتے تھے، جبکہ بنگالی صرف ہندوستان میں خدمات انجام دینے کے لئے؛ کیننگ نے ’’عام خدمات کی بھرتی‘‘ کو بنگال میں قانون کی حیثیت سے نافذ کیا۔ ’’فقیروں‘‘ نے اسے ذات پات ختم کرنے کی

کوشش سمجھ کراس کی مذمت کی۔

1857 کا ابتدائی حصہ: (پام کے) کارتوس میں سپاہیوں میں تقسیم کیے گئے جنہیں سُور اور گائے کی چربی سے چکنا کیا گیا تھا، فقیروں نے کہا کہ وہ صریحاً ہر سپاہی کا دھرم بھرشٹ کرنے کے لئے ہیں چنانچہ سپاہیوں کی بیرک پور (کلکتہ کے قریب) اور رانی گنج (بنکورا کے قریب) میں بغاوتیں۔

26 فروری: بیرام پور میں سپاہی بغاوت (ہگلی دریا پر، مرشد آباد کے جنوب میں) مارچ میں بیرک پور میں سپاہیوں کی بغاوت۔ (یہ سب بنگال میں بزور طاقت کچل دیا گیا)

مارچ اور اپریل: انبالہ اور میرٹھ کے سپاہی اپنی بارکوں کو مسلسل اور خفیہ طور پر نذرِ آتش کرتے ہیں؛ اودھ اور شمال مغرب کے اضلاع میں فقیر عوام کو انگلستان کے خلاف مشتعل کرتے ہیں۔ بٹھور (گنگا پر واقع) کے راجہ نانا صاحب، نے روس ا، ایران، دہلی کے شہزادوں اور اودھ کے سابق بادشاہ سے ساز باز کی اور چربی لگے ہوئے کارتوسوں کی بدولت سپاہیوں میں پھیلنے والی گڑبڑ سے فائدہ اٹھایا۔

24 اپریل: لکھنؤ میں 48 ویں بنگالی (رجمنٹ)، تیسری دیسی سوار فوج، ساتویں اودھ بے قاعدہ فوج نے بغاوت کر دی جسے سر ہنری لارنس نے انگریز فوج لا کر دبا دیا۔

میرٹھ میں (دہلی کے شمال مشرق میں) 11 ویں اور 20 ویں دیسی پیدل فوج نے انگریزوں پر حملہ کر دیا، اپنے افسروں کو گولی سے اڑا دیا، شہر کو آگ لگا دی، تمام انگریز عورتوں اور بچوں کو قتل کر دیا اور دہلی روانہ ہوگئی۔ دہلی میں: رات کے وقت بعض باغی دہلی میں داخل ہوئے، وہاں سپاہیوں نے علمِ بغاوت بلند کر دیا (54

ویں، 74ویں، 38ویں دیسی پیدل رجمنٹیں) انگریز کمشنر، پادری، افسر قتل کر دیئے گئے۔ 9 انگریز افسروں نے اسلحہ خانے کی مدافعت کی، اسے بھک سے اڑا دیا (2 کام آئے) شہر میں دوسرے انگریز جنگلوں میں بھاگ گئے۔ مقامی لوگوں کے ہاتھوں یا سخت موسم کی وجہ سے اکثر جاں بحق ہوئے۔ بعض بچ بچا کر میرٹھ پہنچ گئے جسے سپاہیوں نے چھوڑ دیا تھا۔ لیکن دہلی باغیوں کے قبضے میں تھا۔

فیروزپور میں 45ویں اور 57ویں دیسی رجمنٹوں نے قلعہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی، 61ویں انگریز رجمنٹ نیا نہیں پیچھے دھکیل دیا۔ لیکن انہوں نے شہر کی لوٹ مار کی، اسے آگ لگا دی، دوسرے دن سوار فوج نے قلعہ سے نکل کر اُنہیں بھگا دیا۔

لاہور میں، میرٹھ اور دہلی کے واقعات کی خبریں سن کر جنرل کوربیٹ کے حکم پر سپاہیوں کو عام پریڈ کے دوران نہتا کر دیا گیا (توپوں سے مسلح انگریز فوج اُنہیں گھیرے ہوئے تھی)۔

20 مئی: (لاہور کی طرح) پشاور میں 64 ویں، 55ویں، 39 ویں دیسی پیدل رجمنٹوں کو نہتا کر دیا گیا۔ پھر باقی دستیاب انگریزوں اور وفادار سکھوں نے نوشہرہ اور مردان کے گھرے ہوئے قلعوں کو آزاد کرلیا، اور مئی کے آخر میں انبالہ کے بڑے قلعہ کو جہاں قریب کے قلعوں سے آئی ہوئی کئی یورپی رجمنٹیں بطور محافظ فوج جمع تھیں اور جو جنرل اینسن کے تحت فوج کا مرکز تھا۔ پہاڑی مقام شملہ انگریز خاندانوں سے بھرا ہوا تھا جہاں وہ موسم گرما میں مقیم تھے، اس پر حملہ نہیں کیا گیا۔

25 مئی: اینسن نے اپنی چھوٹی سی فوج کے ساتھ دہلی تک مارچ کیا۔ 27 مئی کو وہ مر گیا اور اس کی جگہ سر ہنری برنارڈ نے لے لی۔ 7 جون کو آخر الذکر میں

جنرل ولسن کے تحت انگریزی دستے شامل ہو گئے (جو میرٹھ سے آئے تھے، انہوں نے مقامی سپاہیوں سے راستے میں بعض لڑائیاں لڑیں)۔

تمام ہندوستان میں بغاوت پھیل گئی ۔ بیک وقت 20 مختلف مقامات پر سپاہیوں کی بغاوتیں اور انگریزوں کا قتل ۔خاص مناظر: آگرہ، بریلی، مراد آباد۔ سندھیا ''انگریز کتوں'' کا وفادار لیکن اس کی فوج ایسی نہیں ۔پٹیالہ کے راجہ نے_ شرم کی بات ہے_انگریزوں کی مدد کے لئے سپاہیوں کی بڑی تعداد بھیجی ۔

منی پور (شمال مغربی صوبے) میں ایک نوجوان وحشی لیفٹیننٹ دے کا نترف نے خزانے اور قلعے کو بچالیا۔کانپور میں 6 جون 1857 کو نانا صاحب نے سر وہیو وہیلر کا محاصرہ کرلیا (نانا صاحب نے مقامی سپاہیوں کی 3 رجمنٹوں اور مقامی سوار فوج کی 3 رجمنٹوں کی کمان سنبھال لی جنھوں نے کانپور میں بغاوت کی، اور کانپور فوج کے کمانڈر سر ہیو وہیلر کے پاس[انگریز] پیدل فوج کی صرف ایک بٹالین تھی اور اسے باہر سے تھوڑی سی کمک حاصل ہوئی تھی ۔وہ قلعہ اور بارکوں پر قابض تھا جہاں تمام انگریز لوگ، عورتیں اور بچے بھاگ کر آئے ہوئے تھے)۔

26 جون 1857 : نانا صاحب نے پیشکش کی کہ اگر کانپور انکے حوالے کر دیا گیا تو تمام یورپی بخیر و عافیت پسپا ہو سکتے ہیں ۔27 جون (وہیلر نے پیشکش قبول کر لی) اور بچ جانے والے 400 کو کشتیوں پر سوار ہونے اور گنگا پر سفر کرنے کی اجازت دے دی گئی ۔نانا صاحب نے ان پر دونوں طرف سے گولی چلائی ۔ایک کشتی بھاگ نکلی ۔نشیب میں اس پر حملہ کیا گیا، ڈبو دی گئی، ساری محافظ فوج کے صرف 4 آدمی بچ کر بھاگ جانے میں کامیاب ہوئے ۔عورتوں اور بچوں سے بھری ہوئی ایک کشتی ریتلے کنارے پر بری طرح پھنس گئی جنہیں پکڑ لیا گیا، کانپور لائے

گئے، قیدیوں کی طرح بند رکھا گیا۔ 14 دن کے بعد (جولائی میں) باغی سپاہی فتح گڑھ (فوجی قلعہ فرخ آباد سے 3 میل) مزید انگریز قیدی وہاں لائے گئے۔ کیننگ کے حکم پر فوجیں مدراس، بمبئی اور لنکا سے بھیجی گئیں۔ 23 مئی کو نیل کے تحت مدراس سے کمک آئی اور بمبئی کی فوج دریائے سندھ کے کنارے کنارے لاہور روانہ ہوگئی۔

17 جون: سر پیٹرک گرانٹ (بنگال میں اینسن کی جگہ کمانڈر انچیف) اور جنرل ہیولاک، ایڈ جوٹنٹ جنرل، کلکتہ پہنچے اور پھر فوراً آگے روانہ ہوگئے۔

6 جون: الہ آباد میں سپاہیوں نے بغاوت کردی، (انگریز) افسروں کا بیویوں اور بچوں کے ساتھ قتل عام کیا، قلعہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی جس کی مدافعت کرنل سمپسن کررہے تھے جنہیں 11 جون کو کرنل نیل سے امداد ملی جو کلکتہ سے مدراس کی بندوقچی فوج کے ساتھ آرہا تھا۔ آخر الذکر نے سارے سکھوں کو بھگایا، قلعہ پر قبضہ کرلیا اور وہاں صرف انگریز فوجی تعینات کئے۔ (راستے میں اس نے بنارس تسخیر کرلیا اور 37 ویں دیسی پیدل رجمنٹ کو شکست دی جو بغاوت کی پہلی منزل میں تھی۔ دیسی سپاہی بھاگ گئے)؛ چاروں طرف سے (انگریز) فوجیں الہ آباد آنے لگیں۔

30 جون: جنرل ہیولاک الہ آباد آئے، کمان ہاتھ میں لی اور تقریباً ایک ہزار انگریزوں کو ساتھ لے کر کانپور کو کوچ کیا۔ 12 جولائی کو فتح پور میں دیسی سپاہیوں کو پیچھے دھکیل دیا، وغیرہ، کچھ اور فوجی اقدام۔

16 جولائی: ہیولاک کی فوج کانپور کے مضافات میں؛ ہندوستانیوں کو شکست دے دی لیکن رات پڑ جانے کی وجہ سے قلعہ بندی میں داخل ہونیکیلئے بہت دیر ہوچکی تھی۔ رات کے وقت نانا صاحب نے تمام انگریز قیدیوں کو قتل کردیا۔ افسر، خواتین،

بچے ۔پھر اسلحہ خانہ کو بھک سے اڑا دیا اور شہر چھوڑ دیا ۔ 17 جولائی، انگریز فوج اس مقام میں داخل ہوئی ۔ہیولاک نے نانا کی پناہ گاہ بٹھور کوچ کیا، کسی مزاحمت کے بغیر اس پر قبضہ کرلیا، محل تباہ کر دیا، قلعہ کو اُڑا دیا اور پھر کانپور واپس مارچ کیا۔ وہاں انہوں نے مرکز کی حفاظت کرنے اور قبضہ قائم رکھنے کے لیئے نیل کو چھوڑ دیا اور خود ہیولاک مدد کے لئے لکھنؤ روانہ ہوگئے۔ وہاں سر ہنری لارنس کی کوششوں کے باوجود ریذیڈنسی کے علاوہ سارا شہر باغیوں کے ہاتھ میں آ گیا۔

30 جون: ساری محافظ فوج نے پڑوس میں باغیوں کی ایک جماعت کے خلاف کوچ کیا، پسپا کردی گئی، ریذیڈنسی میں پناہ لی، یہ جگہ محاصرے میں تھی ۔

4 جولائی: سر ہنری لارنس کا انتقال (2 جولائی کو بم پھٹنے سے زخمی ہوئے)۔ کرنل انگلس نے کمان سنبھالی ۔وہ تین ماہ تک (ریذیڈنسی) سنبھالے رہے کبھی کبھی محاصرہ توڑ کر محاصرین پر حملہ کرکے؛ ہیولاک کی کارروائیاں (107) آخر الذکر کی کانپور میں واپسی کے بعد جیمس اوٹرم فوج کی بڑی تعداد کے ساتھ ان کے شریک ہوگئے اور انہوں نے مختلف باغی ضلعوں سے کئی علیحدہ رجمنٹوں کی کمکیں روانہ کیں۔

19 ستمبر: ہیولاک، اوٹرم اور نیل کی کمان میں ساری فوج نے گنگا کو پار کیا، انہوں نے عالم باغ پر حملہ کیا، لکھنؤ سے 8 میل دور اودھ کے بادشاہوں کے گرمائی محل پر قبضہ کیا۔

25 ستمبر: لکھنؤ پر آخری بار جھپٹ ماری گئی، ریذیڈنسی پہنچے جہاں متحدہ فوج کو تنگ محاصرے میں دو ماہ اور ٹھہرنا پڑا (جنرل نیل شہر میں لڑتا ہوا مارا گیا۔اوٹرم کا بازو شدید زخمی ہوگیا)

20 ستمبر: دہلی پر قبضہ کرلیا گیا، جنرل ولسن کی رہنمائی میں چھ دن کی لڑائی کے

بعد ہڈسن آگے آگے گھوڑے پر محل میں داخل ہوا، بوڑھے بادشاہ اور ملکہ (زینت محل) کو گرفتار کیا۔ انہیں جیل میں بند کر دیا گیا، اور ہڈسن نے خود اپنے ہاتھوں سے (گولی مار کر) شہزادوں کی جان لی۔ دہلی میں محافظ فوج جما دی گئی اور خاموش ہو گیا۔ اس کے فوراً بعد کرنل گریٹ ہیڈ دہلی سے آگرہ گئے جس کے قریب انہوں نے ہولکر کی راجدھانی اندور کے باغیوں کی ایک بڑی جماعت کو شکست دی۔

10 اکتوبر: انہوں نے آگرہ تسخیر کر لیا، پھر کانپور روانہ ہوئے جہاں وہ 26 اکتوبر کو پہنچے۔ اسی دوران میں اعظم گڑھ، چھترا (ہزاروی باغ کے قریب)، کھجورا اور دہلی کے نواحیہات میں کپتان بوئیلیو، میجر انگلش، پیل اور شاورز کی انگریز فوج نے باغیوں کو شکست دی۔ (پیل بحری بریگیڈ کے ساتھ تھا، منظر عمل پر عنقریب پہنچنے والوں میں پروبن اور فین کے سوار، وطن سے کمک، رضا کاروں کی رجمنٹیں)۔ اگست میں سر کالن کیمبل نے کلکتہ کی کمان سنبھال لی اور بڑے پیانے پر جنگ کی تیاریاں کرنے لگے۔

19 نومبر 1857: سر کالن کیمبل نے لکھنؤ کی ریذیڈنسی میں محصور محافظ فوج کو آزاد کرایا۔ (سر ہنری ہیولاک 24 نومبر کو مر گئے)؛ لکھنؤ سے _

25 نومبر 1857: کالن کیمبل کانپور روانہ ہو گئے، یہ شہر پھر باغیوں کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔

6 دسمبر 1857: کانپور کے سامنے کالن کیمبل کی فاتحانہ لڑائی۔ باغی بھاگ گئے، شہر کو ویران چھوڑ گئے، ان کا تعاقب کیا گیا اور سر ہوپ گرانٹ نے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ پٹیالہ میں کرنل سٹین اور مین پوری میں میجر ہڈسن نے باغیوں کو شکست دی؛ اور کئی دوسرے مقامات پر۔

27 جنوری 1858: دہلی کے بادشاہ کو ڈاز کے تحت کورٹ مارشل میں لایا گیا، وغیرہ۔ ''مجرم'' (مغل شاہی خاندان کا نمائندہ جو 1526 میں اقتدار میں آیا تھا!) کی حیثیت سے سزائے موت۔ اس سزا کو رنگون میں عمر قید میں تبدیل کر دیا گیا۔ سال کے آخر میں انہیں رنگون منتقل کر دیا گیا۔

سر کالن کیمبل کی 1858 کی مہم: 2 جنوری کو انہوں نے فرخ آباد اور فتح گڑھ تسخیر کر لئے، اپنے آپ کو کانپور میں جما لیا جہاں انہوں نے ہر جگہ سے تمام دستیاب فوجیں، رسد اور توپیں بھیجنے کا حکم جاری کیا۔ باغی لکھنؤ کے گرد جمع ہو گئے تھے جہاں سر جیمس اوٹرم انہیں روکے ہوئے تھا۔ کئی دوسرے حادثوں کے بعد 15 مارچ کو لکھنؤ پر دوبارہ قبضہ کر لیا گیا (کالن کیمبل اور سر جیمس اوٹرم وغیرہ کی رہنمائی میں)، شہر کی لوٹ مار جہاں مشرقی فنون کے خزانے ذخیرہ ہیں؛ 21 مارچ کو لڑائی ختم۔ آخری توپ 23 تاریخ کو داغی گئی۔ بریلی کی طرف باغیوں کا فرار جن کے رہنما شہزادہ فیروز بخت، دہلی کے بادشاہ کے بیٹے، بٹھور کے نانا صاحب، فیض آباد کے مولوی اور اودھ کی بیگم حضرت محل تھے۔

25 اپریل 1858: کیمبل نے شاہجہاں پور پر قبضہ کر لیا۔ بریلی کے پاس موگز نے باغیوں کا حملہ پسپا کر دیا۔ 6 مئی کو محاصرے کی توپیں بریلی پر آگ برسانے لگیں اور جنرل جونس مراد آباد پر قبضہ کرنے کے بعد مقررہ وقت پر وہاں پہنچ گئے۔ نانا صاحب اور ان کے حامی بھاگ گئے، بریلی پر بلا مزاحمت قبضہ کر لیا گیا۔ اسی دوران میں شاہجہاں پور کو، جو باغیوں سے گھرا ہوا تھا، جنرل جونس نے آزاد کرا لیا۔ لیوگارڈ کے ڈویژن پر لکھنؤ سے کوچ کے وقت حملہ کیا گیا، کنور سنگھ کی رہنمائی میں باغیوں کے ہاتھوں شکست کھائی۔ تھوڑے عرصے بعد فیض آباد کے مولوی صاحب

مارے گئے اور اس سے پہلے سر ہوپ گرانٹ نے بیگم کو شکست دے دی جو نئی فوج جمع کرنے کیلئے گھاگرا دریا بھاگ گئی تھیں۔

1858 کے وسط جون میں: باغیوں کو تمام مرکزوں میں شکست ہوئی؛ مشترکہ اقدام کے نا اہل؛ لٹیروں کے گروپ، انگریزوں کی منقسم فوجوں پر سخت دباؤ ڈالتے رہے۔ اقدام کے مراکز: بیگم، دہلی کے شہزادے اور نانا صاحب کے پرچم۔ وسطی ہندوستان میں سر ہیوز روز کی دو ماہ (مئی اور جون) کی مہم نے بغاوت پر آخری ضرب لگائی۔

جنوری 1858: روز نے راحت گڑھ، فروری میں ساگر اور گڑھ کوٹ پر قبضہ کرلیا، پھر جھانسی کو مارچ کیا جہاں رانی (لکشمی بائی) ڈٹی ہوئی تھی

یکم اپریل 1858: تانتیا ٹوپی کے خلاف سخت اقدام، نانا صاحب کے چچازاد بھائی جنہوں نے جھانسی کو بچانے کے لئے کالپی سے کوچ کیا تھا۔ تانتیا کو شکست ہوئی

4 اپریل: کو جھانسی کو تسخیر کرلیا گیا، رانی اور تانتیا ٹوپی فرار ہو گئے، انگریزوں کا کالپی میں انتظار کیا جو ان کے تعاقب میں تھے۔

7 مئی 1858: شہر کونچ میں دشمن کی طاقتور جماعت نے روز پر حملہ کیا۔ روز نے اسے نمایاں طور سے شکست دے دی۔

16 مئی 1858: روز نے کالپی سے چند میل دور، باغیوں کو محاصرہ کیا۔

22 مئی 1858: کالپی کا محاصرہ توڑنے کے لئے باغی بے جگری سے لڑے۔ انہیں بری طرح شکست ہوئی، بھاگ گئے۔

23 مئی 1858: روز نے کالپی پر قبضہ کرلیا۔ اپنے سپاہیوں کو آرام کرانے

کے لئے، جو موسم گرما (کی مہم) سے تھک گئے تھے، وہاں چند دن ٹھہرے۔

2 جون: نوجوان سندھیا (انگریزوں کے وفادار کتے) کو اسی کی فوج نے شدید لڑائی کے بعد گوالیار سے نکال دیا اور اس نے آگرہ بھاگ کر جان بچائی۔ روز نے گوالیار کی طرف پیشقدمی کی۔ جھانسی کی رانی اور تانتیا ٹوپی نیجو باغیوں کے سردار تھے۔ 19 جون: ان کے خلاف لشکر پہاڑی (گوالیار کے سامنے) پر لڑائی کی، رانی ماری گئی، کافی قتل عام کے بعد اس کی فوج منتشر ہو گئی، گوالیار انگریزوں کے ہاتھوں میں۔

جولائی، اگست، ستمبر 1858 کے دوران: سر کالن کیمبل، سر ہوپ گرانٹ اور جنرل والپول زیادہ ممتاز باغیوں کے تعاقب اور ان تمام قلعوں پر قبضہ کرنے میں مصروف رہے ہیں جن پر اختیار بحث طلب تھا۔ بیگم نے آخری بار لڑائیاں لڑیں، پھر نانا صاحب کے ساتھ راپتی دریا کے پار انگریزوں کے وفادار کتے، نیپال کے جنگ بہادر کے علاقے میں بھاگ گئیں۔ جنگ بہادر نے انگریزوں کو اجازت دے دی کہ وہ اس کے **ملک** میں باغیوں کا تعاقب کریں۔ چنانچہ ''پر جوش لٹیروں کے آخری گروپ منتشر ہو گئے''۔ نانا اور بیگم پہاڑیوں میں چلے گئے اور ان کے حامیوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔

1859 کا آغاز: تانتیا ٹوپی کی پناہ گاہ کا کھوج لگا لیا گیا، اس پر مقدمہ چلا اور پھانسی دی گئی۔ نانا صاحب کے متعلق ''کہا جاتا ہے'' کہ نیپال میں انتقال کر گئے۔ بریلی کے خان کو پکڑ لیا گیا اور گولی مار دی گئی۔ لکھنؤ کے مامون خاں کو عمر قید کی سزا دی گئی۔ دوسروں کو جلاوطن کر دیا گیا یا مختلف میعادوں کے لئے قید کئے گئے؛ باغیوں کی اکثریت نے_ ان کی رجمنٹیں توڑ ڈالی گئیں تھیں_ ہتھیار ڈال دیئے اور رعیت

بن گئے ۔اودھ کی بیگم نیپال میں کھٹمنڈو میں مقیم رہیں ۔اودھ کی سر زمین کی ضبطی، جسے کیننگ نے اینگلو انڈین حکومت کی جائیداد قرار دیا۔سر جیمس اوٹرم کی جگہ اودھ کا چیف کمشنر سر رابرٹ منٹگمری کو بنا دیا گیا۔

ایسٹ انڈیا کا خاتمہ:اسے جنگ ختم ہونے سے پہلے ہی توڑ ڈالا گیا۔

دسمبر 1857:پامرسٹن انڈین بل؛فروری 1858 میں بورڈ آف ڈائریکٹرز کے شدید احتجاج کے باوجود پہلی خواندگی منظور ہو گئی،لیکن لبرل کابینہ کی جگہ ٹوری نے لے لی۔

19 فروری 1858:ڈزرائیلی کا انڈین بل نامنظور کر دیا گیا

2 اگست 1858:لارڈ سٹینلے کا انڈین بل منظور ہو گیا اور اس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی کا خاتمہ۔اب ہندوستان "عظیم" وکٹوریا کی سلطنت کا ایک صوبہ ہے۔

(انیسویں صدی کی آٹھویں دہائی میں تحریر کیا)

15 اگست 1857

.... مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ہی بارش کا موسم جے گا، انگریز دہلی سے پسپا ہونا شروع کردیں گے۔اس کی پیش گوئی کرتے وقت میں نے اپنی ذمے داری کا خطرہ مول لیا کیونکہ ''ٹریبون'' میں مجھے فوجی ماہر کی حیثیت سے تمہاری نمائندگی کرنی تھی۔قابل توجہ، اس مفروضے پر کہ تازہ ترین اطلاعات صحیح ہیں.......

دہلی پر قبضے کی پیہم افواہیں خود کلکتہ کی حکومت پھیلا رہی ہے اور جیسا کہ میں ہندوستانی اخبارات سے سمجھتا ہوں ان سے مدراس اور بمبئی پریذیڈنسیوں میں امن و امان قائم رکھنے میں مدد ملتی ہے۔خط کے ساتھ میں تمہیں بطور تفریح دہلی کا نقشہ بھیج رہا ہوں لیکن تم مجھے یہ واپس بھیج دینا۔

رائند، 24 ستمبر 1857

...... ہندوستان کے متعلق بات چیت کرنے کی تمہاری خواہش اس خیال کیعین مطابق ثابت ہوئی جو میرے ذہن میں پیدا ہوا کہ غالباً اس سارے معاملے کے بارے میں میری رائے سننا پسند کروگے۔ساتھ ہی مجھے یہ موقع مل گیا کہ نقشہ سامنے رکھ کر تازہ ترین ڈاک کے مواد کا مطالعہ کروں اور یہ ہے نتیجہ جس پر میں پہنچا۔

گنگا کے وسطی اور بالائی علاقے میں برطانوی پوزیشنیں اس قدر بکھری ہوئی ہیں کہ فوجی نقطہ نظر سے واحد صحیح تدبیر یہ ہے کہ اس علاقے میں بکھری ہوئی اور محصور محافظ فوجوں سے زیادہ سے زیادہ سپاہی اکٹھا کرنے کے بعد ہیولاک کی فوج اور ردہلی فوج آگرے میں جمع ہو جائیں۔آگرے اور دریائے گنگا کے جنوب میں واقع کئی مقامات اور گوالیار کو (وسط ہند کے راجوں کی وجہ سے) قبضے میں رکھنے کے، مزید

بر اں گنگا کے کے بہاؤ کے ساتھ واقع زیریں علاقوں جیسے الہ آباد، بنارس اور دیناپور پر قبضہ قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ [ان اکٹھی ہونے والی فوجوں کو] مقامی محافظ فوجوں اور کلکتہ کی محفوظ فوج کی مدد حاصل کی جائے ۔ اس دوران میں عورتوں اور نہ لڑنے والی آبادی کا انخلاء دریا کے بہاؤ کی طرف کے علاقے میں کرنا ہے تا کہ فوج پھر زوداثر ہو جائے، متحرک دستوں کے ذریعے قرب و جوار پر قابو پا سکے اور ذخیرے جمع کرے ۔ اگر آگرے کو قبضے میں نہیں رکھا جا سکتا ہے تو کانپور بلکہ الہ آباد تک بھی پسپا ہونا پڑے گا ۔ مگر اس آخر الذکر مرکز کی آخر وقت تک مدافعت کرنی چاہیے کیونکہ یہ گنگا اور جمنا کے درمیان کے علاقے کے لئے کلید ہے ۔

اگر آگرے کو تھامے رکھا جا سکتا ہے اور بمبئی کی فوج آزادی سے استعمال کی جا سکتی ہے تو بمبئی اور مدراس کی فوجیں احمد آباد اور کلکتہ کے عرض البلد کے ساتھ ساتھ جزیرہ نما پر قبضہ کر سکتی ہیں اور شمال کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کے لئے کلکتہ، بمبئی اور مدراس تک کالم بھیج سکتی ہیں ___ بمبئی کی فوج اندور اور گوالیار سے گزرتی ہوئی آگرے تک اور مدراس کی فوج ساگر اور گوالیار سے گزرتی ہوئی آگرے تک اور جبل پور سے گزرتی ہوئی الہ آباد تک ۔ نقل وحمل کے دوسرے راستے پنجاب سے نکلتے ہیں بشرطیکہ آخر الذکر پر قبضہ برقرار رہے اور کلکتہ سے دیناپور اور الہ آباد سے گزرتے ہوئے ۔ چنانچہ نقل وحمل کے چار راستے ہوں گے، اور سوائے پنجاب کے پسپائی کے تین راستے ..... آگرے میں جنوب کی فوج مرکوز کرنے سے وسط ہند کے راجوں کو مطیع کرنے اور کوچ کی ساری راہ پر بغاوت کو دبانے میں مدد ملے گی ۔

اگر آگرے پر قبضہ نہیں رکھا جا سکتا تو مدراس کو سب سے پہلے الہ آباد کے ساتھ نقل وحمل کے مستقل راستے قائم کرنے چاہئیں اور پھر الہ آباد کی فوج کے

ساتھ آگرے پسپا ہوجانا چاہیے، جبکہ بمبئی کی فوج گوالیار کی طرف پسپا ہو۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدراس کی فوج کو صرف نچلے لوگوں میں سے بھرتی کیا گیا ہے اور اسی لئے اتنی ناقابل اعتبار ہے۔ بمبئی میں ہر بٹالین میں 150 یا زیادہ ہندوستانی ہیں اور وہ خطرناک ہیں کیونکہ وہ دوسروں کو بغاوت کرنے پر اکسا سکتے ہیں۔ اگر بمبئی کی فوج میں بغاوت ہوسکتی ہے تو وقتی طور پر ہمیں تمام فوجی پیشین گوئیوں کو خدا حافظ کہنا پڑے گا۔ ایسی صورت میں صرف ایک بات یقین سے کہی جا سکتی ہے، وہ ہے کشمیر سے لے کر راس کماری تک زبردست قتل عام۔ اگر بمبئی کی صورت حال ایسی ہے کہ فوج کو باغیوں کے خلاف استعمال نہیں کیا جا سکتا تو پھر کم از کم مدراس کے کالموں کو جونا گپور سے آگے پیش قدمی کر چکے ہیں بمبئی کمک پہنچانی چاہیے اور جتنی جلدی ہو سکے الہ آباد یا بنارس سے رابطہ قائم کیا جانا چاہیے۔

موجودہ برطانوی پالیسی کی حماقت، جو صحیح معنوں میں اعلیٰ کمان کے مکمل فقدان کا نتیجہ ہے، منظر عام پر خاص طور سے دو باہمی تکمیلی چیزوں کی شکل میں سامنے آرہی ہے: اول، اپنی قوتوں کو تقسیم کر کے وہ بے شمار بکھری ہوئی چھوٹی چھوٹی چوکیوں کی شکل میں خود اپنی ناکہ بندی کرانے کا موقع دے رہے ہیں، دوم، وہ اپنے واحد متحرک کالم کو دہلی کے قریب جما رہے ہیں جہاں وہ نہ صرف کچھ کرنے کے قابل نہیں ہے بلکہ مصیبت میں مبتلا ہونے والا ہے۔ جس جنرل نے دہلی کوچ کرنے کا حکم دیا اس کا کورٹ مارشل ہونا چاہیے اور اسے پھانسی پر لٹکانا چاہیے کیونکہ جن حالات کا علم ہمیں بس حال ہی میں ہوا ہے ان کا اُسے پہلے ہی پتہ ہونا چاہیے تھا کہ خود انگریزنے ہی شہر کے پرانے دفاع کو اتنا مضبوط کر لیا تھا کہ اب شہر پر قبضہ صرف باقاعدہ محاصرے سے کیا جا سکتا ہے جس میں 15 ہزار سے 20 ہزار لوگ،

اور اگر اس قلعہ بندی کی مدافعت اچھی طرح کی جا رہی ہے تو اس سے بھی زیادہ لوگ حصہ لیں۔ اب جبکہ وہ وہاں موجود ہیں سیاسی وجوہات کی بناء پر وہاں قیام کرنے پر مجبور ہیں: پسپائی شکست کے مترادف ہوگی لیکن اس کے باوجود وہ مشکل ہی سے اس سے بچ سکتے ہیں۔ ہیولاک کی فوج نے بہت کچھ کیا ہے۔ آٹھ دن میں 136 میل کی مسافت طے کرنا اور ایسی آب و ہوا اور ایسے موسم میں چھ یا آٹھ لڑائیاں لڑنا انسانی برداشت سے باہر ہے۔ لیکن اس کی فوج تھک گئی ہے اس لئے کانپور کے گرد چھوٹے چھوٹے فاصلوں پر مہموں میں جب اس کی طاقت مزید کم ہو جائے گی تو غالباً اس کی بھی ناکہ بندی کر دی جائے گی یا پھر اسے الہ آباد لوٹنا پڑے گا۔

ازسرنو فتح کی حقیقی راہ گنگا کی وادی کے ساتھ ساتھ اوپر کی طرف ہے۔ خاص بنگال پر آسانی سے قبضہ رکھا جا سکتا ہے کیونکہ اس کے عوام بہت بری طرح حوصلہ ہار چکے ہیں۔ صرف دیناپور کے قریب ہی واقعی خطرناک علاقہ شروع ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ دیناپور، بنارس، مرزاپور اور خاص طور سے الہ آباد انتہائی اہم ہیں۔ الہ آباد سے انگریز پہلے دوآبے (گنگا اور جمنا کے درمیان) کی تسخیر کر سکتے ہیں اور پھر دونوں دریاؤں پر واقع شہروں کو، پھر اودھ کو اور پھر باقی علاقوں کو۔ مدراس اور بمبئی سے آگرے اور الہ آباد تک راستے محض ثانوی کارروائی کے راستے ہو سکتے ہیں۔

ہمیشہ کی طرح اہم ترین بات ارتکاز ہے۔ جو کمک گنگا کو بھیجی گئی ہے وہ مکمل طور پر منتشر ہے۔ ابھی تک ایک آدمی بھی الہ آباد نہیں پہنچا ہے۔ ان چوکیوں کو مستحکم کرنے کے لئے شاید یہ ناگزیر ہے، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ہر صورت میں دفاعی چوکیوں کی تعداد کم سے کم کر دینا چاہیے کیونکہ میدان میں کارروائیوں کے لئے قوتوں کو مرکوز کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر کالن کیمبل جن کے متعلق ابھی تک ہم

صرف یہ جانتے ہیں کہ وہ دلیر ہیں، اپنے آپ کو جنرل کی حیثیت سے ممتاز بنانا چاہتے ہیں تو انہیں ہر قیمت پر متحرک فوج تعمیر کرنا چاہیے، خواہ وہ دہلی چھوڑتے ہیں یا نہیں۔اور جہاں بھی 25 سے 30 ہزار یورپی سپاہی ہیں صورت حال اتنی مایوس کن نہیں ہوسکتی کہ وہ کم از کم 5 ہزار جوانوں کو کوچ کے لئے جمع نہ کرسکے جن کی کمی دوسری چوکیوں کی محافظ فوجوں سے پوری کی جاسکتی ہے۔صرف تبھی کیمبل سمجھیں گے کہ وہ کہاں کھڑے ہیں اور انہیں کس قسم کے دشمن کا سامنا ہے۔لیکن گمان غالب یہ ہے کہ وہ احمق کی طرح دہلی کے پاس آکر ٹھہرے گا اور اپنی آنکھوں سے دیکھے گا کہ یومیہ 100 کی شرح سے اس کے آدمی مر رہے ہیں اور اسے اور بھی زیادہ "شجاعت" سمجھے گا۔وہ وہیں جمارہے گا یہاں تک کہ وہ سب ہلاک ہوجائیں۔دلیر حماقت کا آج بھی چلن ہے۔

شمال میں میدانی جنگ کے لئے قوتوں کا ارتکاز، مدراس کی اور اگر ممکن ہے بمبئی کی زبردست امداد_صرف انہی کی ضرورت ہے۔حتیٰ کہ اگر نربدا کے کنارے کنارے مرہٹہ شہزادے خلاف بھی ہوجائیں تو یہ اہم نہیں ہوگا اس حقیقت کی وجہ سے کہ ان کی فوجیں تو باغیوں کے ساتھ مل چکی ہیں۔ ہر صورت میں جو زیادہ سے زیادہ حاصل کیا جاسکتا ہے یہ ہے کہ اکتوبر کے آخر تک جمے رہا جائے جب یورپ سے نئی کمک آئے گی۔لیکن اگر بمبئی کی دو مزید رجمنٹوں نے بغاوت کردی تو یہ سارے مسئلے کا فیصلہ کردے گی کیونکہ منظر سے حکمت عملی اور طاقت غائب ہوجائیں گے۔

3، ایڈورڈ پیلس، جرسی، 29 اکتوبر 1857

....دیسی سپاہیوں نے دہلی کے قلعہ کے اندر احاطے کی مدافعت بُرے طریقے

سے کی ہوگی ۔سب سے بڑا مذاق سڑکوں پر دوبدو لڑائی تھی جہاں دیسی فوج آگے بھیجی گئی۔ چنانچہ اصل محاصرہ 5 سے 14 تاریخ تک رہا۔اس کے بعد محاصرہ نہیں رہا۔اس کے لئے وقت کافی تھا کہ غیر محفوظ دیواروں میں بحری توپوں سے، جو 5یا6 تاریخ کو پہنچ گئی تھیں، 300 سے 400 گز کے فاصلے سے شگاف ڈال دیئے جائیں ۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دیواروں پر سے گولہ باری نامناسب انداز سے کی گئی ورنہ انگریز ان کے نزدیک اتنی جلد نہ پہنچتے.....

31دسمبر 1857

پیارے مور:

میں نے وہ اخبار سارے شہر میں تلاش کیے جن ہندوستانی خبریں شائع ہوئی ہیں۔ دو دن ہوئے میں تمہیں اپنے'' گارڈین'' کے شمارے بھیجے ہیں۔ مجھے'' گارڈین'' یا'' ایگزامنر'(108) اور'' ٹائمز'' کے وہ شمارے نہیں ملے اور ریلفیلڈ کے ہاں بھی نہیں ہیں۔میرا خیال تھا کہ تم نے منگل کو مضمون ختم کرلیا ہوگا۔موجودہ حالات میں بھی مضمون نہیں لکھ سکتا اور یہ بات مجھے اور بھی ستاتی ہے کہ چار ہفتوں میں یہ میری پہلی سہ پہر ہے جب مجھے دوسرے اشد معاملات کو نظر انداز کیے بغیر اسے لکھنے کا موقع ملا تھا۔مستقبل میں جتنی جلد ممکن ہو فوجی مضامین کے متعلق اپنے فیصلے سے مجھے مطلع کردینا۔اس وقت ہر چوبیس گھنٹے میرے لئے بہت زیادہ وقت ہے۔

بہر حال اطلاعات خوفناک حد تک بہت قلیل ہیں اور کانپور سے کلکتہ تک ہر چیز تار برقی کی خبروں پر مبنی ہے اس لئے واقعات پر تبصرہ کرنا تقریباً ناممکن ہے۔خاص نکات ذیل میں ہیں۔کانپور سے لکھنؤ (عالم باغ) کا فاصلہ 40 میل ہے۔ہیولاک

کی تیز رفتار مارچیں ظاہر کرتی ہیں کہ ہندوستان میں 15 میل بڑا کوچ ہے جس پر کافی وقت صرف ہوگا۔ چنانچہ کالن کیمبل کو بس دو یا تین مارچیں کرنا ہے اور اسے ہر صورت میں کانپور چھوڑنے کے تیسرے دن عالم باغ پہنچنا چاہیے جب اچانک حملہ کرنے کے لئے دن کی کافی روشنی ہوگی۔ اسی لمحے سے کالن کے کوچ کو دیکھنا چاہیے۔ مجھے تاریخیں یاد نہیں ہیں۔ دوسرے، ان کے پاس تقریباً 7 ہزار آدمی ہیں (یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ان کے پاس اور زیادہ ہیں مگر کلکتہ اور کانپور کے درمیان کوچ انتہائی برا رہا ہوگا اور بہت لوگ مر گئے ہوں گے) اور اگر انہوں نے اودھ والوں کو 7 ہزار آدمیوں سے شکست دی (جن میں عالم باغ اور لکھنؤ کے محافظ فوجیں شامل ہیں) تو یہ کوئی کمال نہیں تھا۔ 7000_5000 کی انگریز فوج کے متعلق ہمیشہ یہ سمجھا گیا ہے کہ وہ ہندوستان کے کھلے میدان میں ہر جگہ جا سکتی ہے اور ہر چیز کر سکتی ہے۔ وہ مخالفین کو فوراً شکست دے سکتی ہے۔ اس سیاق وسباق میں یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اودھ والے اگرچہ گنگا کی وادی میں سب سے زیادہ جنگجو ہیں لیکن ڈسپلن، اتصال، اسلحہ وغیرہ کے لحاظ سے مقامی سپاہیوں سے کہیں کمتر ہیں کیونکہ وہ کبھی بھی براہ راست یورپی تنظیم کے ماتحت نہیں رہے۔ لہٰذا خاص لڑائی بھاگتے جانے اور لڑتے جانے کی تھی یعنی جھڑپیں جن میں اودھ والوں کو ایک چوکی سے دوسری چوکی دھکیل دیا گیا۔ یہ درست ہے کہ انگریز روسیوں کی طرح یورپ میں بدترین پیدل فوج ہیں، لیکن انہوں نے کرائمیا کی جنگ سے سیکھ لیا ہے اور ہر صورت حال میں انہیں اودھ والوں کے مقابلے میں یہ عظیم برتری حاصل تھی کہ ان کی جھڑپوں کی لائن کو ہراول دستوں اور دوسرے سپاہیوں کی مناسب اور با قاعدہ مدد مل رہی تھی، سب کچھ ایک کمانڈر کے تحت ہو رہا تھا اور واحد مقصد کی خاطر تھا۔ ان کے مقابلے میں

ان کے حریف حسب معمول ایشیائی طریقے سے بے ترتیب غولوں میں منتشر ہو گئے اور ہر ایک محاذ پر زور لگانے لگا جس کا نہ تو صحیح دفاع تھا اور نہ محفوظ فوج اور ہر غول کی کمان اپنے اپنے قبیلے کے سردار کے ہاتھ میں تھی اور قبیلے ایک دوسرے سے بے تعلق رہ کر سرگرمِ عمل تھے۔ اس سے انگریزوں کو آسان نشانے مل گئے۔ یہ بات دہرائی جانی چاہیے کہ ابھی تک ہم نے ایسی ایک بھی مثال نہیں سنی کہ ہندوستان میں کوئی بھی باغی فوج ایک تسلیم شدہ سربراہ کے تحت باقاعدہ منظم ہوئی ہو۔ لڑائی کی نوعیت کے متعلق اطلاعات کا کوئی ذکر نہیں ہے اور فوج کے استعمال کے متعلق کوئی تفصیلات نہیں ہیں، لہٰذا میں مزید کچھ مطلق نہیں کہہ سکتا (خاص طور سے یادداشت کی مدد سے)....

14 جنوری 1858

....تمھارا مضمون اسلوب اور طرز کے لحاظ سے شاندار ہے اور "Neue Rheinische Zeitung" (109) کے بہترین دنوں کی یاد دلاتا ہے۔ جہاں تک ونڈھم کا تعلق ہے تو وہ بہت ہی بُرا جنرل ہو سکتا ہے لیکن اس وقت اسے بد قسمتی کا سامنا کرنا پڑا۔ جوریڈان میں اس کی خوش قسمتی تھی۔ کہ لڑائی میں اس نے رنگروٹوں کی کمان کی۔ میری عمومی رائے یہ ہے کہ یہ دوسری فوج جسے انگریزوں نے ہندوستانیوں کے لئے وقف کر دیا ہے۔ اس کا ایک بھی سپاہی واپس نہیں لوٹے گا۔ بہادری، خود کفالتی اور مستعدی کے نکتۂ نظر سے پہلی فوج کا کسی طرح بھی مقابلہ نہیں کر سکتی، جس کا تقریباً صفایا ہو چکا ہے۔ جہاں تک فوجیوں پر آب و ہوا کے اثر کا تعلق ہے میں نے صحیح تخمینوں کے ذریعے مختلف مضامین میں دکھایا ہے۔ جب تک کہ میں وقتی طور پر فوجی محکمہ چلاتا رہا۔ کہ بتائی ہوئی اموات کی شرح سرکاری انگریز

اطلاعات کے مقابلے میں غیر متناسب طور سے زیادہ ہے۔آدمیوں اور طلائی سکوں کا مسلسل نکاس انگریزوں کے لئے بوجھ بن تو رہا ہے لیکن ہندوستان اب ہمارا بہترین اتحادی ہے.....

خط :9 اپریل 1859

..... ہندوستان کی مالی ابتری کو ہندوستانی بغاوت کا اصل نتیجہ سمجھنا چاہیے۔ ایک عام تباہی ناگزیر معلوم ہوتی ہے بشرطیکہ ان طبقات پر محصولات عائد کئےجائیں جو ابھی تک انگلستان کے پکے حامی ہیں۔لیکن بنیادی طور پر اس سے کوئی بڑی مدد نہیں ملے گی۔ستم ظریفی یہ ہے کہ ہندوستان میں کاروبارِ حکومت چلائے رکھنے کے لئے جان بل کو سال بہ سال 40 سے 50 لاکھ نقدی کی صورت میں ادا کرنا پڑیں گے اور اس طرح بالواسطہ اپنا قومی قرضہ پھر سلسلے وار تناسب کے مطابق بڑھانا ہوگا۔ واقعی یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ مانچسٹر کے سوتی کپڑے کی قیمت ہندوستانی منڈی کو کہیں زیادہ مہنگی پڑ رہی ہے۔فوجی کمیشن کی رپورٹ کے مطابق 200,000 تا 260,000 دیسی لوگوں کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں 80,000 یورپی رکھے جائیں گے اور کئی برسوں تک ۔اس کا خرچہ لگ بھگ 2 کروڑ پونڈ ہوگا جبکہ کل آمدنی محض ڈھائی کروڑ پونڈ ہوگی ۔علاوہ ازیں بغاوت نے 5 کروڑ پونڈ مستقل قرضے کا اضافہ کر دیا ہے یا ولسن کے تخمینے کے مطابق 30 لاکھ کا مستقل سالانہ خسارہ ۔اس کے علاوہ جب تک ریلوے چالو ہو اِس میں سالانہ 20 لاکھ پونڈ کی ضمانت کی رقم ادا کرنا پڑے گی اور ایک نسبتا چھوٹی رقم مستقل طور پر اگر اس کی کل آمدنی 5 فیصدی تک نہ پہنچے ۔ابھی تک ہندوستان کو (سوائے ریلوے کی ایک چھوٹی سی لائن کے جو تیار ہے) اس سے کچھ نہیں ملا ہے سوائے اس کے کہ برطانوی سرمایہ داروں کو ان

کے سرمائے کے بدلے 5 فیصدی ادا کرنے کا اعزاز۔لیکن جان بل اپنے آپ کو دھوکا دے رہا ہے یا اُسے اُسی کے سرمایہ داروں نے دھوکا دیا ہے۔ ہندوستان برائے نام ادا کرتا ہے، درحقیقت جان بل ہی ادا کرتا ہے۔مثال کے طور پر اسٹیٹ کے قرضے کا بڑا حصہ صرف انگریز سرمایہ داروں کو 5 فیصدی ادا کرنے پر صرف ہوا اُن ریلوں کے لئے جن کو انہوں نے ابھی تک تعمیر کرنا بھی شروع نہیں کیا۔اور آخری بات! افیون کی 40 لاکھ پونڈ سالانہ کی اب تک ہونے والی آمدن بھی چین کے ساتھ معاہدہ (110) کے سبب خطرے میں پڑ گئی ہے۔ اجارہ داری ہر صورت میں لڑھکنے والی ہے اور خود چین میں افیون کی کاشت جلد بڑھنے والی ہے۔افیون کی آمدنی کا دارومدار صرف اس حقیقت پر تھا کہ وہ خلافِ قانون برآمد و درآمد کی جاتی تھی۔میری رائے میں ہندوستانی جنگ کے مقابلے میں رواں ہندوستانی مالی تباہی زیادہ مہیب معاملہ ہے....

تشریحی نوٹ

1 ۔یہ مضمون ''ہندوستان میں برطانوی راج'' ان مباحثوں کے سلسلے میں لکھا تھا جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے چارٹر کے متعلق دارالعوام میں ہوئے تھے۔مضمون " نیویارک ڈیلی ٹریبون" میں شائع ہوا تھا۔

''نیویارک ڈیلی ٹریبون'' 1841 سے 1924 تک شائع ہوتا رہا۔اس کے بانی ہوریس گریلی ایک ممتاز امریکی صحافی اور سیاست دان تھے اور وہ چھٹی دہائی تک امریکی وہگوں کے بائیں بازو کا ترجمان تھا جو بعد میں ری پبلکن پارٹی کا ترجمان بن گیا۔پانچویں اور چھٹی دہائیوں میں اس کے خیالات ترقی پسند تھے اور اس نے غلامی کے خلاف استوار رویہ اختیار کیا۔کئی ممتاز امریکی مصنف اور صحافی اس سے وابستہ تھے۔چارلس ڈانا جن پر یوٹوپیائی سوشلزم کا خاصا اثر تھا پانچویں دہائی کے آخر میں اس کے مدیروں میں سے ایک تھے۔

(2) تُرک سوالات سے مارکس کی مراد مشرق وسطیٰ میں عظیم طاقتوں کی خصوصیتیں ہیں جو عثمانی سلطنت خاص طور سے اُس کے بلقانی مقبوضات پر اپنا اثر بڑھانے کے لئے آپس میں دست وگریباں تھیں۔آخر کار اس رقابت کا نتیجہ ایک طرف روس اور دوسری طرف برطانیہ، فرانس، ترکی اور سارڈینیا کے درمیان 1853_56 کی مشرقی یا کرائمیا کی جنگ میں نکلا۔کرائمیا کی جنگ کا فیصلہ کن نقطہ بحیرہ اسود کے روسی بحری اڈے سیواستوپول کا محاصرہ تھا جو گیارہ ماہ تک جاری رہا اور سیواستوپول کے ہتھیار ڈالنے پر ختم ہوا۔لیکن سیواستوپول میں روسی فوج کی ہٹیلی مدافعت نے اینگلو فرانسیسی اور ترک قوتوں کو کمزور کو دیا۔وہ اس قابل نہیں رہے کہ حملہ آور ہوتے۔جنگ 1856 میں پیرس کے امن معاہدے پر دستخط کرنے کے

بعد ختم ہوگئی۔

سارڈینیائی سوال 1853 میں اس وقت کھڑا ہوا جب آسٹریا نے پیومونٹ (سارڈینیا) سے سفارتی تعلقات ختم کردیئے۔ کیونکہ آخر الذکر نے 49_1848 کی قومی تحریک آزادی اور 6فروری 1853 کو میلان کی مسلح بغاوت کرنے والوں کو پناہ دی تھی جو لمبارڈی (تب آسٹریا کے ماتحت) سے ہجرت کر کے وہاں آئے تھے۔

سوئس سوال سے مارکس کا مطلب وہ تصادم ہے جو آسٹریا اور سوئٹزرلینڈ کے درمیان اس لئے پیدا ہوا کہ 6فروری 1853 کو میلان میں ناکام مسلح بغاوت کے بعد اٹلی میں آسٹریا کے مقبوضہ اضلاع خصوصاً لمبارڈی سے اطالوی تحریک آزادی کے شرکاء نے سوئٹزرلینڈ کے ضلع تیسن میں اقامت اختیار کرلی تھی۔

(3) حوالہ دارالعوام میں اس مسوّدہ قانون پر بحث سے ہے جس کا تعلق ایسٹ انڈیا کمپنی کے نئے چارٹر سے تھا جس کا 1833 کا پرانا چارٹر ختم ہوگیا تھا برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی جو 1600 میں قائم ہوئی تھی، ہندوستان میں برطانوی نوآبادیاتی پالیسی کی آلہ تھی۔ ہندوستان کی فتح جو 19ویں صدی کے وسط میں مکمل ہوگئی تھی کمپنی کے نام پر برطانوی سرمایہ داروں نے کی تھی جسے ابتدا ہی سے ہندوستان اور چین کے ساتھ تجارت میں اجارہ داری حاصل ہوئی تھی کمپنی ہندوستان کے مفتوحہ علاقوں کی نگرانی وحکمرانی کرتی تھی۔ دفتری حکام مقرر کرتی تھی اور ٹیکس وصول کرتی تھی۔ چارٹروں میں اس کی تجارتی اور نظم ونسق سے متعلقہ مراعات معین کی جاتی تھیں جن کی تجدید میعادی طور پر پارلیمنٹ کیا کرتی تھی۔ 19ویں صدی میں کمپنی کی تجارت کی اہمیت کم ہوگئی۔ 1813 میں پارلیمنٹ کے ایک قانون نے اسے ہندوستان

میں اپنی تجارتی اجارہ داریوں سے محروم کر دیا۔ اس کی اجارہ داری چائے میں اور چین کے ساتھ تجارت میں برقرار رہی ۔ 1833 کے چارٹر کے مطابق کمپنی کی باقی تجارتی مراعات ختم ہوگئیں اور 1853 کے چارٹر نے ہندوستان پر حکمرانی کرنے کی اس کی اجارہ داری بھی کم کر دی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو زیادہ تر برطانوی تاج شاہی کی نگرانی میں دے دیا گیا۔ اس کے ڈائریکٹر حکام کا تقرر کرنے کے حق سے محروم ہو گئے ڈائریکٹروں کی تعداد 24 سے گھٹا کر 18 کر دی گئی جن میں سے 6 تاج شاہی نامزد کرتا تھا۔ بورڈ آف کنٹرول کے صدر کا درجہ ہندوستان کے سیکرٹری آف اسٹیٹ کے برابر کر دیا گیا۔ ہندوستان میں برطانوی مقبوضات پر علاقائی نگرانی کمپنی کے اختیار میں 1858 تک رہی جب وہ ختم کر دی گئی اور حکومت کو براہ راست تاج شاہی کا ماتحت بنا دیا گیا۔

(4) بورڈ آف ڈائریکٹرز: ایسٹ انڈیا کمپنی کا انتظامی ادارہ جس کے اراکین کمپنی کے با اثر حصہ داروں اور ہندوستان میں برطانوی حکومت کے ممبروں میں سالانہ منتخب کئے جاتے تھے جن کے کمپنی میں حصص 2000 پونڈ سے کم نہیں ہوتے تھے۔ بورڈ آف ڈائریکٹرز کا دفتر لندن میں تھا اور انہیں حصص داروں کے عام جلسے (مالکان کا کورٹ) میں منتخب کیا جاتا تھا اور کم از کم ایک ہزار پونڈ کے حصص داروں کو رائے دینے کا حق تھا۔ کورٹ کو 1853 تک ہندوستان میں وسیع اختیارات حاصل تھے۔ جب 1858 میں ایسٹ انڈیا کمپنی توڑ دی گئی تو اسے بھی ختم کر دیا گیا۔

(5) ایسٹ انڈیا کمپنی کے نئے چارٹر جون 1853 میں پارلیمنٹ میں مباحثے کے دوران بورڈ آف کنٹرول کے صدر چارلس وڈ نے دعویٰ کیا کہ ہندوستان پھل پھول رہا ہے۔ اپنے نکتے کو ثابت کرنے کے لئے انہوں نے دہلی کی ہم عصر حالت کا

مقابلہ اس وقت سے کیا جب 1739 میں ایرانی حملہ آور نادر شاہ (قلی خان) نے اسے تہس نہس اور تباہ کر دیا تھا۔

(6) ہیپٹارکی: (سات بادشاہوں کی حکومت) برطانوی تاریخ میں یہ اصطلاح انگلستان میں اس سیاسی نظام کی طرف اشارہ کرتی ہے جو ازمنہ وسطیٰ کی ابتدا میں رائج تھا جب ملک 7 اینگلو سیکسن بادشاہوں میں بٹا ہوا تھا (چھٹی یا آٹھویں صدی) مارکس اس اصطلاح کو مسلمانوں کی تسخیر سے پہلے دکن کی جاگیری تقسیم کے لئے تشبیہہ کی طرح استعمال کرتے ہیں۔

(7) LaissezFaire, Laissez Allers آزاد تجارت کے بورژوا ماہرین اقتصادیات کا فارمولا جو آزاد تجارت اور معاشی رشتوں میں ریاست کی عدم مداخلت کی وکالت کرتے تھے

(8) مارکس نے دارالعوام کی ایک سرکاری رپورٹ نقل کی ہے جو 1812 میں شائع ہوئی تھی۔ اقتباس کیمبل کی کتاب ''جدید ہندوستان: شہری حکومت کے نظام کا خاکہ'' سے ہے جو لندن سے 1852 میں شائع ہوئی تھی۔

(9) ''شاندار'' انقلاب: یہ اصطلاح انگریز بورژوا تاریخ دانوں نے 1688 کی اقتدار کی ہڑپ کے لئے استعمال کی تھی جس نے جیمس دوئم کا تختہ الٹ دیا، جس کی حامی زمیندار رجعت پرست اشرافیہ تھی، اور آرنج کے ولیم سوم کے اقتدار سپرد کیا جس کے رابطے زمیندار کاروباری اور چوٹی کے تجارتی حلقوں سے تھے۔ 1688 کی اقتدار کی ہڑپ نے پارلیمنٹ کے اختیارات بڑھا دیئے جو بتدریج ملک کے اقتدار کا اعلیٰ ادارہ بن گیا۔

(10) سات سالہ جنگ (1756_63) یورپی طاقتوں کے دو اتحادوں

یعنی اینگلو پروشیائی اور فرانسیسی روسی آسٹریائی اتحاد کے درمیان جنگ۔ جنگ کے خاص اسباب میں سے ایک انگلستان اور فرانس کے درمیان نو آبادیاتی اور تجارتی رقابت تھی۔ بحری لڑائیوں کے علاوہ آخر الذکر دو طاقتوں کے درمیان جنگ وجدال ان کی امریکی اور ایشیائی نو آبادیوں میں بھی ہوا۔ مشرق میں جنگ کا خاص اڈا ہندوستان تھا جہاں ایسٹ انڈیا کمپنی فرانس اور اس کے باج گزار راجوں کی مخالف تھی جس نے اپنی فوجی قوت کافی بڑھالی تھی اور جنگ سے فائدہ اٹھا کر کئی ہندوستانی علاقوں پر قبضہ کرلیا تھا۔ سات سالہ جنگ کے نتیجے میں فرانس ہندوستان میں اپنے سارے مقبوضات کھو بیٹھا (صرف پانچ ساحلی شہر اس کی نگرانی میں رہے جن کی قلعہ بندیاں وہ ختم کرنے پر مجبور ہوگیا) انگلستان کی نوآبادیاتی طاقت کافی بڑھ گئی۔

(11) جیمس مل: ''برطانوی ہندوستان کی تاریخ'' اس کتاب کی پہلی اشاعت 1818 میں ہوئی تھی۔ یہ اقتباس 1858 کی اشاعت سے ہے۔ جلد 5، کتاب 6، صفحات 60 اور 65۔ بورڈ آف کنٹرول کے فرائض منصبی کا اوپر حوالہ بھی مل کی کتاب سے دیا گیا ہے۔ (1858 کی اشاعت جلد 4، کتاب 5، صفحہ 395)۔

(12) جیکوبی مخالف جنگ: وہ لڑائی جو انگلستان نے 1793 میں انقلابی فرانس کے خلاف شروع کی تھی جب ایک انقلابی جمہوری گروپ، جیکوبن فرانس میں صاحب اقتدار تھا۔ انگلستان نے یہ جنگ نپولین کے خلاف بھی جاری رکھی۔

(13) اصلاحی بل: جس نے دارالعوام کے ممبر منتخب کرنے کا طریقہ بدلا؛ جون 1832 میں منظور کیا گیا۔ اس بل کا مقصد زمیندار اور مالی اشرافیہ کی سیاسی اجارہ داری کم کرنا اور صنعتی بورژوازی کے نمائندوں کو پارلیمنٹ میں پہنچانے

میں مدد کرنا تھا۔ پرولتاریہ اور پیٹی بورژوازی جو اصلاحات کی جدوجہد میں پیش پیش تھے، لبرل بورژوازی سے دھوکا کھا گئے اور انتخابی حقوق حاصل نہیں کیئے۔

(14) مارکس نے ملک گیری کی جنگیں گنوائی ہیں جو برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں لڑیں تا کہ ہندوستانی علاقوں پر قبضہ جمایا جائے اور اپنی خاص حریف _ فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنی کو کچلا جائے

کرناٹک کی جنگ وقفوں کے ساتھ 1746 سے 1763 تک جاری رہی۔ فریقین جنگ _ برطانوی اور فرانسیسی نوآباد کاروں _ نے ریاست کے مقامی دعویداروں کی حمایت کی آڑ میں کرناٹک پر قابض ہونا چاہا۔ انگریز، جنہوں نے جنوری 1761 میں جنوبی ہند کے خاص فرانسیسی گڑھ پانڈی چیری پر قبضہ کرلیا تھا، آخرکار جیت گئے۔

1756 میں برطانوی حملے سے بچنے کے لئے بنگال کے نواب نے جنگ شروع کی اور کلکتہ پر قبضہ کرلیا جو شمال مشرقی ہندوستان میں برطانوی اڈا تھا۔ لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج نے کلائیو کے زیر کمان اس شہر پر پھر قبضہ کرلیا۔ بنگال میں فرانسیسی قلعہ بندیاں توڑ دیں اور 23 جون 1757 کو پلاسی میں نواب کو ہرا دیا۔ بنگال میں، جو انگریزوں کا باج گزار بن گیا تھا، 1763 میں مسلح بغاوت کو کمپنی کے ہاتھوں کچل دیا گیا۔ بنگال کے ساتھ ساتھ انگریزوں نے اڑیسہ کی تسخیر مکمل کرلی جو کئی مقامی جاگیری ریاستوں پر مشتمل تھا جنہیں کمپنی اپنا ماتحت بنائے ہوئے تھی۔

92_1790 اور 1799 میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے میسور کے خلاف جنگیں چھیڑیں، جس کا حکمران ٹیپو سلطان انگریزوں کے خلاف پچھلی مہموں میں حصہ لے چکا تھا اور جو برطانوی نوآبادیاتی نظام کا کٹر دشمن تھا۔ ان میں سے پہلی جنگ میں

میسور نے اپنا آدھ علاقہ کھو دیا جس پر کمپنی اور اس کے پٹھو راجوں نے قبضہ کرلیا۔ دوسری جنگ میسور کی مکمل شکست اور ٹیپو سلطان کی موت پر ختم ہوئی۔میسور باج گزار ریاست بن گئی۔

باج گزاری نظام یا نام نہاد مدد کے اقرار نامے وہ طریقہ تھا جس کے ذریعے ہندوستانی ریاستوں کے فرمانروا ایسٹ انڈیا کمپنی کے باج گزار بن جاتے تھے۔ زیادہ تعداد میں ایسے اقرار نامے تھے جن کے تحت راجوں کو اپنے علاقے میں کمپنی کی فوج کا خرچ برداشت کرنا (امداد کرنا) پڑتا تھا اور ایسے معاہدے جن کے مطابق راجوں کو سخت شرائط پر قرضے لینا پڑتا تھا، اگر انہیں پورا نہیں کیا جاتا تھا تو ان کی ریاستیں ضبط کرلی جاتی تھیں۔

15۔ 1838-42 کی پہلی افغان جنگ جسے برطانیہ نے چھیڑا۔اس کا مقصد افغانستان کی تسخیر تھا لیکن برطانوی نوآبادکاروں کو منہ کی کھانا پڑی۔

1843 میں برطانوی نوآبادکاروں نے سندھ پر قبضہ کرلیا۔ 1838-42 کی اینگلو افغان جنگ کے دوران ایسٹ انڈیا کمپنی نے دھمکیاں اور تشدد اختیار کیا تا کہ سندھ کے جاگیری حکمران برطانوی فوج کو ان کے علاقوں سے گزرنے کی اجازت دے دیں۔اس سے فائدہ اٹھا کر برطانیہ نے 1843 میں مطالبہ کیا کہ مقامی جاگیری راجے کمپنی کا باج گزار ہونے کا اعلان کردیں۔باغی بلوچ قبائل کو کچلنے کے بعد سارے علاقے کو برطانوی ہند میں شامل کرلیا گیا۔

سکھوں کے خلاف 1845-46 اور 1848-49 کی برطانوی مہمات کے بعد پنجاب کو فتح کرلیا گیا۔17ویں صدی کے آخر میں سکھ دھرم کی مساوات کی تعلیمات (ہندو دھرم اور اسلام میں توافق پیدا کرنے کی ان کی کوشش) ہندوستانی

جاگیرداروں اور افغان حملہ آوروں کے خلاف کسان تحریک کا نظریہ بن گئیں۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا سکھوں میں سے ایک جاگیردارانہ گروپ ابھرا جس کے نمائندے سکھ ریاست کے سربراہ تھے۔ انیسویں صدی کے آغاز میں انہوں نے سارا پنجاب اور پڑوسی علاقے اس میں شامل کر لئے۔ 1845 میں برطانوی نو آبادکاروں نے سکھ اشرافیہ میں سے غداروں کی حمایت حاصل کر لی اور سکھوں سے تصادم کو ہوا دی اور 1846 میں سکھ ریاست کو باج گزار بنالیا۔ 1848 میں سکھوں نے بغاوت کی لیکن 1849 میں انہیں مکمل طور پر مطیع کر لیا گیا۔ پنجاب کی فتح کے بعد سارا ہندوستان برطانوی مقبوضہ بن گیا۔

16۔ ٹامس منرو" انگلستان اور ایسٹ انڈیا کے درمیان تجارت پر مباحثہ: مختلف اعتراضات کا جواب جو اس کے خلاف کئے جاتے ہیں"۔ (لندن، 1621)

17۔ جوزیا چائلڈ، ایک رسالہ جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارت ساری بیرونی تجارتوں میں سے سب سے زیادہ قوم پرستانہ ہے۔ لندن 1681۔ مصنف کے فرضی نام "محبّ وطن" سے شائع ہوا۔

18۔ جان پولیکسفن، 'انگلستان اور ہندوستان اپنی اپنی صنعتی پیداواروں میں بے جوڑ ہیں' ۔ ایک رسالے کو جواب جس کا عنوان ہے: ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارت پر مضمون۔ لندن 1698۔

19۔ برما کی تسخیر برطانوی نو آبادکاروں نے انیسویں صدی کی ابتدا میں شروع کی۔ 26-1824 کی پہلی برمی جنگ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج نے آسام صوبے پر قبضہ کر لیا جو بنگال اور ساحلی اضلاع اراکان اور تینا سیرم کے

درمیان واقع ہے۔ دوسری برمی جنگ (1852) میں انگلستان کا صوبہ پیگو پر قبضہ ہو گیا۔ چونکہ دوسری برمی جنگ ختم ہونے کے بعد امن کے کسی عہد نامے پر دستخط نہیں ہوئے تھے اس لیے 1853 میں برما کے خلاف ایک نئی مہم کی توقع تھی اور برما کے نئے بادشاہ نے جس نے اقتدار فروری 1853 میں حاصل کیا تھا پیگو کی تسخیر تسلیم نہیں کی تھی۔

20۔ ڈکنسن ۔ 'دفتر شاہی کے تحت حکومت ہند'۔ لندن و مانچسٹر، 1853۔ ہندوستان کی اصلاح کی انجمن نے شائع کی۔ شمارہ 6۔

21۔ سترہویں صدی کے وسط میں مرہٹوں نے مغل شہنشاہوں کے غلبے کے خلاف مسلح جدوجہد شروع کی جس سے سلطنت مغلیہ پر بڑی ضرب پڑی اور اس کے زوال میں معاونت ملی۔ اس جدوجہد سے ایک آزاد مرہٹہ ریاست وجود میں آئی جس کے جاگیری حکمرانوں نے جلد ہی ملک گیری کی جنگیں شروع کر دیں۔ سترھویں صدی کے آخر میں اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے مرہٹہ ریاست کمزور ہو گئی لیکن اٹھارویں صدی کے شروع میں پھر اس نے مرہٹہ ریاستوں کے مضبوط وفاق کی شکل اختیار کر لی۔ ہندوستان کی قیادت کے لیے مرہٹہ جاگیری حکمرانوں نے افغانوں کا مقابلہ کیا اور 1661 میں منہ توڑ شکست کھائی۔ ہندوستان پر برتری حاصل کرنے اور جاگیرداری حکمرانوں کے اندرونی جھگڑوں کے سبب سے اپنی طاقت کو کھو کر مرہٹہ ریاستیں ایسٹ انڈیا کمپنی کا شکار ہو گئیں جس نے 5-1803 کی جنگ میں انہیں مطیع کر لیا۔

(22) زمین داری اور رعیت داری نظام: 18 ویں صدی کے آخر اور 19 ویں صدی کے اوائل میں برطانوی حکام نے ہندوستان میں نافذ کیے۔ زمیندار

جنہیں عظیم مغلوں کے عہد میں زمین کی وراثت کا حق حاصل تھا، جب تک کہ وہ مظلوم کسانوں سے جمع کیے ہوئے لگان کا ایک حصہ حکومت کو ادا کرتے رہتے تھے۔ انہیں برطانوی حکومت نے ''استمراری زمینداری'' کے 1793 کے قانون کے تحت زمین کا مالک بنادیا اور اس طرح زمیندار انگریز نوآبادکار حکام کا حامی طبقہ بن گئے۔ جوں جوں برطانیہ کی حکمرانی ہندوستان میں وسیع ہوئی زمینداری نظام کی توسیع ذرا ترمیم شدہ شکل میں کی گئی۔ نہ صرف بنگال، بہار اور اڑیسہ میں بلکہ دوسرے علاقوں میں بھی جیسے یو پی، سی پی اور مدراس صوبے کا ایک حصہ۔ جن علاقوں میں یہ نظام نافذ کیا گیا وہاں رعیت، جو پہلے کسان برادری کے مساوی تھے اب زمینداروں کے مزارع بن گئے۔

رعیت داری نظام کے تحت جو 19ویں صدی کے شروع میں جاری کیا گیا تھا مدراس اور بمبئی پریذیڈنسیوں میں رعیت کو سرکاری زمین کا قابض کہا گیا جسے اپنے قطعے کا محصول ادا کرنا لازمی تھا جسے ہندوستان کی برطانوی انتظامیہ من مانے طور پر مقرر کرتی تھی۔ ساتھ ہی رعیت کو اس زمین کا مالک کسان کہا جاتا جسے وہ لگان پر لیتے تھے۔ قانونی لحاظ سے اس متضاد زمینی محصول کے نظام کا نتیجہ یہ نکلا کہ زمینی محصول اتنا زیادہ مقرر کیا گیا کہ کسان ادا کرنے کے قابل نہ رہے۔ وہ ہمیشہ 'بقایا جات' میں پھنسے رہنے لگے اور ان کی زمین بتدریج منافع خوروں اور سود خوروں کے ہتھے چڑھ گئی۔

(23) چمپن ''ہندوستان کی کپاس اور تجارت، برطانہ عظمیٰ کے مفاد کے تعلق سے؛ بمبئی پریزیڈنسی میں ریلوے نقل و حمل پر رائے کے ساتھ'' (لندن: 1851، صفحہ 91)

(24) کیمبل ''جدید ہندوستان'': شہری حکومت کے نظام کا خاکہ'' (لندن: 1852 صفحات 60_59)

(25) عنوان مارکس کی نوٹ بک برائے 1857 میں اندراج کے مطابق ہے۔

(26) مصنف کا اشارہ ہے شاہ اودھ کی معزولی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں اودھ کے الحاق کی جانب جسے برطانوی حکام نے موجودہ اقرارناموں کی خلاف ورزی کر کے 1856 میں عملی جامہ پہنایا۔

(27) مصنف کا اشارہ ہے 57_1856 کی اینگلو ایرانی جنگ کی طرف جو 19 ویں صدی کے وسط میں ایشیا میں برطانیہ کی جارحانہ نوآبادیاتی پالیسی کی زنجیر کی ایک کڑی تھی۔ ریاست ہرات پر قابض ہونے کی ایرانی حکمرانوں کی کوشش جنگ کا بہانہ بنی۔ اس زمانے میں ریاست کی راجدھانی ہرات ایک تجارتی چوراہا اور فوجی حکمت عملی کے نقطہ نظر سے ایک اہم مرکز تھا۔ اس لئے وہ ایران، جسے اس مسئلے پر روس کی حمایت حاصل تھی اور افغانستان، جس کی ہمت افزائی برطانیہ کرتا تھا کے درمیان تنازعہ کی جڑ بنی ہوئی تھی۔ جب اکتوبر 1856 میں ایرانی فوج نے ہرات کی تسخیر کی تو برطانوی نوآبادکاروں نے اس کا بہانہ بنا کر ایران میں فوجی مداخلت کی تاکہ ایران اور افغانستان دونوں کو محکوم بنایا جائے۔ ایران کے خلاف اعلان جنگ کرنے کے بعد انہوں نے اپنی فوج ہرات بھیجی۔ لیکن اس وقت 59_1857 میں ہندوستان میں قومی آزادی کے لئے مسلح بغاوت شروع ہوگئی اور برطانیہ ایران سے فوراً امن کا معاہدہ کرنے پر مجبور ہو گیا۔ معاہدے کے تحت جس پر پیرس میں دستخط ہوئے مارچ 1863 میں ہرات کو امیر افغانستان کی سلطنت میں شامل کر لیا

گیا۔

(28) 1857_59 کی بغاوت: برطانوی راج کے خلاف قومی آزادی کے لئے ہندوستانی عوام کی بغاوت، اس سے پہلے برطانوی نوآبادکاروں سے کئی مسلح جھڑپیں ہوچکی تھیں جنہوں نے نوآبادیاتی استحصال کے ظالمانہ طریقوں کے خلاف ہندوستانی آبادی کی تمام حلقوں کی عام نفرت کی شکل اختیار کرلی۔ بھاری محصولات کا بوجھ، ہندوستانی کسانوں کی لوٹ کھسوٹ اور کچھ جاگیردارانہ پرتوں کی جائیداد کی بیدخلی، آزاد ہندوستانی علاقوں کا الحاق کرنے کی پالیسی، محصول وصول کرنے کے لئے منظم اذیت رسانی اور نوآبادیاتی تشدد، ہندوستانی عوام کی قدیم روایات اور رسوم کی جانب نوآبادکاروں کی بالکل بے اعتنائی۔ بغاوت 1857 کی بہار میں (تیاریاں 1856 کی گرمیوں میں شروع ہوگئی تھیں) بنگالی فوج کی ان رجمنٹوں میں پھوٹ پڑی جو شمالی ہندوستان میں مقیم تھیں۔ (سپاہی اینگلو انڈین فوج کے تنخواہ دار تھے جنہیں مقامی آبادی سے 18 ویں صدی کے وسط سے بھرتی کرنا شروع کیا گیا تھا۔ برطانوی حملہ آوروں نے انہیں ہندوستان کو فتح کرنے اور مفتوحہ صوبوں میں اقتدار قائم کرنے کے لئے استعمال کیا) سپاہی اس علاقے کے فوجی حکمت عملی کے مرکزوں اور توپ خانوں پر قابض تھے۔ اسی لئے وہ مسلح بغاوت کے فوجی قلب بن گئے۔ انہیں خاص طور سے اونچی ذات کے ہندوؤں (برہمن، راجپوت وغیرہ) اور مسلمانوں میں سے بھرتی کیا گیا تھا اور سپاہیوں کی یہ فوج بنیادی طور پر ہندوستانی کسانوں کی بے چینی کی عکاسی کرتی تھی جو نچلے درجہ کے سپاہیوں کی بھرتی کا منبع تھی۔ اس بھرتی کا ایک حصہ شمالی ہندوستان (خاص کر اودھ) کی جاگیری اشرافیہ سے تھا جس سے سپاہیوں کے افسروں کا گہرا تعلق تھا۔ عوامی بغاوت جس کا مقصد

غیر ملکی حکمرانی کا تختہ الٹنا تھا شمالی اور وسط ہند کے وسیع علاقوں میں پھیل گئی ۔ خاص طور پر دہلی، لکھنؤ، کانپور، روہیل کھنڈ، وسطی ہندوستان اور بندھیل کھنڈ میں بغاوت کی خاص محرک قوت کسان اور شہروں کے غریب دستکار تھے لیکن قیادت جاگیرداروں کے ہاتھ میں تھی جن کی اکثریت نے اس وقت غداری کی جب 1858 میں نوآباد کاروں نے وعدہ کیا کہ ان کے مقبوضات انہی کے ہاتھ میں رہیں گے ۔ بغاوت کی ناکامی کا بنیادی سبب واحد قیادت اور کارروائیوں کے عام منصوبے کی کمی تھی جس کا سرچشمہ بڑی حد تک ہندوستان میں جاگیردارانہ عدم اتحاد، نسلیاتی طور پر پچ میل آبادی، عوام میں مذہب اور ذات پات کی تقسیم تھا۔ انگریزوں نے اس سے زیادہ فائدہ اٹھایا۔ اس کے علاوہ بغاوت کو کچلنے میں انہیں ہندوستانی جاگیرداروں ک اکثریت کی حمایت حاصل تھی ۔ کافی فوجی اور تکنیکی برتری دوسرا اہم سبب تھا۔ اگرچہ بغاوت میں ملک کے بعض حصے براہ راست شریک نہیں ہوئے (پنجاب، بنگال اور جنوبی ہند میں اسے پھیلنے سے روکنے میں انگریز کامیاب رہے) لیکن اس کا اثر سارے ہندوستان پر ہوا اور برطانوی حکام مجبور ہو گئے کہ وہ ملک میں نظام حکومت کی اصلاح کریں۔ ایشیا کے دوسرے ملکوں کی تحریک آزادی کے ساتھ مربوط ہو کر ہندوستانی بغاوت نے نوآبادکاروں کی پوزیشن کمزور کر دی ۔ خاص طور پر اس نے افغانستان، ایران اور کئی دوسرے ایشیائی ملکوں میں ان کے جارحانہ منصوبوں کو کئی برسوں تک کے لئے ملتوی کر دیا۔

(29) حوالہ ہے 1856_58 میں چین کے ساتھ نام نہاد افیون کی دوسری جنگ کا۔ بہانہ اکتوبر 1856 میں کینٹن میں برطانیہ اور چینی حکام کے درمیان انگریزوں کا آغاز کردہ تصادم تھا۔ یہ تصادم اس وقت ہوا جب چینی حکام نے چینی

جہاز ''ایرو'' کے عملے کو گرفتار کیا جس پر برطانوی جھنڈا تھا اور جو ناجائز طور پر افیون لے جارہا تھا۔ چین کی لڑائیاں وقفوں سے جون 1858 تک جاری رہیں اور ظالمانہ تین تسن کے معاہدے کے بعد ختم ہوئیں۔

(30) فورٹ ولیم: انگریزوں کا قلعہ جو کلکتہ میں 1696 میں تعمیر کیا گیا تھا اور اس کا نام اس وقت انگلستان کے بادشاہ اورنج کے ولیم سوم کے اعزاز میں رکھا گیا۔ جب انگریزوں نے بنگال کو 1757 میں فتح کرلیا تو حکومت کی عمارتیں اس قلعے میں آ گئیں اور اس کا نام ''حکومت بنگال'' اور بعد میں ''حکومت ہند'' ہوگیا۔

(31) ٹائمز: ممتاز انگریزی قدامت پرست روزنامہ اخبار۔ لندن میں 1785 سے شائع ہونا شروع ہوا۔

(32) جزیرہ نما آئی بیریا کی جنگ: 14_1808 میں فرانس اور برطانیہ نے اسپین اور پرتگال کی سرزمین پر آئی بیریا کے جزیرے نما میں لڑی۔ سارے جزیرے نما میں بیک وقت جنگ شروع ہوگئی جس میں اسپین اور پرتگال کے عوام نے فرانسیسی قبضے کے خلاف اپنی آزادی کے لئے جدوجہد کی۔ اسپین کے عوام کی جدوجہد نپولین اول کے سیاسی اور فوجی منصوبوں کو ناکام بنانے میں مدد کی۔ روس میں 1812 میں وہ زبردست ناکامی کے بعد اسپین سے اپنی فوج ہٹانے پر مجبور ہو گیا۔

(33) مصنف غالباً اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ برطانیہ کے دارالعوام کے ممبر پارلیمنٹ کے گرما کے اجلاسوں میں اپنی پارلیمانی ذمے داریوں کے مقابلے میں ذاتی مصروفیتوں اور تفریح کو اکثر ترجیح دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسپیکر اکثر تقریباً خالی ایوان سے مخاطب ہوتا ہے۔

(34) مونٹسکیو کی کتاب ''روما کی عظمت اور زوال کے اسباب پر غور وخوض'' کا حوالہ جس کی پہلی اشاعت 1734 میں ایمسٹرڈیم سے مصنف کے نام کے بغیر ہوئی اور گبن کی کتاب ''سلطنت روما کے زوال اور تباہی کی تاریخ'' جس کا پہلا ایڈیشن لندن میں 88_1776 میں نکلا۔

(35) مصنف حوالہ دیتے ہیں ٹوریوں کا۔ برطانیہ کے بڑے جاگیری او رمالیاتی اشرافیہ کی پارٹی۔ٹوری پارٹی 17ویں صدی میں قائم ہوئی او راس نے ہمیشہ رجعت پسند اندرونی پالیسی کی وکالت کی اور برطانیہ کے نظام حکومت کے دقیانوسی اداروں کی ثابت قدمی سے پاسبانی کی۔اس نے ہر جمہوری تبدیلی کی مخالفت کی۔جب برطانیہ میں سرمایہ داری کا ارتقاء ہواتو ٹوریوں کا سابق سیاسی اثر بتدریج ختم ہوگیا اور پارلیمنٹ میں ان کی اجارہ داری بھی۔1832 کی اصلاحات نے اس اجارہ داری پر پہلی ضرب لگائی جس نے صنعتی بورژوازی کے نمائندوں کے لئے پارلیمنٹ کے دروازے کھول دیئے۔1846 میں اناج کے قوانین کے تنسیخ نے جو زمینداروں کے لئے مفید تھے برطانیہ کی پرانی جاگیری اشرافیہ کومعاشی طور پر کمزور بنا دیا اوراس سے پارٹی میں پھوٹ پڑگئی۔چھٹی دہائی کے وسط میں ٹوری پارٹی منتشر ہونے لگی۔اس کی طبقاتی ساخت بدل گئی اور وہ جاگیری اشرافیہ اور بڑے سرمایہ داروں کے اتصال کی عکاسی کرنے لگی۔اس طرح چھٹی دہائی کے آخر میں اور ساتویں دہائی کے آغاز میں ٹوری پارٹی سے برطانیہ کی کنزرویٹو پارٹی ابھری۔

(36) 1773 تک ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندوستان میں تین گورنر ہوتے تھے۔کلکتہ، مدراس اور بمبئی میں۔ ہر ایک کی ایک کونسل تھی جو کمپنی کے پرانے ملازمین پر مشتمل تھی۔1773 کے ''ریگولیٹنگ ایکٹ'' نے کلکتہ کے گورنر کے تحت

چار پر مشتمل کونسل مقرر کی جس کا عہدہ اب بنگال کا گورنر جنرل ہو گیا۔ گورنر جنرل اور کونسل کو اب کمپنی نہیں بلکہ ضابطے کی رو سے برطانوی حکومت پانچ سال کی مدت کے لئے نامزد کرتی تھی اور اس مدت سے پہلے کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کی سفارش پر صرف بادشاہ انہیں برطرف کر سکتا تھا۔ ساری کونسل کے لئے اکثریت کی رائے لازمی تھی۔ اگر رائے برابر برابر ہوتی تو گورنر جنرل کا ووٹ فیصلہ کن ہوتا تھا۔ گورنر جنرل بنگال، بہار اور اڑیسہ کی شہری اور فوجی انتظامیہ کا نگراں تھا اور مدراس اور بمبئی پریذیڈنسیوں کو بھی کنٹرول کرتا تھا جو جنگ اور امن سے متعلق امور میں اس کے ماتحت تھیں۔ مخصوص معاملات میں آخر الذکر خود فیصلہ کر سکتی تھیں۔ 1784 کے ایکٹ کے تحت بنگال کی کونسل تین ممبروں تک محدود کر دی گئی جن میں سے ایک کمانڈر ان چیف ہوتا تھا۔ 1786 کے ضمنی ایکٹ کے تحت غیر معمولی حالات میں گورنر جنرل کو اختیار تھا کہ اپنی کونسل کے بغیر خود اقدام کرے اور کمانڈر ان چیف کے فرائض منصبی سنبھال لے۔ 1833 کے ایکٹ کے مطابق بنگال کا گورنر جنرل بنگال کا گورنر ہوتے ہوئے ہندوستان کا گورنر جنرل بنا دیا گیا۔ اس کی کونسل پھر چار ممبروں پر مشتمل ہو گئی اور کمانڈر انچیف کا پانچویں ممبر کی حیثیت سے اضافہ کیا جا سکتا تھا۔ گورنر جنرل اور اس کی کونسل کو سارے برطانوی ہند کیلئے قوانین بنانے کا اختیار دے دیا گیا۔ بمبئی اور مدراس کی حکومتیں اس اختیار سے محروم کر دی گئیں۔ ان کے گورنروں کی کونسلیں دو ممبروں پر مشتمل تھیں۔ 1853 کے ایکٹ کے تحت چار ممبروں کی کونسل کے علاوہ، جس کے فرائض منصبی عاملہ ادارے کی طرح تھے، بڑی قانون ساز کونسل موجود تھی جو گورنر جنرل، کمانڈر انچیف، بنگال کے چیف جسٹس اور اس کے تین ججوں میں سے ایک پر مشتمل تھی۔ (حوالہ ہے گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی

کے تحت کونسل کا)۔

(37) عنوان مارکس کی 1857 کی نوٹ بک کے اندراج کے مطابق ہے۔

(38) بورڈ آف کنٹرول 1784 کے قانون ''ایسٹ انڈیا کمپنی اور برطانیہ کے ہندوستانی مقبوضات کی بہتر حکومت کے بارے میں'' کے تحت قائم کیا گیا تھا۔ بورڈ 6 ممبروں پر مشتمل تھا جنہیں بادشاہ خفیہ کونسل سے نامزد کرتا تھا۔ بورڈ کا صدر کابینہ کا ممبر ہوتا تھا؛ دراصل ہندوستان کے لئے سیکرٹری آف اسٹیٹ اور ہندوستان کا اعلیٰ حکمراں۔ بورڈ آف کنٹرول کے فیصلے، جس کا دفتر لندن میں تھا، ہندوستان ایک خفیہ کمیٹی کے ذریعے پہنچائے جاتے تھے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے تین اراکین پر مشتمل تھی۔ اس طرح 1784 ایکٹ نے ہندوستان میں حکومت کا دوہرا نظام قائم کیا؛ بورڈ آف کنٹرول (برطانوی حکومت) اور بورڈ آف ڈائریکٹرز (ایسٹ انڈیا کمپنی)۔ 1858 میں بورڈ آف کنٹرول کو توڑ دیا گیا۔

(39) اکتوبر 1854 کے شروع میں اتحادیوں نے پیرس میں یہ افواہ پھیلائی کہ سیواستوپول پر قبضہ ہو گیا ہے۔ اس جھانسے کو فرانس، بلجیم اور جرمنی کے سرکاری پریس نے شائع کر دیا لیکن چند دن کے بعد فرانسیسی اخبار اس رپورٹ کی تردید کرنے پر مجبور ہو گئے۔

(40) دی بمبئے ٹائمز: انگریزی روزنامہ جو بمبئی سے 1838 میں شائع ہونا شروع ہوا۔

(41) دی پریس: ٹوری ہفتہ وار جو لندن سے 1853 سے 1866 تک شائع ہوتا رہا۔

(42) لے پے: فرانسیسی روزنامہ جو پیرس سے 1849 میں شائع ہونا شروع

ہوا۔ دوسری سلطنت کے وقت (1752_70) وہ نپولین سوم کا نیم سرکاری ترجمان تھا۔اس کا ضمنی نام ''ژورنال دے لامپاٗر'' تھا۔

(43) دی مارننگ پوسٹ: قدامت پرست روزنامہ اخبار جو لندن سے 1772 سے 1937 تک شائع ہوتا رہا۔19 ویں صدی کے وسط میں وہ وہگ عناصر کے دائیں بازو کا ترجمان تھا جو پامرسٹن کے حامی تھے۔

(44) سارا گوسا: اسپین میں ایبرو دریا پر ایک شہر۔جزیرہ نما آئی بیریا کی جنگ میں سارا گوسا نے 1808_9 میں محاصر فرانسیسی فوج کے خلاف بہادری سے مدافعت کی۔(ملاحظہ ہو نوٹ 32 بھی)۔

(45) ڈینیوب کے جھگڑے سے مارکس کی مراد 1856 میں پیرس کانگریس میں سفارتی جدوجہد اور بعد میں مولدیویا اور والاخیا کی ڈینیوبی ریاستوں کو جو ترکی کے قبضے میں تھیں، متحد کرنے کے سوال سے ہے۔اس امید میں کہ بوناپارٹ کے خاندان شاہی کا ایک فرد ان کا سربراہ ہوگا، فرانس نے مشورہ دیا کہ یورپ میں شاہی خاندانوں سے تعلق رکھنے والے کسی غیر ملکی شہزادے کی حکمرانی کے تحت ریاستیں ایک واحد ریاست رومانیہ میں متحد ہو جائیں۔فرانس کی حمایت روس، پروشیا اور سارڈینیا نے کی۔ترکی کی حمایت جو اتحاد کا مخالف اس لئے تھا کہ رومانیہ کی ریاست سلطنت عثمانیہ کے جوئے کو ہٹانے کی کوشش کرے گی، آسٹریا اور برطانیہ نے کی۔آخر کار کانگرس نے مقامی دیوانوں کے انتخابات کے ذریعے رومانیائی آبادی کے جذبات معلوم کرنے کی ضرورت تسلیم کر لی۔انتخابات ہوئے لیکن جعلسازوں کی بدولت اتحاد کے مخالف مولدیویا کے دیوان کامیاب ہو گئے۔اس پر فرانس، روس، پروشیا اور سارڈینیا نے احتجاج کیا اور مطالبہ کیا کہ انتخابات منسوخ کر دیئے جائیں۔ترکی

نے جواب دینے میں تاخیر کی۔ چنانچہ ان ملکوں نے اگست 1857 میں اس سے اپنے سفارتی تعلقات قطع کر لئے۔ جھگڑے کو نپولین سوم کے توسط سے طے کرلیا گیا جس نے برطانوی حکومت کو آمادہ کرلیا کہ وہ فرانس کے منصوبے کی مخالفت نہ کرے جو مساوی طور پر برطانیہ کے لئے بھی مفید تھا۔ ریاستوں میں انتخابات منسوخ کر دیئے گئے لیکن نیا انتخاب مسئلے کو حل کرنے میں ناکام رہا۔ دو ریاستوں کو متحد کرنے کا سوال خود رومانیہ کے لوگوں نے 1859 میں حل کیا۔

(46) جرمنی کی ہولشٹائن وشیلز ویگ کی ریاستوں پر چند صدیوں تک ڈنمارک کی بادشاہت رہی۔ لندن ٹریٹی ڈنمارک کی سلمیت کی ضمانت دیتا تھا۔ روس، آسٹریا، برطانیہ، فرانس، پروشیا اور سویڈن نے ڈنمارک کے نمائندوں کے ساتھ دستخط کئے جوان علاقوں کا خود حکومتی کا حق تسلیم کرتا تھا لیکن ان پر ڈنمارک کے بادشاہ کی اعلیٰ حکمرانی بھی محفوظ رہتی تھی۔ مگر معاہدے کے باوجود ڈنمارک کی حکومت نے 1855 میں ایک آئین شائع کیا جس نے ڈنمارک کی حکمرانی کے تحت ان جرمن ڈچس کا خود حکمرانی کا حق ختم کر دیا گیا۔ جرمن پارلیمنٹ نے فروری 1857 میں ایک فرمان منظور کیا جس میں ان علاقوں میں مذکورہ آئین نافذ کرنے کے خلاف احتجاج کیا گیا لیکن غلطی سے صرف ہولشٹائن اور رلائن برگ کا نام درج کیا اور شیلز ویگ کو چھوڑ دیا۔ ڈنمارک نے اس سے فائدہ اٹھایا اور شیلز ویگ کو اپنے مقبوضہ علاقوں کی طرح شامل کرنے کی تیاری کرنے لگا۔ اس کے خلاف نہ صرف شیلز ویگ کی آبادی نے احتجاج کیا جو ہولشٹائن سے جدا ہونا نہیں چاہتی تھی بلکہ پروشیا، آسٹریا اور برطانیہ نے بھی جو ڈنمارک کے اقدام کو لندن معاہدے کی خلاف ورزی خیال کرتے تھے۔

(47) 1857 کے متعلق مارکس کی نوٹ بک میں ایک اندراج کے مطابق مضمون ''ہندوستان میں اذیت رسانی کی تفتیش'' انہوں نے اگست میں لکھا تھا بعض انجانے اسباب کی بناپر ''نیویارک ڈیلی ٹریبیون'' نے مضمون ''ہندوستانی بغاوت'' کے بعد اسے شائع کیا جس کے متعلق وہ یہاں حوالہ دے رہے ہیں اور جس کو مارکس نے 4 ستمبر کو لکھا۔

(48) نیلی کتاب: برطانوی پارلیمنٹ اور محکمہ خارجہ کے شائع شدہ مواد او ردستاویزوں کا عام عنوان ۔انہیں ''نیلی کتاب'' اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کا سر ورق نیلا ہوتا ہے۔وہ 17 ویں صدی سے شائع کی جارہی ہیں اور ملک کی معاشی اور سفارتی تاریخ کا بنیادی سرکاری ریکارڈ ہیں۔مصنف نے یہاں ''ایسٹ انڈیا'' نامی ''نیلی کتاب'' کا حوالہ دیا ہے جو لندن سے 57_1855 میں شائع ہوئی تھی۔

(49) ''مدراس میں اذیت کے واقعات کی تحقیقات کے لئے کمیشن کی رپورٹ'' لندن 1855۔

(50) کلکٹر ہندوستان میں ضلع کا انگریز افسر اعلیٰ۔اسے غیر محدود اختیارات حاصل تھے۔ اس کے ہاتھ میں خاص ٹیکس کلکٹر انتظامیہ اور عدالت اعلیٰ کے اختیارات مرکوز تھے۔کلکٹر کی حیثیت سے وہ ٹیکس نہ ادا کرنے والوں کو عدالت میں پیش کرتا تھا۔جج کی طرح انہیں سزا دیتا تھا اور انتظامیہ کے نمائندے کی حیثیت سے اس سزا کو پورا کراتا تھا۔

(51) اگر امانت آر یوستو کی نظم'' اورلاندو فیوریوسو'' میں حبشی بادشاہ۔اگر امانت نے، جو شارلمان کے خلاف جنگ لڑ رہا ہے، پیرس کا محاصرہ کر رکھا ہے اور شہر کی دیواروں کے قریب اپنی فوج مرکوز کی ہے۔یہاں مارکس'' اورلاندو فیوریوز''

کے اس مصرعے کا حوالہ دیتے ہیں ''اگر امانت کے کیمپ میں اختلافات ہیں'' جو عام طور پر اختلافی رائے ظاہر کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

(52) ڈیلی نیوز: برطانوی لبرل اخبار، صنعتی بورژوازی کا ترجمان۔لندن سے 1846 سے 1930 تک شائع ہوتا رہا۔

(53) مفصلات: انگریزی زبان کا لبرل ہفتہ وار جو ہندوستان میں 1845 سے شائع ہوا پہلے میرٹھ میں اور پھر آگرہ اور انبالہ میں۔

(54) مصنف ایسٹ انڈیا کمپنی کے 1853 کے چارٹر کا حوالہ دے رہے ہیں (ملاحظہ ہو نوٹ 3)

(55) واندی: (مغربی فرانس کا ایک صوبہ) میں فرانسیسی شاہ پرستوں نے پسماندہ کسانوں سے فائدہ اٹھا کر 1793 میں انقلاب دشمن بغاوت کرائی تھی۔ری پبلکن فوج نے جس کے سپاہی ''نیلے'' کے نام سے مشہور تھے، اسے کچل دیا۔ ہسپانوی چھاپے مار 14_1808 میں فرانسیسی حملہ آوروں کے خلاف قومی آزادی کی جدوجہد کے دوران ہسپانوی عوام کی چھاپے مار لڑائی کے شریک، کسان جنہوں نے حملہ آوروں کی ڈٹ کر مزاحمت کی، چھاپے ماروں کی متحرک قوت تھے۔

سربیائی اور ہرواتی فوجوں نے 49_1848 کے انقلاب میں ہنگری اور آسٹریا کی انقلابی تحریک کو کچلنے میں حصہ لیا۔فرانسیسی حکومت کے 25 فروری 1848 کے قانون کے تحت انقلابی عوام کو کچلنے کے لئے موبائل گارڈ قائم کیا گیا۔ اس کے دستے، جو زیادہ تر بے طبقاتی عناصر پر مشتمل تھے، جون 1848 میں پیرس کے مزدوروں کی بغاوت کو کچلنے کے لئے استعمال کئے گئے۔جنرل کاوینیاک نے وزیر دفاع کی حیثیت سے مزدوروں کے قتل عام کی ذاتی طور پر رہنمائی کی۔

10 دسمبر والے: بوناپارٹ پرست خفیہ جماعت جو 1849 میں قائم کی گئی تھی۔ اس میں زیادہ تر ڈی کلاس عناصر، سیاسی مہم پرست، عسکریت پرست وغیرہ شامل تھے۔ اس کے ممبروں نے لوئی بوناپارٹ کو 10 دسمبر 1848 کو (نام کی بنیاد یہی ہے) فرانسیسی ری پبلک کا صدر منتخب ہونے میں مدد دی اور 2 دسمبر 1851 کو اقتدار کی جھپٹ میں حصہ لیا جس کے نتیجے میں لوئی بوناپارٹ کے شہنشاہ فرانس ہونے کا اعلان کر دیا گیا جو 1852 میں نپولین سوم کہلایا۔ وہ ری پبلکوں کو بڑے پیمانے پر دبانے کے منتظم تھے اور خاص طور سے 1848 کے انقلاب کے شرکاء کو۔

(56) مصنف حوالہ دے رہے ہیں افیون کی پہلی جنگ (42_1839) کا۔ چین کے خلاف برطانیہ کی جارحانہ جنگ جس نے چین کو مقبوضہ بنا دینے کی ابتدا کی۔ چینی حکام نے کینٹن میں افیون کا ذخیرہ تباہ کر دیا جس کے مالک بیرونی تاجر تھے۔ یہ واقعہ جنگ کا بہانہ بنا۔ پسماندہ جاگیردارانہ چین کی شکست سے فائدہ اٹھا کر برطانوی نوآبادکاروں نے اس پر نان کنگ کا معاہدہ (29 اگست 1842) لاد دیا جس نے برطانوی تجارت کے لئے 5 چینی بندرگاہیں (کینٹن، اموائے، فوچو، ننگ تو اور شنگھائی) کھول دیں۔ ہانگ کانگ کے جزیرے کو برطانیہ کے "مستقل قبضہ" میں دے دیا اور چین کو تاوانِ جنگ کی بڑی رقم ادا کرنی پڑی۔ 1843 میں ایک ضمنی معاہدے کی رو سے چین نے غیر ملکیوں کو زائد علاقائی حقوق دیئے۔

(57) مصنف حوالہ دے رہے ہیں کینٹن پر بہیمانہ بمباری کا جو چین میں برطانوی سپرنٹنڈنٹ جان بورنگ کت حکم سے کی گئی تھی۔ اس سے شہر کے مضافات میں تقریباً 5000 مکانات تباہ ہوئے۔ یہ بمباری افیون کی دوسری جنگ

(1856_58) کی تمہید تھی ۔(نوٹ 29 دیکھئے)

امن سوسائٹی بورژوا مجہول امن پسند جو لندن میں کونیکروں نے 1816 میں قائم کی تھی، اسے آزاد تجارت کے حامیوں کی زبردست حمایت حاصل تھی جو سمجھتے تھے کہ اگر امن قائم رہا تو برطانیہ آزاد تجارت کے ذریعے اپنی صنعتی برتری کا بہتر استعمال کرے گا اور اس طرح اسے معاشی وسیاسی فضیلت حاصل ہو گی۔

1845 میں الجزائر میں مسلح بغاوت کو کچلنے کے دوران جنرل پیلیسے نے جو بعد میں فرانس کا مارشل بنا حکم دیا کہ آگ لگا کر دھوئیں سے ان ایک ہزار عرب باغیوں کو دم گھوٹ کر مار ڈالا جائے جو پہاڑی غاروں میں چھپے ہوئے تھے۔

(58) حوالہ ہے جولیس سیزر کی کتاب .Commentarie.de) (Bello.Gallico کا۔ جو واقعہ یہاں بیان کیا گیا ہے، کتاب 8 سے ہے جسے سیزر کے سابق وکیل اور دوست ہرٹیس نے تحریر کیا ہے جس نے گال کی جنگ کے متعلق اس کے نوٹ تحریر کرنا جاری رکھے۔

(59) مارکس کا اشارہ ہے چارلس پنجم کے ہدایت نامہ کی طرف جسے جرمن پارلیمنٹ نے 1532 میں ریگنس برگ میں منظور کیا۔ یہ قانون اپنی انتہائی سختی کے لئے بدنام تھا۔

(60) بلیکسٹن: Commentaries on the Laws of) (England، جلدیں 4_1 پہلا ایڈیشن، لندن 69_1765۔

(61) موتسارت کا اوپیرا ''سیرال کا اغوا'' ایکٹ 3، منظر 6، اوسمن کا گایا ہوا آریا۔

(62) انجیل کی حکایت کے مطابق اسرائیلیوں نے جیریکو کی دیواریں اپنے

بگلوں کی زوردار آوازوں سے گرادیں۔

(63) ''نیویارک ڈیلی ٹریبیون'' کے مدیروں نے، جنہوں نے یہ فقرہ درج کیا، اپنے نامہ نگار ہنگری کے ادیب اور صحافی پولسی کی جانب اشارہ کیا ہے جو ہنگری میں 1848 کے انقلاب کی ناکامی کے بعد امریکہ چلے گئے تھے۔ وہ بین الاقوامی مسائل پر تبصرے تحریر کیا کرتے تھے۔

(64) مارکس غالباً ''کلکتہ گزٹ'' کا حوالہ دے رہے ہیں۔ یہ انگریزی اخبار کلکتہ سے 1784 میں شائع ہونا شروع ہوا۔ وہ ہندوستان میں برطانوی حکومت کا سرکاری ترجمان تھا۔

(65) مصنف حوالہ دے رہے ہیں پہلی 42_1838 کی اینگلوافغان جنگ کا جو برطانیہ نے اس پر مسلط ہونے کے لئے شروع کی تھی۔ اگست 1839 میں برطانیہ نے کابل پر قبضہ کرلیا لیکن ایک بغاوت کی وجہ سے جو نومبر 1841 میں ہوئی اسے جنوری 1842 میں پسپا ہونا پڑا۔ برطانوی فوج ہندوستان کی طرف لوٹی اور پسپائی بے ہنگم بھگدڑ پر ختم ہوئی۔ 4500 برطانوی سپاہیوں اور 12000 بھیرہ بنگاہ میں سے ہندوستانی سرحد تک بس ایک پہنچا۔

(66) مصنف حوالہ دے رہے ہیں نپولین کے فرانس کے خلاف 1809 میں شیلڈے دریا کے دہانے پر برطانیہ کی بحری مہم کا۔ جزیرہ والخیرین پر قبضہ کرنے کے بعد برطانیہ مزید اقدام نہیں کرسکا اور 40 ہزار جوانوں میں سے بھوک اور بیماریوں سے تقریباً 10 ہزار سے ہاتھ دھونے کے بعد پسپا ہونے پر مجبور ہوا۔

(67) دی مارننگ اڈورٹائزر: برطانوی روزنامہ جو لندن سے 1794 میں شائع ہونا شروع ہوا۔ 19 ویں صدی کی چھٹی دہائی میں وہ ریڈیکل بورژوازی

کا ترجمان بن گیا۔

(68) دی فرینڈ آف انڈیا: برطانوی اخبار جو 1818 سے سیرامپور میں چھپنا شروع ہوا۔ چھٹی دہائی میں یہ ہفتہ وار ہو گیا۔ اس کا رجحان بورژوا لبرل تھا۔

(69) دی ملٹری اسپیکٹیٹر: برطانوی فوجی ہفتہ وار جو لندن میں 58_1857 تک چھپتا رہا۔

(70) دی بمبئے کوریئر: برطانوی حکومت کا اخبار، ایسٹ انڈیا کمپنی کا ترجمان، 1790 سے جاری ہوا۔

(71) پوربی مغربی بنگال کی فوجوں کے سپاہی۔

(72) یہ جدول جو مارکس نے مرتب کی۔ غالباً دیئے ہوئے مضمون کے ساتھ نیویارک بھیجی گئی تھی لیکن مدیروں نے اخبار کے اسی شمارے میں علیحدہ شائع کی۔

(73) مصنف کا اشارہ ہے کرائمیا کی جنگ کی جانب۔ 5 نومبر 1854 کو انکرمان کے مقام پر روسی فوج نے اینگلو فرانسیسی ترک اتحادی فوجوں پر جوابی حملہ کیا تا کہ سیواستوپول کے خلاف تیار شدہ حملے کو روک دیا جائے۔ روسی سپاہیوں کی بہادری کے باوجود اینگلو فرانسیسی ترک فوجوں نے لڑائی جیت لی۔

(74) 25 اکتوبر 1854 کو بلاکلاوا میں روسی اور اتحادی فوجوں کے درمیان لڑائی ہوئی جس میں برطانوی اور فرانسیسی فوجوں کو اپنی برتر پوزیشن کے باوجود زبردست نقصان اٹھانا پڑا۔ برطانوی کمان کی غلطیوں کی وجہ سے برطانوی گھڑ سواروں کا ایک بریگیڈ ضائع ہو گیا۔

(75) دی بمبئے گزٹ: ہندوستان میں برطانوی اخبار جو 1791 میں قائم ہوا۔

(76) گلوب: برطانوی روزنامے ''گلوب اینڈ ٹریولر'' کا مختصر نام جو لندن سے 1803 سے شائع ہونا شروع ہوا۔ وہ وہگ کا ترجمان تھا اور جب وہگ اقتدار میں ہوتے تھے تو حکومت کا اخبار بن جاتا تھا۔ 1866 سے قدامت پرستوں کا ترجمان۔

(77) مصنف 1833 کے کے پارلیمانی قانون کا حوالہ دے رہے ہیں جس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو چین میں تجارت کی اجارہ داری سے محروم کردیا اور تجارتی ایجنسی کی حیثیت سے اسے ختم کردیا۔ پارلیمنٹ نے کمپنی کے ہاتھ میں نظم و نسق کے فرائض منصبی چھوڑے رکھے اور اس کا چارٹر 1853 تک بڑھا دیا۔

(78) دی فینکس: ہندوستان میں برطانوی حکومت کا اخبار۔ کلکتہ سے 1856 سے 1861 تک شائع ہوتا رہا۔

(79) 1858 کے متعلق مارکس کی نوٹ بک میں اندراج کے مطابق عنوان۔

(80) مصنف حوالہ دیتے ہیں 1853_56 میں کرائمیا کی جنگ کا۔ الما کے مقام پر لڑائی 20 ستمبر 1854 میں ہوئی اور اتحادی فوج کامیاب رہی۔

(81) حوالہ ہے 1853_56 میں کرائمیا کی جنگ کا۔ 18 جون 1855 کو سیواستوپول کی قلعہ بندیوں کے تیسرے مورچے پر اتحادیوں کے غیر مکمل حملے کے وقت بریگیڈ کی کمان ونڈ ہم کے ہاتھ میں تھی۔

(82) 1858 کے متعلق مارکس کی نوٹ بک میں اندراج کے مطابق عنوان۔

(83) حوالہ ہے 1838_42 میں پہلے اینگلو افغان جنگ کا۔ (نوٹ 65

دیکھئے)

(84) اینگلز حوالہ دیتے ہیں قدیم قسم کی قلعہ بندی کا جو برما کے شہروں اور چھاؤنیوں کے گرد کھڑی کی جاتی تھی۔

(85) باداخوز کی ہسپانوی گڑھی جو فرانس کے ہاتھ میں تھی۔ 6 اپریل 1812 کو اس پر ویلنگٹن کی قیادت میں انگریزوں نے قبضہ کرلیا۔سان سیباستین کی ہسپانوی گڑھی پر جو فرانس کے قبضے میں تھی 31 اگست 1813 کو حملہ کیا گیا۔

(86) حوالہ ہے اس اعلان کا جسے ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ کیننگ نے 3 مارچ 1858 کو جاری کیا تھا۔اس کے مطابق سلطنتِ اودھ کی جاگیروں کے ساتھ ان بڑے جاگیری زمینداروں اور تعلقہ داروں کی زمینیں برطانوی حکام نے ضبط کرلیں جنہوں نے بغاوت میں حصہ لیا تھا۔لیکن برطانوی حکومت نے جو تعلقہ داروں کی حمایت حاصل کرنا چاہتی تھی کیننگ کے اعلان کا مطلب بدل دیا۔تعلقہ داروں سے وعدہ کیا گیا کہ ان کے زمینوں کے حقِ ملکیت کا احترام کیا جائے گا۔اس کے بعد انہوں نے باغیوں کے ساتھ غداری کی اور برطانیہ سے جا ملے۔

اِس اعلان کا تنقیدی تجزیہ مارکس نے اپنے مضامین ''اودھ کا الحاق'' اور ''لارڈ کیننگ کا اعلان اور ہندوستان میں زمین کی ملکیت'' میں کیا ہے۔

(87) سکھوں کو اپنی فوج کی اچھی تنظیم کے باوجود، جو برطانیہ کے خلاف بڑی بہادری سے لڑی، 18 دسمبر 1845 کو مُڈکی (فیروز پور کے نزدیک واقع ایک گاؤں) 21 دسمبر 1845 کو فیروز شاہ میں اور 28 جنوری 1846 کو علی وال (لدھیانہ کے قریب) لڑائیوں میں شکست ہوئی۔ چنانچہ سکھ 46_1845 کی پہلی اینگلو سکھ جنگ ہار گئے۔شکست کی خاص وجہ سکھوں کی اعلیٰ کمان کی غداری تھی۔

(88) 1858 کے متعلق مارکس کی نوٹ بک کے مطابق عنوان دیا گیا ہے۔

(89) مارکس نے اودھ کے متعلق گورنر جنرل کیننگ کے اعلان (نوٹ 86 ملاحظہ ہو) کے ایک حصے کو نقل کیا ہے جو مئی 1858 کو ''ٹائمز'' میں شائع ہوا۔

(90) حوالہ ہے پولینڈ میں، جو روسی سلطنت کا حصہ تھا، 31_1830 کی بغاوت کو روسی رجعت پرستوں کے ہاتھوں کچلنے کا۔

(91) حوالہ ہے 49_1848 کی آسٹریائی اطالوی جنگ کا جس میں سارڈینیا کے بادشاہ چارلس البرٹ کی فوج نے نووارا (شمالی اٹلی) کی جنگ 23 مارچ 1849 کو منہ توڑ شکست کھائی۔

(92) اودھ سلطنتِ مغلیہ کا حصہ تھا لیکن 18 ویں صدی کے وسط میں اودھ میں مغل نائب سلطنت درحقیقت آزاد حکمران بن گیا۔ انگریزوں نے 1765 میں اودھ کو برطانیہ کی ماتحت ذیلی ریاست میں تبدیل کر دیا۔ سیاسی طاقت عملاً برطانوی ریذیڈنٹ کے ہاتھوں میں تھی۔ اس صورت حال کے باوجود اودھ کے حکمران خود کو خود مختار بادشاہ کہتے تھے اور انگریز بھی اکثر انہیں ''بادشاہ'' ہی کی طرح مخاطب کرتے تھے۔

(93) 1801 میں ایسٹ انڈیا کمپنی اور اودھ کے نواب کے درمیان کئے ہوئے معاہدے کے مطابق ہندوستان کے گورنر جنرل ویلزلی نے قرضے کی ادائیگی میں ناکامی کو بہانہ بنا کر نواب کے نصف مقبوضات ضبط کر لئے۔ ان میں گورکھپور، روہیل کھنڈ اور گنگا اور جمنا کے دریاؤں کا کچھ علاقہ شامل تھا۔

(94) ''نیویارک ڈیلی ٹریبون'' کے مدیر، جنہوں نے مارکس کے مضمون میں اس عبارت کا اضافہ کیا، ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ کیننگ اور اودھ کے چیف

کمشنر اوٹرم کے درمیان خط و کتابت کا حوالہ دیتے ہیں جو اودھ کے متعلق کیننگ کے اعلان سے (نوٹ 86 ملاحظہ ہو) تعلق رکھتی تھی اور جو اس اخبار میں 5 جون 1858 کو شائع ہوئی تھی۔

(95) 19 ویں صدی کے وسط میں تقریباً تمام ہندوستان برطانوی راج کے تحت تھا۔ کشمیر، حیدر آباد کا ایک حصہ، راجپوتانہ، میسور اور چند دوسری چھوٹی ریاستیں ایسٹ انڈیا کمپنی کی باج گزار تھیں۔

(96) حوالہ ہے 1793 کے قانون کا جو ''استمراری زمینداری کے متعلق'' تھا جسے ہندوستانی گورنر جنرل کارنوالس نے جاری کیا تھا۔ (نوٹ 22 ملاحظہ ہو)

(97) 19 اپریل 1858 کو اپنے ایک مراسلے میں بورڈ آف کنٹرول کے صدر لارڈ ایلین برو نے اودھ کے متعلق لارڈ کیننگ کے اعلان (نوٹ 86 ملاحظہ ہو) کا تنقیدی طور پر حوالہ دیا۔ اس حقیقت کے پیش نظر کہ لارڈ ایلین برو کے مراسلے کو برطانوی سیاسی حلقوں نے ناپسند کیا، انہیں استعفا دینا پڑا۔

(98) حوالہ ہے اس مسوَدہِ قانون کا جسے ڈربی کی وزارت نے مارچ میں پارلیمنٹ میں پیش کیا تھا اور جولائی 1858 میں منظور ہوا۔ یہ مسوَدہ قانون ''ہندوستان میں بہتر حکومت کے لئے ایکٹ'' کے عنوان سے قانون بنا گیا۔ اس قانون کے مطابق ہندوستان پوری طرح برطانوی تاجِ شاہی کا ماتحت ہو گیا اور ایسٹ انڈیا کمپنی توڑ دی گئی اور اس کے حصص داروں کو 30 لاکھ پونڈ بطور معاوضہ دے دیا گیا۔ منسوخ شدہ بورڈ آف کنٹرول کے صدر کی جگہ سیکرٹری آف اسٹیٹ اور اُسکے ادارہ -- انڈین کونسل نے لے لی۔ اپنے مضمون ''انڈین بل'' میں مارکس نے اس قانون کا تنقیدی تجزیہ کیا ہے۔

(99)1858 کے متعلق مارکس کی نوٹ بک کے مطابق عنوان ہے۔

(100) حوالہ ہے ان نو آبادیاتی جنگوں کا جنہیں فرانسیسی نو آبادکاروں نے الجزائر میں 19ویں صدی کی چوتھی اور آٹھویں دہائیوں میں چھیڑا تھا تاکہ اس ملک کو مفتوح کیا جائے۔ الجزائر پر فرانسیسی حملہ طویل تھا اور عرب آبادی نے اس کی سخت مزاحمت کی۔ فرانسیسی نو آبادکاروں نے جنگ میں بڑی بے رحمی سے کام لیا۔ 1847 تک الجزائر کی تسخیر بنیادی طور پر مکمل ہو گئی لیکن آزادی کے لئے الجزائر کے عوام کی جدوجہد جاری رہی۔

(101)1858 کے متعلق مارکس کی نوٹ بک کے مطابق عنوان ہے۔

(102) مصنف 1773 کے ''پابندیوں کے قانون'' کا حوالہ دیتے ہیں۔ اس قانون نے کمپنی کے امور میں حصہ لینے اور بورڈ آف ڈائریکٹرز منتخب کرنے کا حق رکھنے والے حصص داروں کی تعداد میں کمی کر دی تھی۔ قانون کے تحت کم از کم ایک ہزار پونڈ کے حصص رکھنے والے ہی حصص داروں کے جلسے میں ووٹ دینے کے حقدار تھے۔ پہلی بار ہندوستان کے گورنر جنرل اور اس کی کونسل کے ممبروں کو انفرادی طور پر پانچ سال کے لئے نامزد کیا گیا اور انہیں کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کی سفارش پر صرف بادشاہ برطرف کر سکتا تھا۔ بعد میں گورنر جنرل اور اس کی کونسل کو کمپنی نامزد کرنے لگی۔ 1773 کے قانون کے تحت کلکتہ میں ایک سپریم کورٹ قائم کیا گیا جو لارڈ جسٹس اور تین ججوں پر مشتمل تھا۔

(103) غیر ملکیوں کے متعلق مسوّدہ قانون: (یا سازش کا مسوّدۂ قانون) پامرسٹن نے 8 فروری 1858 کو دارالعوام میں پیش کیا تھا۔ یہ فرانسیسی حکومت کے دباؤ پر کیا گیا (پامرسٹن نے مسوّدہ قانون 5 فروری کو پیش کرنے کا ارادہ ظاہر کیا

تھا) اس مسؤدہ قانون کے تحت ہر وہ شخص جو سلطنتِ متحدہ میں رہتا ہے خواہ وہ برطانوی باشندہ ہو یا غیر ملکی، اگر برطانیہ یا کسی دوسرے ملک میں کسی شخص کو قتل کرنے کے مقصد سے سازش منظم کرنے یا حصہ لینے کا مجرم پایا جائے تو برطانوی عدالت میں اس پر مقدمہ چلایا جائے اور اسے سخت سزا دی جائے۔ بڑے پیانے پر احتجاجی تحریک کے دباؤ سے دارالعوام نے یہ مسؤدہ قانون مسترد کر دیا اور پامرسٹن کو استعفاد ینا پڑا۔

(104) ڈربی کابینہ کے اقتدار میں آنے کے بعد بورڈ آف کنٹرول کے صدر لارڈ ایلن برو کو اختیار دیا گیا کہ حکومت ہند کو بہتر بنانے کے لئے اصلاح کا مسؤدہ قانون مرتب کریں۔ لیکن ان کے مسؤدہ قانون سے حکومت کی تشفی نہیں ہوئی کیونکہ ہندوستانی کونسل کو منتخب کرنے کا نظام بے حد پیچیدہ تھا۔ مسؤدہ قانون کی سخت مخالفت کی گئی اور اسے مسترد کر دیا گیا۔

(105) Civis ramanus Sum (میں روما کا شہری ہوں) 25 جون 1850 کو دارالعوام میں تقریر کرنے کے بعد یہ عرفی نام پامرسٹن کو دیا گیا تھا جو تاجر پیسیفیکو کے متعلق تھا۔ برطانوی بحریہ کے اقدام کو جائز قرار دیتے ہوئے، جسے ایک پرتگالی نسل کے برطانوی کو بچانے کے لئے یونان بھیجا گیا تھا (جس کا گھر ایتھنز میں جلا دیا گیا تھا)، پامرسٹن نے اعلان کیا کہ رومی شہریت کے فارمولے Civis ramanus sum کی طرح، جو قدیم روم کے شہریوں کے لئے عالمی عزت کا اہتمام کرتا تھا، برطانوی شہریت کو بھی برطانوی شہریوں کی جہاں بھی وہ ہوں سلامتی کی ضامن ہونا چاہیے۔ پامرسٹن کیشاونسٹ تقریر کا انگریز بورژوازی نے گرم جوشی سے خیر مقدم کیا۔

(106) حوالہ ہے 1852 کی اینگلو برمی جنگ کا۔(ملاحظہ ہو نوٹ 19)

(107) یہ اور اگلے صفحات، جن کا حوالہ مارکس اپنے نوٹس کے متن میں دیتے ہیں، رابرٹ سویل کی تصنیف ''قدیم ترین زمانے سے معزز ایسٹ انڈیا کمپنی' کے 1858 میں خاتمے تک ہندوستان کی تجزیاتی تاریخ'' سے ہیں جو لندن سے 1870 میں شائع ہوئی تھی۔

(108) ایگزامنر: انگریز بورژوا لبرل ہفتہ وار، لندن میں 1808 سے 1881 تک شائع ہوتا رہا۔

(109) Neue Rheinische Zeitung,Organ der Demokratie روزنامہ جو کولون سے کیم جون 1848 تا 19 مئی 1849 شائع ہوتا رہا۔ اس کے مدیر کارل مارکس تھے۔ ادارتی بورڈ میں اینگلز بھی شامل تھے۔ یہ اخبار جمہوری تحریک کے پرولتاری بازو کا پُرجوش ترجمان تھا۔ اس نے عوام کو متحرک کرنے اور انقلاب دشمنی کے خلاف متحد او رجدوجہد کرنے میں عظیم کردار ادا کیا۔

اداریئے جو جرمن اور یورپی انقلاب کے بنیادی مسائل کی جانب اخبار کے رویے کی عکاسی کرتے تھے عام طور پر مارکس اور اینگلز لکھا کرتے تھے۔ پولیس کی عقوبت کے باوجود اخبار نے انقلابی جمہوریت پسندوں اور پرولتاریہ کے مفاد میں جرات آمیز رویہ اختیار کیا۔ مارکس کی جلاوطنی اور دوسرے مدیروں پر تشدد کی وجہ سے اخبار بند ہو گیا۔

(110) مصنف غیر مساوی 'تین تسن کے معاہدہ' کا حوالہ دے رہے ہیں جس پر برطانیہ اور چین نے 1858 میں دستخط کئے تھے۔ اس نے 1856_58

کی افیون کی دوسری جنگ ختم کر دی۔ معاہدے کے تحت دریائے یانگ تسی کے کنارے، منچوریا میں، تائیوان اور ہائنان جزائر میں اور تین تسن کی بندرگاہوں کو بیرونی تجارت کے لئے کھول دیا گیا، پیکنگ میں مستقل غیر ملکی سفارتی نمائندوں کو رہنے کی اجازت دی گئی، غیر ملکیوں کو آزادی سے سارے ملک میں سفر کرنے او رسمندر اور دریاؤں میں جہاز رانی کا حق مل گیا اور عیسائی مشنریوں کی سلامتی کی ضمانت دی گئی۔

ناموں کا اشاریہ

آ، ا

آپا صاحب: ریاست کے راجہ (1839_48)۔

ارسطو: (384 تا 322 قبل مسیح) قدیم یونان کے عظیم فلسفی۔ فلسفے میں مادیت اور عینیت کے بین بین رہے۔ غلام مالکوں کے طبقے کے نظریہ داں۔

اسٹینلے: (Stanley) ایڈورڈ ہنری، ڈربی کے ارل (1826_93) انگریز مدبر، ٹوری، ساتویں اور آٹھویں دہائیوں میں قدامت پرست، پھر لبرل، وزیر برائے امور نو آبادیات (1858, 1882_85)، وزیر برائے امورِ ہند (1858_59)، وزیر خارجہ (1866_68, 1874_78)۔

اسٹیوراٹ: (Stewart)، ڈونلڈ مارٹن (1824 تا 1900) برطانوی افسر، بعد میں فیلڈ مارشل، ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

اسمتھ: (smith) رابرٹ ورنن (1800_73) انگریز مدبر، وگ، پارلیمنٹ کے ممبر، بورڈ آف کنٹرول کے صدر (1855_58)۔

اسمتھ: جان مارک فریڈرک (1790 تا 1874) انگریز جنرل، انجینئر۔

اکبر ثانی: ہندوستان کے مغل شہنشاہ (1806_1837)۔

آکلینڈ: (Auckland) جارج ایڈن، ارل (1784_1849) انگریز مدبر، وگ، ہندوستان کے گورنر جنرل (1836_42)۔

امر سنگھ: کنور سنگھ کے بھائی جوان کی وفات (اپریل 1858) کے بعد اودھ میں ہندوستانی بغاوت کے شرکاء کے لیڈر بن گئے۔

انگلش: (English) فریڈرک (1816_78) انگریز فوجی افسر، بعد میں

جنرل، ہندوستان میں بغاوت کے (1857_59) وقت لکھنؤ کے محاصرے او تسخیر میں حصہ لیا۔

انگلیز: (Inglis) جان ایرڈلے ولموٹ (1814_62) برطانوی کرنل، 1857 سے جنرل، ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔ 1857 کے جولائی او ستمبر میں لکھنؤ میں انگریز فوج کے کمانڈر۔

اوٹرم: (Outram) جیمس (1803_63) انگریز جنرل، لکھنؤ میں ریذیڈنٹ (1854_56)، 1857 میں اینگلو ایرانی جنگ میں انگریز فوج کی کمان کی، اودھ کے چیف کمشنر رہے (1857_58)، ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

اورلینس خاندان: فرانسیسی شاہی سلسلہ سلاطین (1830_48)۔

اورنگزیب: (1618_1707) ہندوستان کے مغل شہنشاہ (1658_1707)۔

اوسکر اول: (1799_1859) ناروے اور سویڈن کا بادشاہ۔

ایش برنہم: (ashburnham)، ٹامس (1807_72)، انگریز جنرل۔ 1857 میں چین میں فوجی مہم کے کمانڈر جنہیں ہندوستانی بغاوت کے پیش نظر ہندوستان بلا لیا گیا۔

ایلزبتھ اول: (1533_1603) انگلستان کی ملکہ (1558_1603)۔

ایلگن: (Elgin) جیمس بروس، ارل (1811_63) برطانوی سفارتی کارکن۔ 1857_58 اور 1860_61 میں نمائندہ خصوصی کی حیثیت سے چین بھیجے گئے، ہندوستان کے وائسرائے (1862_63)۔

ایلن برو: (Ellenborough) ایڈورڈ لا، ارل (1790_1871) برطانوی مدبر اور پارلیمنٹ کے رکن، ٹوری، ہندوستان کے گورنر جنرل (1842_44)، فرسٹ لارڈ آف ایڈمرلیٹی (1846)، ایسٹ انڈیا کمپنی کے بورڈ آف کنٹرول کے صدر (1858)۔

اینسن: (Anson)، جارج (1797_1857) ہندوستان میں برطانوی فوج کے کمانڈر انچیف (1856_57)۔

ایونس: (Evans) جارج ڈی لیسی (1787_1870) انگریز جنرل، کرائمیا کی جنگ میں لڑے، لبرل سیاست داں، پارلیمنٹ کے ممبر۔

ب

برائٹ: (Bright)، جان (1811_89) انگریز کارخانہ دار اور بورژوا سیاست کی شخصیت، آزاد تجارت کے ایک رہنما، اناج کے قانون کی مخالف لیگ کے بانی۔ 19ویں صدی کی ساتویں دہائی کے شروع میں لبرل پارٹی میں بائیں بازو کے رہنما، لبرل کابیناؤں میں وزارتی عہدوں پر فائز رہے۔

برنارڈ: (Bernard) ہنری ولیم (1799_1857) انگریز جنرل۔ 1854_55 میں کرائمیا کی جنگ میں حصہ لیا۔ 1857 میں ہندوستانی بغاوت کے وقت دہلی کا محاصرہ کرنے والی فوج کے کمانڈر۔

بریرٹن: (Brereton) ہندوستان میں انگریز افسر، پنجاب کے ضلع لدھیانہ میں کمشنر (1855)۔

بریگز: (Briggs) جان (1785_1875) انگریز جنرل۔ 1801_1830 تک ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم، ایسٹ انڈیا کمپنی کے مالکان

کے کورٹ کے رکن، آزاد تجارت کے حامی، ہندوستان اور ایران کے متعلق کتابوں کے مصنف ومترجم۔

بلیکٹ: (Blackett)، جان (1821_56) برطانوی پارلیمنٹ کے ممبر۔

بلیک سٹن: (Blackstone) ولیم (1723_80) انگریز قانون داں، آئینی بادشاہت کے علم بردار۔

بوچیر: (Bourchier)، جان (1792_1872) انگریز سیاسی شخصیت، بینتھم کے چیلے، آزاد تجارت کے حامی، استعماری مقبوضات میں افسر، کینٹین میں قونصل (1847_52) ہانگ کانگ کے گورنر، سپہ سالار اور نائب امیر البحر (1854_57)، چین میں سفارتی فرائض منصبی انجام دیئے اور تجارت کی نگرانی کی، چین سے افیون کی دوسری جنگ (1856_58) شروع کرنے میں مدد کی۔

بوئیلو: (Boileau) برطانوی فوجی افسر، ہندوستان کی بغاوت کچلنے میں حصہ لیا۔

بہادر شاہ ثانی: (1767_1862) آخری مغل شہنشاہ جنہیں انگریزوں نے معزول کر دیا تھا۔لیکن 1857 میں جب ہندوستان میں تحریک آزادی بڑھی تو باغیوں نے ان کے شہنشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ستمبر 1857 میں دہلی کی فتح کے بعد انگریزوں نے انہیں گرفتار کر کے برما جلاوطن کر دیا (1858)۔

بہادر جنگ: (1816_77)، 1846 سے نیپال کے حکمراں۔ ہندوستانی بغاوت کے وقت انگریزوں کا ساتھ دیا۔

بیلفیلڈ: (Belfield) جیمس...مانچسٹر میں اینگلز کے دوست۔

بیلی : (Baillie) ہنری جیمس... انگریز سرکاری افسر، بورڈ آف کنٹرول کے سیکرٹری۔

بنٹنگ : (Bentinck) لارڈ ولیم (1774_1839) انگریز مقبوضات میں افسر، ہندوستان کے گورنر جنرل (1828_35)۔

پ

پامرسٹن: (Palmerston)، ہنری جان ٹیمپل، وائی کاؤنٹ (1784_1865) برطانوی وزیر اعظم، اپنے کیریئر کے آغاز میں ٹوری، 1830 سے وہگ لیڈر رہے اس پارٹی کے دائیں بازو کے عناصر ان کی حمایت کرتے تھے، وزیر خارجہ (1830_34، 1835_41، 1846_51)، وزیر داخلہ (1855_56) اور وزیر اعظم (1855_58، 1859_65)۔

پٹ :(Pitt)، ولیم جونیئر (1759_1806) انگریز مدبر، ٹوری پارٹی کے لیڈر، وزیر اعظم (1783_1801، 1804_06)۔

پروندر سنگھ: ایک ہندوستانی راجہ۔

پروبن : (Probyn)، ڈائیٹن میکناٹن (سال پیدائش 1833) انگریز فوجی افسر، بعد میں جنرل، 1857_59 میں ہندوستانی بغاوت کچلنے میں حصہ لیا، پنجاب سوار فوج کی کمان کی۔

پولیکسفن: (Pollexfen) جان (پیدائش غالباً 1638) انگریز تاجر، معاشی مسائل پر مصنف ایسٹ انڈیا کمپنی کی اجارہ داری ختم کرنے کے حامی۔

پیٹن :(Paton) جان اسٹیفورڈ (1821_89) انگریز فوجی افسر، بعد میں جنرل، پہلی اور دوسری اینگلو سکھ جنگوں میں حصہ لیا۔ ہندوستانی بغاوت کچلی۔

پیل: (Peel) ولیم (1824_58) انگریز فوجی افسر، بحری بریگیڈ کے رہنما کی حیثیت سے ہندوستان کی بغاوت کچلی۔

ت

تانتیا ٹوپی: (غالباً 1814 تا1859) طباع مرہٹہ جنرل، ہندوستانی بغاوت کے رہنماؤں میں سے ایک۔ کانپور، کالپی اور گوالیار کے علاقوں میں باغی دستوں کی رہنمائی کی۔ 1859 میں ان کے ساتھ غداری کی گئی اور مار ڈالا گیا۔

توتلی بن: ایدوارد ایوانوچ (1818_84) ممتاز روسی فوجی انجینئر جنرل، سیواستوپول کی جری مدافعت منظم کرنے والوں میں سے ایک۔

تیمور: (1336_1405) وسطی ایشیاء کے سپہ سالار اور فاتح۔

ٹ

ٹیپو سلطان: (1750_99) میسور کے سلطان (1782_99) 18 ویں صدی کی نویں اور دسویں دہائیوں میں ہندوستان میں انگریزوں کی ملک گیری کے خلاف کئی لڑائیاں لڑیں۔

ج

جارج اول: (1660_1727) برطانیہ عظمیٰ کے بادشاہ (1714_1727)۔

جارج دوم: (1683_1760) برطانیہ عظمیٰ کے بادشاہ (1727_1760)۔

جارج سوم: (1738_1860) برطانیہ عظمیٰ کے بادشاہ (1760_1860)۔

جونس: (Jones) جان (1811_78) ایک انگریز افسر۔ ہندوستانی بغاوت کے وقت ایک بریگیڈ کی کمان کی۔

جیکب: (Jacob)، جارج لے گران (1805_81) انگریز کرنل، بعد میں جنرل، 1857 میں اینگلو ایرانی جنگ میں اور پھر ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

چ

چارلس اول: (1600_49) انگلستان کے بادشاہ (1620_49) سترھویں صدی میں بورژوا انقلاب کے دوران انکی گردن ماردی گئی۔

چارلس پنجم: (1500_58) اسپین کے بادشاہ، شہنشاہ مقدس سلطنت روم (1519_56)۔

چارلس دہم: (1757_1836) فرانس کے بادشاہ (1824_30)۔

چارلس لوڈویگ یوگیں: (1826_72) سویڈن کے ولی عہد، بعد میں سویڈن کے بادشاہ، چارلس چیز دہم (1859_72)۔

چائلڈ: (Child)، جوزیا (1630_99) انگریز معاشیات داں، مالک بینک، تاجر، زر پرست۔ 1681_83 اور 1686_88 میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے صدر۔

چنگیز خان: (1155_1227) کے قریب، مشہور منگول فاتح، منگول سلطنت کے بانی۔

چیپمین: (Chapman)، جان (1801_54) انگریز صحافی، بورژوا ریڈیکل، ہندوستان میں اصلاحات کے حامی۔

چیمبرلین: (Chamberlain)، نیویل بولس (1820_1902) برطانوی جنرل، بعد میں فیلڈ مارشل، پہلی اینگلو افغان جنگ (1838_42) اور دوسری اینگلو سکھ جنگ (1848_49) میں لڑے، پنجاب کی بے ترتیب فوج کے کمانڈر (1854_58)، ہندوستان کی بغاوت کچلنے میں حصہ لیا۔ مدراس فوج کے کمانڈر انچیف (1876_81)۔

ح

حضرت محل: بیگم اودھ، 1857_59 کی بغاوت میں اودھ میں باغیوں کی رہنمائی کی۔

د

دلیپ سنگھ: (1837_93)، پنجاب کے مہاراجہ (1843_49)، رنجیت سنگھ کے چھوٹے بیٹے ۔1854 سے انگلستان میں قیام کیا۔

دے کانتزوف: (De Kantzow) انگریز افسر، ہندوستانی بغاوت کچلنے میں حصہ لیا۔

ڈ

ڈاز: (Dawes) انگریز فوجی افسر۔ بہادر شاہ ثانی پر مقدمہ جس عدالت میں چلایا گیا اُس کے صدر تھے۔

ڈربی: (Derby) ایڈورڈ جارج جیوفرے اسمتھ اسٹینلے (1799_1869)، برطانوی مدبر، ٹوریوں کے لیڈر، 19ویں صدی کے دوسرے نصف میں قدامت پرست پارٹی کے رہنما۔ وزیر اعظم (1852,1858_59,1866_68)۔

ڈزرائیلی: (Disraeli)، بنجامن، بیکنس فیلڈ کے ارل (1804_81) برطانوی مدبر اور مصنف، ایک ٹوری لیڈر، 19 ویں صدی کے آخری نصف میں قدامت پرست پارٹی کے رہنما، وزیر مالیات (1853, 1858_59, 1866_68)، وزیر اعظم (1868,1874_80)۔

ڈکنسن: (Dickinson)، جان (1815_76) انگریز اہل قلم، آزاد تجارت کے حامی، ہندوستان کے متعلق کئی کتابوں کے مصنف، ہندوستانی انجمن اصلاح کے بانیوں میں سے ایک۔

ڈلہوزی: (Dalhousie)، جیمس انڈریو ریمزے، مارکوس (1812_60) برطانوی مدبر، ہندوستان کے گورنر جنرل (1848_56)، نو آبادیاتی مقبوضات کی پالیسی کو عملی جامہ پہنایا۔

ڈینر: (Danner)، لوئیز اکرسٹینا، کاؤنٹیس (1815_74) ڈنمارک کے بادشاہ فریڈرک ہفتم کی بیوی جو شاہی خاندان سے نہ تھی۔

ر

رابرٹس: (Roberts)، ہنری (1800_60) انگریز جنرل، ہندوستانی بغاوت کچلنے میں حصہ لیا۔

رسل: (Russell)، جان (1792_1878) برطانوی مدبر، وہگوں کے رہنما، وزیر اعظم (1846_52, 1865_66)، وزیر خارجہ (1852_53,1859_65)، خفیہ کونسل کے صدر (1854_55)۔

رسل: (Russell)، ولیم ہاورڈ (1820_1907) انگریز صحافی، ''

ٹائمز'' کے جنگی نامہ نگار۔

رنبیر سنگھ: کشمیر کے راجہ، ہندوستانی بغاوات کے وقت انگریزوں کا ساتھ دیا۔

روز: (Rose)، ہیو ہنری (1801_85) انگریز جنرل، بعد میں فیلڈ مارشل کرائمیا کی جنگ میں حصہ لیا۔ ہندوستانی بغاوت کچلی۔

ریڈ: (Reed)، ٹامس (1796_1883) انگریز جنرل، ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

ریفلس: (Raffles)، ٹامس اسٹیمفورڈ (1781_1826) انگریز نوآبادیاتی افسر، 1811_16 میں جاوا کے لیفٹیننٹ گورنر'' جاوا کی تاریخ'' کے مصنف۔

ریگلن: (Raglan) فٹزرائے جیمس ہنری سومرسیٹ، بیرن (1788_1855) برطانوی فیلڈ مارشل، 1854_55 میں کرائمیا میں سالار اعظم۔

ریناڈ: (Renaud)، (انتقال 1857)، انگریز فوجی افسر، ہندوستانی بغاعت کچلنے میں حصہ لیا۔

ز

زینت محل: آخری مغل شہنشاہ بہادر شاہ ثانی کی بیوی۔

س

سالتیکوف: الیکسی دمتریوچ ڈیوک (1806_59) روسی سیاح، ادیب او رفنکار، 1841_43 اور 1845_46 میں ہندوستان کا سفر کیا۔

سلیمن: (Sleeman)، ولیم ہنری (1788_1856) انگریز

استعماریت کا عہدیدار، فوجی افسر، بعد میں جنرل، پھر گوالیار میں (49_1843) اورلکھنؤ (54_1849) میں ریذیڈنٹ۔

سمپسن: (Simpson)، جیمس (1868_1792)۔انگریز جنرل، فروری تا جون 1855 میں اسٹاف کمانڈر، بعد میں کرائمیا میں سالار اعظم۔

سندھیا: عالی جاہ جیاجی (بھاگیرتھ راؤ) (سال پیدائش غالباً 1835) 1853 سے ریاست گوالیار کے مرہٹہ حکمراں۔ ہندوستانی بغاوت کے وقت انگریزوں کا ساتھ دیا۔

سیٹن: (Seaton)، ٹامس (76_1806) انگریز کرنل، بعد میں جنرل، 1822 سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم، ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

سیزر: گائیس جولیس (44تا100 قبل مسیح) روم کا مشہور جنرل اور مدبر۔

ش

شاورز: (Showers) انگریز فوجی افسر، ہندوستانی بغاوت کو کچلنے کے وقت بریگیڈ کی کمان کی اور دہلی اور آگرے کی کاروائیوں میں حصہ لیا۔

شلر: (Schiller)، فریڈرخ (1805_1759) عظیم جرمن شاعر اور ڈرامہ نویس۔

شور: (Shore)، جان ٹائن ماؤتھ (1834_1751) برطانوی نوآباد کار افسر، ہندوستان کے گورنر جنرل (98_1793)۔

ف

فاکس: (Fox) چارلس جیمس (1806_1749) برطانوی مدبر، وہگوں کے لیڈر، وزیر خارجہ (1806_1783_1782)۔

فرڈیناند شہزادہ: ملاحظہ ہو فریڈرک فرڈیناند۔

فریڈرک شہزادہ: (1792_1863) ڈنمارک کا شہزادہ۔

فریڈرک ہفتم: (1808_63) ڈنمارک کے بادشاہ (1848_63)۔

فرینکس: (Franks)، ٹامس ہارٹ (1808_62) انگریز جنرل، دوسری اینگلو سکھ جنگ میں حصہ لیا اور ہندوستان میں بغاوت کو کچلنے میں شرکت کی۔

فیروز بخت: بہادر شاہ ثانی کے رشتے دار، ہندوستانی بغاوت کے رہنماؤں میں سے ایک۔ مالوے اور اودھ میں باغیوں کی رہنمائی کی۔

فین: (Fane) والٹر (1828_85) انگریز فوجی افسر، بعد میں جنرل، پنجاب کی سوار فوج میں خدمت کی، ہندوستان میں بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

ق

قلی خان: ملاحظہ ہو نادر شاہ۔

ک

کانوالس: (Carnwallis) چارلس، مارکوئیس (1738_1805) برطانوی رجعت پرست سیاست داں، ہندوستان کے گورنر جنرل (1786_93, 1805) جب آئرلینڈ کے وائسرائے تھے (1798,1801_05) تو اس ملک میں بغاوت (1798) کو کچل ڈالا۔

کاوینیاک: (Cavaignac) لائی ایژین (1802_57) فرانسیسی جنرل اور سیاست داں، الجزائر کی تسخیر (1831_48) میں حصہ لیا۔ اپنے مظالم کی وجہ سے بدنام۔ مئی 1848 میں وزیر جنگ کی حیثیت سے پیرس کے مزدوروں کی بغاوت کے بے رحمی سے کچلا۔

کرامویل: (Cromwell) آلیور (1599_1658) 17 ویں صدی میں انگریز بورژوا انقلاب میں بورژوازی اور بورژوازی زدہ اشرافیہ کے رہنما۔ 1653 سے کامن ویلتھ کے لارڈ پروٹیکٹر۔

کلائیو: (Clive) رابرٹ (1725_74) بنگال کے گورنر (1757_60 اور 1765_67) ہندوستان کی تسخیر کے سلسلے میں انتہائی بے رحم انگریز نوآبادکار۔

کمیٹی: (Kmety) دیورد (1810_65) ترک جنرل، پیدائشی ہنگریائی۔ کرائمیا کی جنگ میں ڈینیوب پر ترک فوج کے کمانڈر (1853_54) اور پھر قفقاز میں (1854_65)۔

کنور سنگھ: (سال وفات 1858) ہندوستانی بغاوت میں اودھ کے باغیوں کے رہنما۔

کوبیٹ: (obbet) ولیم (1763_1835) انگریز سیاست داں اور اہل قلم۔ پیٹی بورژوا ریڈیکل ازم کے ممتاز مبلغ، برطانوی سیاسی نظام کو جمہوری بنانے کی وکالت کی۔ 1802 میں "کوبیٹ کا سیاسی رجسٹر" ہفتہ وار شائع کرنا شروع کیا۔

کوڈرنگٹن: (Codrington) ولیم جان (1804_84) انگریز جنرل، کرائمیمیں انگریز فوج کے کمانڈر انچیف (1855_56)۔

کوربیٹ: (Corbett) اسٹوراٹ (سال وفات 1865) انگریز جنرل، ہندوستان میں بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

کیمبل: (Campbell) انگریز افسر۔ ہندوستان میں بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

کیمبل: (Campbell) جارج (1824_92) ہندوستان میں انگریز

افسر، بعد میں پارلیمنٹ کے ممبر (92_1875) ہندوستان سے متعلق متعدد کتابوں کے مصنف۔

کیمبل: (Campbell) کالن، بیرن کلائڈ (1863_1792) برطانوی جنرل، بعد میں فیلڈ مارشل، دوسری اینگلو سکھ جنگ (49_1848)، کرائمیا کی جنگ (55_1854) میں حصہ لیا اور ہندوستان میں بغاوت کے وقت برطانوی فوج کے کمانڈر انچیف۔

کیننگ: (Canning) چارلس جان، ارل (62_1812) انگریز مدبر، ٹوری، بعد میں پیل کے حامی، ہندوستان کے گورنر جنرل (62_1856) ہندوستان میں 59_1857 کی بغاوت کو کچلنے کے منتظم۔

گ

گارنئے پاژے: (Garnier_Paged) اتیئین ژوزف لوئی (41_1801) فرانسیسی سیاست داں، بورژوا جمہوریت پسند۔ 1830 کے انقلاب کے بعد ری پبلکی حزب اختلاف کی رہنمائی کی۔ پارلیمنٹ کے ممبر (34_1831,41_1835)۔

گارنئے پاژے: (Garnier _Pages) لوئی آنتواں (78_1803) فرانسیسی سیاست داں، معتدل بورژوازی پبلکی، 1848 میں عارضی حکومت کے رکن۔

گبن: (Gibbon) ایڈورڈ (94_1737) انگریز بورژوا تاریخ داں، ''سلطنت روم کے زوال اور تباہی کی تاریخ'' کے مصنف۔

گرانٹ: (Grant) پیٹرک (95_1804) برطانوی جنرل، بعد میں فیلڈ

مارشل مدراس فوج کے کمانڈر انچیف (1856_61) ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا 1857 میں مئی سے اگست تک ہندوستان میں کمانڈر انچیف۔

گرانٹ: (Grant) جیمس ہوپ (1808_75) برطانوی جنرل 1840_42 میں چین کے خلاف افیون کی پہلی جنگ میں، اینگلو سکھ جنگوں (1845_46,1848_49) میں اور ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

گریٹ ہیڈ: (Great head) ولیم ولبر فورس ہیرس (1826_78) انگریز فوجی افسر، انجینئر، ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

گرینول (Granville) جارج لیوی سن گووہر، ارل (1815_91) انگریز مدبر، وِگ بعد میں لبرل پارٹی کے رہنماؤں میں سے ایک، وزیر خارجہ (1880_85,1870_74,1851_52)، وزیر برائے امور نو آبادیات (1886.1868_70)۔

گلیڈسٹن: (Glaidstone) ولیم ایوارٹ (1809_98) برطانوی سیاست داں، ٹوری، بعد میں پیل کے حامی، 19 ویں صدی کے دوسرے نصف میں لبرل پارٹی کے لیڈر۔ وزیر مالیات (1859_66,1852_55) اور وزیر اعظم (1892_94,1886,1880_85,1868_74)۔

گوئٹے: (Goethe) یوہان ولف گانگ (1749_1832) مشہور جرمن شاعر اور فلسفی۔

ل

لارنس: (Lawrence) ہندوستان میں ایک افسر۔

لارنس: (Lawrence) ہنری منٹگمری (1806_57) برطانوی جنرل،

نیپال میں ریذیڈنٹ (1843_46) پنجاب کے انتظامیہ کے بورڈ کے صدر (1849_53) اودھ کے چیف کمشنر (1857)، ہندوستانی بغاوت کے وقت لکھنؤ میں برطانوی فوج کی کمان کی۔

لارنس: جان لیرڈ میر (1811_79) ہندوستان میں نو آبادیاتی برطانوی انتظامیہ کے بڑے عہدیدار، پنجاب کے چیف کمشنر (1853_57)، ہندوستان کے وائسرائے (1864_69)۔

لارنس: (Lawrence) جارج سینٹ پیٹرک (1804_84) انگریز جنرل، ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا، راجپوتانہ میں ریزیڈنٹ (1857_64)۔

لکشمی بائی: (1835_1858) ریاست جھانسی کی رانی، قومی سورما، ہندوستان میں بغاوت کی ایک رہنما، باغی دستوں کی رہنمائی کی اور میدان جنگ میں کام آئیں۔

لوگارڈ: (Lugard) ایڈورڈ (1810_98) انگریز جنرل۔ اینگلو ایرانی جنگ (1856_57) میں اور ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

لوئی فلپ: (1773_1850) اورلینس کے ڈیوک، فرانس کے بادشاہ (1830_48)۔

لوئی نپولین: ملاحظہ ہو نپولین سوم۔

لیڈس: (Leeds) ٹامس اوسبرن، 1689 سے مارکوئیس کارمارتھن، 1694 سے ڈیوک (1631_1712) انگریز سیاست داں، ٹوری، وزیر اعظم (1690_95 ,1674_79) اور 1695 میں پارلیمنٹ نے ان پر رشوت

ستانی کا الزام لگایا۔

لیسی ایونس: ملاحظہ ہو ایونس، جارج ڈی لیسی۔

م

مارلبرو: (Marlborough) جان چرچل، ڈیوک (1650_1722) انگریز جنرل ہسپانوی جانشینی کی لڑائی میں برطانوی فوج کے سالارِ اعظم۔

ماموں خان: ہندوستانی بغاوت کے وقت لکھنؤ علاقے میں اودھ کے باغیوں کے رہنما۔

مان سنگھ: ہندوستانی راجہ جو اگست 1858 میں باغیوں میں تھے لیکن 1859 کے شروع میں بغاوت کے مشہور رہنما تانتیا ٹوپی کے ساتھ دغا کی۔

مان سنگھ: سلطنت اودھ کے ایک بڑے جاگیر دار، ہندوستانی بغاوت میں انگریز نوآبادکاروں کے حلیف۔

محمد علی شاہ: شاہ اودھ (1837_42)۔

مرے: (Murray) چارلس (1806_95) انگریز سفارت کار، مصر میں قونصل جنرل (1846_53)، تہران میں سفیر (1854_59)۔

مغل اعظم: ہندوستانی شہنشاہوں کا خاندان (1526_1858)۔

مل: (Mill) جیمس (1773_1836) برطانوی بورژوا، معاشیات داں اور فلسفی ''برطانوی ہندوستان کی تاریخ'' کے مصنف۔

مَن: (Mun) ٹامس (1571_1641) انگریز تاجر، معاشیات داں، تجارتی نظریۂ زر کے قائل اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹروں میں سے ایک۔

منٹگمری: (Montgomery) رابرٹ (1809_87)، 1858 میں

انگریز افسر، اودھ کے چیف کمشنر، 1859_65 میں پنجاب کے گورنر۔

مینے: (Minie) کلود ایتین (1804_79) فرانسیسی فوجی افسر اور ہتھیاروں کے موجد، ایک نئی قسم کی بندوق ایجاد کی۔

موتسارت: (Mozart) ولف گانگ اماڈیس (1756_91) آسٹریا کے عظیم موسیقی نگار۔

موگز: (Mogs) انگریز فوجی افسر، ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

مولوی احمد شاہ: (انتقال 1858) غدر کے ایک ممتاز رہنما، عوامی مفادات کے ترجمان، اودھ میں بغاوت کی رہنمائی اور لکھنؤ کی مدافعت میں جرات اور وفاداری سے پیش پیش رہے۔ جون 1858 میں انہیں دغابازی سے قتل کر دیا گیا۔

مولیر: (Moliere) ژان باتست (پوکلیس) (1622_73) عظیم فرانسیسی ڈرامہ نگار۔

مونتیسکو: (Montesquieu) شارل دی (1689_1755) فرانسیسی بورژوا ماہر عمرانیات، معاشیات داں، مصنف اور آئینی بادشاہت کے نظریہ داں۔

میسن: (Mason) جارج ہنری مونک، (1825_57) جودھپور میں مقیم انگریز افسر، ہندوستانی بغاوت میں مارے گئے۔

ن

نادر شاہ (قلی خان): (1688_1747) ایران کے بادشاہ (1736_1747)، 1738_39 میں ہندوستان پر حملہ آور ہوئے۔

نارتھ: (North) فریڈرک (1732_92) انگریز مدبر، ٹوری، وزیر مالیات (1767)، وزیر اعظم (1770_82) پورٹ لینڈ کی مخلوط حکومت (فاکس

نارتھ کابینہ) میں وزیر داخلہ۔

ناصرالدین:(1831_96) شاہ ایران(1848_96)۔

نانا صاحب: (پیدائش غالباً 1824) ہندوستانی جاگیردار، مرہٹوں کے آخری پیشوا باجی راؤ دوم کے لے پالک بیٹے، بغاوت کے ایک رہنما۔

نپولین اول بوناپارٹ: (1769_1821) شہنشاہ فرانس (1804_1814...1815)۔

نپولین سوم: (لوئی نپولین بوناپارٹ)(1808_73) نپولین اول کا بھتیجا، دوسری ری پبلک کے صدر(1848_51) شہنشاہ فرانس(1852_70)۔

نصیرالدین حیدر:(انتقال1837) شاہ اودھ (1827_37)۔

نکلسن: (Nicholson) جان (1821_57) انگریز جنرل پہلی اینگلو افغان اور دوسری اینگلو سکھ جنگ میں حصہ لیا، ہندوستانی بغاوت کے وقت دہلی پر حملہ کرتے وقت ایک انگریز دستے کی کمان کی (1857)۔

نکولس اول:(1796_1855) روس کے شہنشاہ(1852_55)۔

نیپئر: (Napier) چارلس جیمس (1782_1853) برطانوی جنرل، نپولین اول کے خلاف جنگوں میں حصہ لیا۔ 1842_43 میں اس فوج کی کمان کی جس نے ہندوستان میں سندھ پر قبضہ کیا۔1843_47 میں سندھ کے گورنر۔

نیل: (Neill) جیمس جارج اسمتھ (1810_57) انگریز جنرل، کرائمیا کی لڑائی میں لڑے۔ ہندوستانی بغاوت کے وقت کانپور میں سخت تشدد کیا۔

و

واجد علی شاہ: شاہِ اودھ (1847_56)۔

وارین: (Warren) چارلس (1798_1866) انگریز فوجی افسر، 1858 سے جنرل، 19_1816 اور 38_1830 میں ہندوستان میں فوجی خدمت کی۔ کرائمیا کی جنگ میں حصہ لیا۔

والپول: (Walpole) رابرٹ (76_1808) انگریز فوجی افسر، بعد میں جنرل، کورفو جزیرے میں فوج خدمت کی۔ (56_1847) ہندوستانی بغاوت کے وقت بریگیڈ کی کمان کی۔

والٹیر: (voltaire) (فرانسو ماری، اروبے) (1694_1778) مشہور فرانسیسی فلسفی، مصنف اور تاریخ داں جو مذہبیت خصوصاً کیتھولک مذہب کے خلاف لڑے۔

وان کورٹلانڈٹ: (Van Contlandt) ہنری چارلس (88_1815) انگریز جنرل 39_1832 میں سکھ حکومت کی فوجی ملازمت کی۔ پہلی اور دوسری اینگلوسکھ جنگوں میں انگریزوں کی طرف سے حصہ لیا۔ ہندوستانی بغاوت کچلی۔

وائن: (Vaughan) جان لوتھر (سال پیدائش 1820) انگریز جنرل، ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

وڈ: (Wood) چارلس (85_1800) انگریز مدبر، وہگ، وزیر خزانہ (52_1846) بورڈ آف کنٹرول کے صدر (55_1852) فرسٹ لارڈ ف ایڈمریلٹی (58_1855) وزیر برائے امور ہند (66_1859)، لارڈ پریوی سیل (74_1870)۔

وڈبرن: (Woodburn) انگریز جنرل، ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

وکٹوریا: (1819_1901) برطانیہ کی ملکہ (1837_1901)۔

ولسن: (Wilson) آرچڈیل (1803_74) انگریز جنرل، ہندوستانی بغاوت کے وقت فوجی دستوں کی رہنمائی کی جنہوں نے دہلی کو محصور کیا تھا اور اس پر دھاوا بولا تھا اور لکھنؤ پر قبضے کے وقت توپ خانے کی کمان کی تھی۔

ولسن: (wilson) جیمس (1805_60) انگریز بورژوا ماہر معاشیات او رسیاست داں، آزاد تجارت کے حامی، رسالے ''اکانومسٹ'' کے بانی او رمدیر، پارلیمنٹ کے ممبر، وزیر برائے مالیات (1853_1858)۔

ولسن: (Wilson) (انتقال 1857) انگریز کرنل، ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

ولیم سوم: پرنس آف آرنج (1650_1702) نیدرلینڈ کے حکمراں (1672_1702) اور انگلستان کا بادشاہ (1689_1702)۔

ولیم چہارم: (1765_1837) برطانیہ عظمیٰ کا بادشاہ (1830_37)۔

ولیمس: (Williams) ولیم فینیوک، بارونٹ کارس (1800_83) انگریز جنرل۔ 1855 میں کرائمیا کی جنگ میں کارس کی مدافعت کی رہنمائی کی۔ پارلیمنٹ کے ممبر (1856_59) وولوچ کے حفاظتی دستے کی کمان کی۔

ونڈھم: (Windham) چارلس ایش (1810_70) انگریز جنرل، 1854_56 میں کرائمیا کی جنگ میں حصہ لیا، لاہور میں برطانوی فوج کے کمانڈر، ہندوستانی بغاوت کچلی۔

وہٹلاک: (Whitlock) جارج کارنش (1798_1868) انگریز جنرل 1818 سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت کی۔ ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں

حصہ لیا۔

وھیلر (Wheeler) ہیومیسی (1789_1868) انگریز جنرل، 1838_39 اینگلو افغان جنگ میں حصہ لیا اور اینگلو سکھ جنگوں میں بھی کانپور کی حفاظتی فوج کے کمانڈر (1856_57) اور ہندوستانی بغاوت کچلنے میں حصہ لیا۔

ویلزلی: (Wellesley) رچرڈ کولی، مارکولیس (1760_1842) برطانوی مدبر، پارلیمنٹ کے ممبر، ہندوستان کے گورنر جنرل (1798_1805) وزیر خارجہ (1809_12)۔

ھ

ہارڈنگ: (Hardinge) ہنری، وائی کاؤنٹ، (1785_1856) برطانوی فیلڈ مارشل اور مدبر ٹوری، ہندوستان کے گورنر جنرل (1844_48) اور 1852 سے 1856 تک ہندوستان میں انگریزی فوجوں کے کمانڈر انچیف۔

ہاگ: (Hogg) جیمس واویر (1790_1876) انگریز سیاست داں، پارلیمنٹ کے ممبر، 1846_47 اور 1852_53 میں بورڈ آف ڈائریکٹرز کے صدر، ہندوستان کی کونسل کے رکن (1858_1872)۔

ہڈسن: (Hodson) ولیم اسٹیفن رائیکس (1821_58) برطانوی فوجی افسر، 1845 سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے کام کیا ہندوستانی بغاوت کے وقت سوار فوج کی کمان کی، دہلی اور لکھنؤ کی تسخیر میں حصہ لیا۔ اپنی بے رحمی کے لئے بدنام تھا۔

ہولکر تکاجی: (سال پیدائش لگ بھگ 1836) ریاست اِندور کے مرہٹہ حکمراں، ہندوستانی بغاوت کے وقت انگریزوں کا ساتھ دیا۔

ہومز: (Holmes) جان (1808_78) انگریز کرنل، بعد میں جنرل، پہلی اینگلو افغان جنگ میں (1838_42) اور ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

ہیولاک: (Havelock) ہنری (1795_1857) برطانوی جنرل، ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

ہیوم: (Hume) جوزف (1777_1855) برطانوی سیاست داں، بورژوا ریڈیکلوں کے رہنما، پارلیمنٹ کے ممبر۔

ہیویٹ: (Hewit) انگریز جنرل، 1857 میں ہندوستانی بغاوت کے وقت میرٹھ میں محافظ فوج کے کمانڈر۔

ختم شد